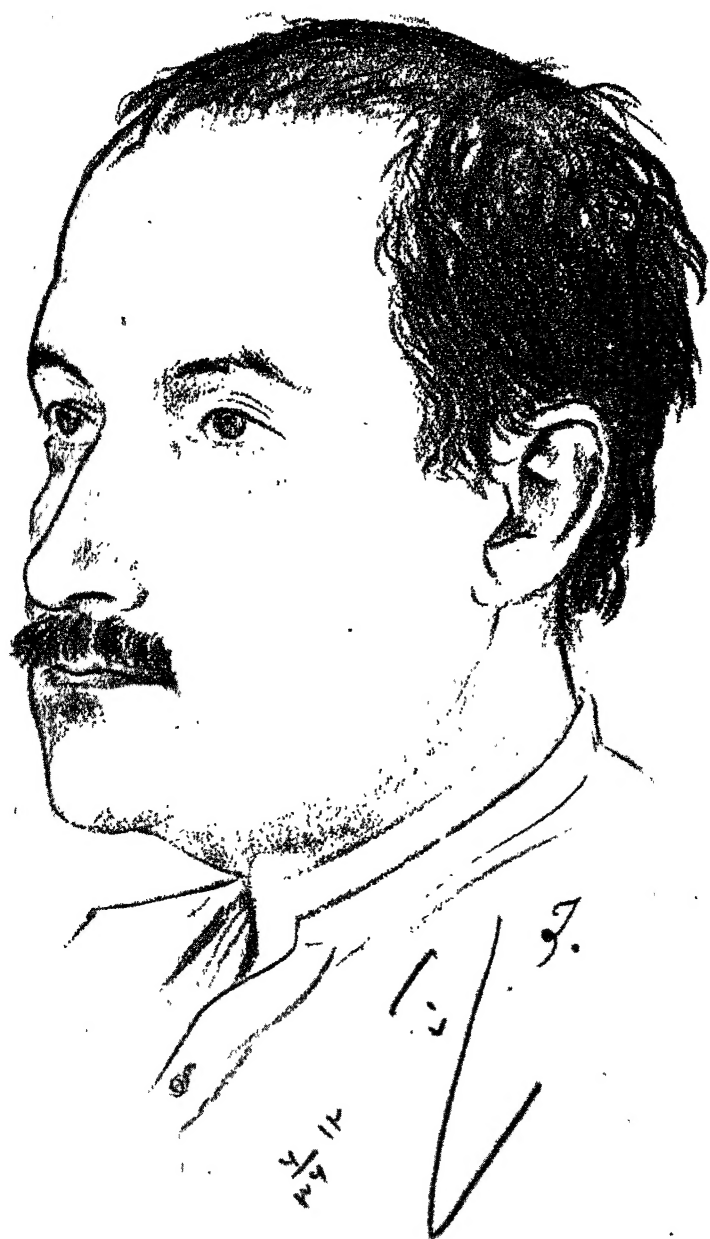


# تہذیب

اے رُوحِ عصرِ حاضر و ہندوستانِ نو  
 اس مصحفِ عظیم کی اندری و سعتیں  
 ہر منظرِ حیات کو دیکھا ہے غور سے  
 رکتی ہے جس مقام پر رُوحِ الایس کی سانس  
 لایا ہوں بزم و رزم کی ارضِ تضاد سے  
 کتنی شبوں کے طاق میں لکھ کر چراغِ دل  
 اس کی خبر بھی ہے کہ بنایا گیا ہے سخن  
 ڈھالے ہیں مرزا و گلستاں کی شکل میں  
 گوندھی گئی ہے تاریخ میں، خبر بھی ہے  
 کس کو خبر، تراش کے کہ ظلمتوں کا دل  
 میں تجھ سے کیا کہوں کہ سخن میں کیا ہو حل

لایا ہے اک صحیفہ، بخداں ترے لئے  
 ہر مدہ مشرقیں بد اماں ترے لئے  
 چھوڑا نہیں ہر ایک بھی غلوں ترے لئے  
 دل کو وہاں کیا ہے پُراقتاں ترے لئے  
 یہ طفلِ جنگ و سازِ بستاں ترے لئے  
 پرکھی ہے رُوحِ عالم امکاں ترے لئے  
 کتنی شبوں کا گریہ پہناں ترے لئے  
 کتنے ہیب و تیرہ بیا باں ترے لئے  
 کن ہوشوں کی زلفِ پاشاں ترے لئے  
 لایا ہوں میں یہ چمٹہ حیواں ترے لئے  
 کس شوخ کا تبسم نہاں ترے لئے



# فہرست

۴۶	اللہ کرے		آتش کدہ
۴۷	مستقبل	۱	پیان محکم
۴۸	وطن	۳	غلاموں سے خطاب
۵۱	شکست نذاں کا خواب	۴	ترک جمود
۵۲	علی گڑھ کالج کی پنجاہ سالہ جوبلی	۵	نعرہ شباب
۵۳	علی گڑھ سے خطاب	۸	حسن اور مزدوری
۵۵	لمحہ آزادی	۱۰	آثار انقلاب
۵۵	خان بہادر اور شمس العسما	۱۱	ملکوں کا رجز
۵۶	مقتل کانپور	۱۵	بیدار ہو بیدار
۵۷	غدار سے خطاب	۱۸	صدائے بیداری
۵۹	کب تک	۱۹	کسان
۶۰	خریدار تو بن	۲۳	زوال جہان بینی
۶۱	خریدار نہ بن	۲۷	نازک اندامان کالج سے خطاب
۶۲	ہمت	۳۰	بغاوت
۶۲	زندہ مرے	۳۷	زندہ کا گیت
۶۳	رعب حکومت	۳۹	ہوشیار
۶۴	دام فریب	۴۱	ایک شہید وطن کی یادیں
۶۵	ناخدا کہاں ہے	۴۲	بزم بانی
۶۸	ضعیفہ	۴۳	مستقبل کے غلام
۷۱	بوجہ	۴۴	شریک زندگی سے خطاب
۷۳	پیرزن	۴۵	زمانہ بدلنے والا ہے

واقف بھی ہے کہ موج سخن میں مٹی ہو صرف  
رکن اکھڑیوں کی جنبش مراں ترے لئے  
لایا ہوں وزن و شعر کی منزل میں کیا کہوں  
کیونکر جراحِ دل انساں ترے لئے  
تعبیر کی ترازوے نرم و نہفتہ میں  
تو لے ہیں کتنے خواب پر شاں ترے لئے

کیا پوچھتا ہے جوش کی بربادیوں کا حال  
پڑنے ہو کب سے جیبِ گریباں ترے لئے

جوش

---



۲۰	فتح سمرنا
۲۲	رحلت محمد علی
۲۳	شاہنشاہ ہمایوں کا مقبرہ
۲۴	متولیان وقف حسین آباد سے خطاب
۲۷	آنسو اور تلوار
۲۹	مسلمان کو کیا ہوا
۳۲	سنگواران حسین سے خطاب
۳۶	کافر نعمت مسلمان
۴۰	ولادت رسول
۴۴	سلام
۴۵	آوازہ حق
۷۰	اے مومنان لکھنؤ
۷۱	پیغمبر اسلام

### بادۂ سرخوش

(۱)	جدید رنگ تغزل
	مسل غزلیں
(۲)	قدیم رنگ تغزل
	غیر مسلسل غزلیں

۵۵	موج عرفاں
۵۶	گاتی ہوئی راہیں
۵۷	دعائے سحر
۵۹	گر می اور دیہاتی بازار
۶۲	اکٹارے کا جادو
۶۳	رقیب فرشتے
۶۵	آثارِ جمال
۶۷	ذمی حیات مناظر
۶۹	گھٹا
۷۱	موجہم آواز
۷۳	جذباتِ فطرت
۷۹	گریہ مسرت
	اسلامیات
۱	اے خدا
۳	ذکر سے خطاب
۱۰	اے مرتضیٰ
۱۳	سلام
۱۴	شمعِ ہدایت
۱۶	آفتاب سے خطاب

۱۱۷	بیغیر فطرت
۲۱	شام کی نرم آرائیاں
۲۳	حسرت
۲۴	بھری پرست کی روح
۲۵	پیا بن ناگن کالی رات
۲۷	بہار کی ایک دوپہر
۲۸	شب ماہ
۳۰	منہ اندھیرے
۳۱	روح شام
۳۲	بہم پیام
۳۳	بہار آنے لگی
۳۴	سیر گردوں
۳۵	نیچر کی خواجگاہ
۳۶	شبیلی صبح
۳۸	گو کی آمد آمد
۴۰	بر باد محوں سے خطاب
۴۲	آواز کی سیڑھیاں
۴۴	کلیوں کی بیداری
۴۵	بچھڑے ہوؤں کی یاد
۴۶	ماختہ کی آواز
۴۷	بجھا ہوا دل
۴۸	حور کے اشارے
۴۹	بن باسی بابو
۵۱	پیشین گوئی
۵۳	بدلی کا چاند

۷۴	حیف لے ہندوستان
۷۵	بھوکا ہندوستان
۸۰	پہتے ہوئے خون کی برادری
۸۱	پیاسی ندی
۸۲	بادشاہ کی سواری
۸۴	سجاد سے
۸۷	کہاں تک
۸۸	نغمہ قفس
۸۸	انتباہ
۸۹	قحط الرجال
۸۹	دھکی
۹۰	پیدا کر
۹۱	مرد انقلاب کی آواز
۹۴	شاعر ہندوستان
۹۵	غردر ادب
۹۶	درد مشترک
	<b>رنگ و بو</b>
۳	نغمہ سحر
۵	صبوحی
۶	آلودگی
۷	گم شدگی
۸	برسات کی شفق
۹	مغموم درخت
۱۰	آدھی رات اور ربودگی
۱۴	برسات کی پہلی گھٹا

# آتش کس

خواب کو جذبہ بیدار دے دیتا ہوں  
قوم کے ہاتھ میں تلوار دے دیتا ہوں  
(جوش)



# بیانِ محکم

قسم اُن غازیوں کی، موتؔ جو جنگ کھتے ہیں  
 قسم اُن کی جو ہنسکر خون میں اپنے نہاتے ہیں  
 قسم اُن کی، نظرتیر و شان سے جن کی لڑتی ہے  
 قسم اُس نور کی بخشا گیا تھا جو رسالت کو  
 قسم اُس برق کی جو گر کے خرم چھونک دیتی ہو  
 قسم ہے اُس کماں کی جو سہ میدان کڑکتی ہو  
 قسم اُس زخم خوردہ شیر کی غونی ڈکاروں کی  
 قسم اُس جذبہ غیرت کی جو آزاد کرتا ہے  
 قسم اُس شعلہ غم کی جو فرقت میں بھڑکتا ہے  
 قسم اُن گھن گرج پر ہول توپوں کے دہانوں کی

اُپی تلوار کی بُرش سے جنکے زخم بھرتے ہیں  
 خوشی و زن میں ڈھک منھ پہ تلواریں جو کھلتے ہیں  
 اکڑ جاتے ہیں طبلِ جنگ پر جب چوب پڑتی ہے  
 قسم اُس سوزِ پہناں کی جو ملتا ہے محبت کو  
 قسم اُس موت کی جو خجروں میں سانس لیتی ہے  
 قسم اُس آگ کی جو قلبِ شاعر میں بھڑکتی ہے  
 گرج سے جس کی بنفیں پھوٹ جاتی ہیں کھاروں کی  
 قسم اُس طغیانی کی جس پہ ہر خود دار مرتا ہے  
 قسم ہے اُس اہو کی، چشمِ تر سے جو ٹپکتا ہے  
 گرج سے جن کی بل جاتی ہیں بنیادیں چٹانوں کی

کام ہی میرا تغنیہ نام ہی میرا شباب  
میرا نعرہ انفتاب و انقلاب و نفثاب

(جوش)

## غلاموں سے خطاب

اے ہند کے ذیل غلامانِ روسیاء !  
 اس خوفناک رات کی آخر سمجھ بھی ہے؟  
 اے اُمتِ شکستہ دل دے گروہِ شل !  
 تجھ پر مرے کلام کا ہوتا نہیں اثر  
 حالانکہ میرا شعر ہے وہ حرفِ تند و تیز  
 ضد پر جو آئے، بات میں تجھ کو توڑے  
 چاہے تو زہرِ مر سے اُڑنے لگیں شرار  
 اُکسے میرا شعر اگر جذبہاے جنگ  
 خرمن میں میرا شعر اگر کچ کرے کُلاہ  
 آہن کے جوہر دں سے ٹپکنے لگے شراب  
 تجکو یقین نہ آئے گا اے دائمی عِسلام !

شاعر سے تو بلاؤ خدا کے لئے ننگاہ  
 تو ہیں گرجِ مہی ہیں سر دں پر خبر بھی ہے؟  
 کب سے بُلار ہا ہوں میں تج کو سوئے عمل  
 جو نکار ہا ہوں کب سے بن شانے جھنجھوڑ کر  
 طوفاں بدوش و صاعقہ بیا و حشر خیز  
 صرف اک صدا سے گنبدِ بے در کو توڑے  
 گلبرگِ تر کے بطن سے پیدا ہو دو انفقار  
 پیدا ہو آگینے کے اندر مزاجِ سنگ  
 خنسِ شند بھلیوں سے اڑانے لگے گجھاہ  
 پیری کی ٹڈیوں میں مچلنے لگے شباب  
 میں جا کے مقبروں میں سناؤں اگر کلام

قسم اُس کھڑکھڑاہٹ کی زردہ سے جھکتی ہے  
 قسم گھوڑوں کی اُن ٹاپوں کی جو رن کو ہلاتی ہیں  
 قسم اُس سانس کی جو موت کے ہنگام جلتی ہے  
 قسم اُس عزم کی، ساونت جب میدانیں جلتی ہیں  
 قسم اُس کی، ثبوت اپنی شرافت کا جو لاتا ہے  
 قسم اُسے موت اُن کی رنگ تیراؤ اڑاتے ہیں  
 قسم اُن قوتوں کی، جو ملیں تھیں رام و لچھمن کو  
 قسم اُس نور کی روشن تھے جانے جس سے صحرائے  
 قسم اُس ضرب کی، توڑا تھا جس نے یاب خیر کو  
 قسم اُس پیاس کی، کوڑھ کی رو پر جس کا قبضہ تھا  
 قسم اُس تیر کی، چلتا تھا جو چٹکی سے ارجن کی  
 قسم اُس جوش کی، جو دوبتی بنفیس اُبھار لگا  
 قسم اُن زم زمیوں کی، جن کی رو پر فوج چلتی ہے  
 سروں پر گرد کا اک خون بچاں بادل بناتی ہیں  
 قسم اُس وقت کی، جب زندگی کر وٹ بدلتی ہے  
 دم رخصت عروسِ نو کا جب گھونگٹ اٹھاتے ہیں  
 نسب نامے پر اپنے خون کی ہریں لگاتا ہے  
 تری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جو سکر اتے ہیں  
 قسم اُس آگ کی، جو کھا گئی تھی ملکِ راول کو  
 جھکتا تھا جو ٹیکے کی طرح، ماتھے پہ سیتا کے  
 قسم اُس شیر کی، جس نے جھاڑا تھا غنتر کو  
 قسم اُس ابر کی، جو کر بلا میں گھر کے برساتھا  
 قسم، میدان میں گاتی، یعنی تلوار کی دہن کی  
 کہ اُسے ہندوستان! جیسے ہی تو مجھ کو پکار لگا

مری تیغِ رواں، باطل کے سر پر جگمگائے گی  
 ترے ہونٹوں کی جنبشِ ختم بھی ہونے نہ پائیگی



سِرِ نیاز ہے خمِ پیشِ پختِ گانِ جنون  
اب احترامِ دلِ افسرگانِ حنا م کہاں  
نگاہ میں ہے جو اناںِ برقِ رد کی روش  
اب اقتدا ہے سرِ لیانِ نرمِ گام کہاں  
ہوا ہے حکم کہ بنِ رازِ دانِ آتشِ و برق  
اب آبِ چہرۂ خوابِ لالہ نام کہاں  
تغیرات کی رو سے گزر رہی ہے نگاہ :  
اب اہتمامِ تماشا مئے حسنِ بام کہاں  
لبِ حیات نے چھیرا ہے قصۂ خونیں  
مری زبان کو اب رخصتِ کلام کہاں  
جلا ہوں سرِ کفِ اُس سمتِ آج خود ہی جوش  
اب آرزو کو سہِ نامہ و پیام کہاں

## لَعْرۂ شَبَاب

(بڑھے لیڈروں کی انجمن میں)

ہوشیار! اپنی متاعِ رہبری سے ہوشیار  
اے جنوں نا آشنا پیری و شبِ ہرزہ کا لڑا  
اُڑ گیا روئے نگارِ آسمان سے رنگِ خواب  
جھللاتی شمعِ رخصت ہو کہ اُبھر آفتاب  
ہٹ، کہ اب سنی و عمل کی راہ میں تاہوں ہیں  
خلقِ واقف ہے کہ جب آتا ہوں چھا جاتا ہوں  
اے قدامتِ ایہ کھلی ہے سامنے راہِ قرار  
بھاگ وہ آ یا نئی تہذیب کا پروردگار

خود موت سے حیات کے چٹھے اُبل بڑیں      قبروں سے سر کو پیٹ کے مُرنے نکل پڑیں  
 میرے رُجوسے لرزہ بر اندام ہے زریں      افسوس تیرے کان پہ جُوں رینگتی نہیں  
 تُو چپ رہا، زریں ہلی، آسُماں ہلا؛      تجھے تو کیا، خُدا سے کرو گائیں یہ گلا؛  
 اِن بُزدلوں کے حُسن پہ شیدا کیا ہی کیوں؟  
 نامرد قوم میں مجھے پیدا کیا ہے کیوں؟

## ترکِ جُود

ہر ایک کے واسطے یہ نازشِ دوام کہاں      بنزدِ عشق کہاں، جُراتِ عوام کہاں؟  
 تڑپ کے مجھ کو پُکارا ہے ملک و ملت نے      اب آج سے مجھے پروانے ننگ و نام کہاں  
 ہوا ہے حُکم کہ لے کام موجِ ضرورت      اب اختلاطِ نسیمِ سُبکِ خرام کہاں  
 کہا گیا ہے کہ پی مہرِ نیم روز سے مے      اب انتظامِ شبِ ماہ و دُورِ جام کہاں  
 عطا کیا ہے مشیت نے نظمِ دشتِ حبیل      دماغِ عشق کو اب فکرِ سقف و بام کہاں  
 نظر ہے ادج پہ جُشنِ میں ہیں پَر پرواز؛      بساطِ خاک پر اب فرصتِ قیام کہاں  
 نظر ہے جِسلوۂ عالم کی ناتسامی پر      اب اعتبارِ جمالِ مَسرِ تمام کہاں

حُبِّ انساں، ذوقِ حق، خوفِ خدا کچھ بھی نہیں  
 تیرے جھوٹے "کفر و ایماں" کو مٹا ڈالو گائیں  
 دلوں میں بڑھینے ناز و نسیب تے ہوئے  
 ڈال دوں گا طرح نواجمیر اور پرہیزگار میں  
 کوثر و گنگا کو اک مرکز پہ لانے کے لئے  
 ایک دین تو کی لکھو جنگا کتابِ زرفشاں  
 اس نئے مذہب پہ سارے تفرقے دار و نگین  
 پھراٹھو نگا ابر کے مانند بل کھانا ہوا  
 خون میں لتھڑی بساطِ "کفر و دین" اٹے ہوئے  
 تیرا "ایمان" چند دیہوں کے سوا کچھ بھی نہیں  
 ہڈیاں اس "کفر و ایماں" کی چھاڑ لوں گائیں  
 فرقہ بندی کا سرِ ناپاک ٹھکراتے ہوئے  
 جھونک دوں گا کھنڈ و ایماں کو دکھتی آگ میں  
 اک نیا سنگم بناؤں گا زمانے کے لئے  
 ثبت ہو گا جس کی زریں جلد پر ہندوستان  
 تجھ پہ پھر گردن بلا کر قہقہے ماروں گائیں !  
 گھومتا، گھرتا، گرجتا، گونجتا، گاتا ہوا  
 فخر سے سینے کو تانے، استیں اٹے ہوئے

دلوں سے، برق کے مانند لہرایا ہوا  
 موت کے سائے میں رہ کر، موت پر چھایا ہوا

میرا نعرہ انقلاب، "و انقلب" و انقلاب!  
 کوئی ضربت میری گردن کو جھکا سکتی نہیں  
 بادِ صحر کا بدل دیتا ہے رخ، میرا چراغ  
 آہم صیوں کی میرے میدان میں کھڑ جاتی ہوئیں  
 موت شرماتی ہے میرے سامنے آتے ہوئے  
 اب کر لکتی ہے ترے سر پر جوانی کی کساں  
 دشمنوں کی خواہش تقسیم کی صید زلوں!  
 بھائیوں کو گالے اور باجے پہ قربان کر دیا  
 جھڑپاں ہیں یہ تیرے منہ پر کہ غدار کی جاں  
 سر بھڑک اٹھا ہے، لیکن دل ابھی تک ہی سیاہ  
 دیکھ اب بُزدل! مرئی ناعاقبت بنی "کا زور  
 خوف "فردا" ہے مری رنگین شریعتِ حرام  
 خون میرا خندہ زن رہتا ہے موجِ برق پر  
 اُدھکتی، کڑھتی، بکلتی، کانپتی، ڈرتی ہوئی  
 "کفر و ایمان" "کفر و ایمان" ناگجا، خاموش نش!

کام ہے میرا تغیر، نام ہے میرا شباب  
 کوئی قوت راہ سے ٹھیکہ بٹا سکتی نہیں  
 رنگ سورج کا اڑتا ہے مرے سینے کا داغ  
 سنک آہن میں مری نظر دس ٹچھ جاتی ہوئیں  
 دھیکہ میرے جنوں کو ناز نہ مانتے ہوئے  
 الاماں، کبڑی، ریا آلودہ پیری! الاماں  
 ہو جو غیرت ڈوب مر، یہ عمر، یہ درسِ جنوں!  
 یہ ستم کیا اے کثیر کفر و ایمان "کر دیا  
 کر دیا طولِ غلامی نے تجھے کو تہ خیال،  
 دکھتی ہے صرف اپنے ہی کولے دُھندلی نگاہ  
 پوپے منہ جھم کر یہ عاقبتِ بستی کا سُور  
 چہرہ "امر و زہر" ہے میرے لئے ماہِ تمام  
 تیر جاتی ہے دلِ نولاد میں میری منظر  
 اور تمنائیں ہیں تیری سکیاں بھرتی ہوئی  
 تیری باتوں سے بڑی جاتی ہو کالوں میں خراش

آسمان، جانِ طرب کو وقفِ رنجوری کرے  
 اُس جیس پر، اور پسینہ ہو بھلکنے کے لیے  
 بھیک میں ہاتھ اٹھیں التجا کے واسطے  
 ناز کی سے جو اٹھا سکتی نہوں کا جل کا بار  
 کیوں فلک با مجبور ہوں، آنسو بہانے کو لے  
 مفلسی، چھانٹے اُسے تہ و غضب کے واسطے  
 فرطِ خشکی سے وہ لبِ ترسین تکلم کے لیے  
 صفتِ نازک، بھوک سے تنگ کی مزدوری سحر  
 جو جبینِ ناز ہو افشاں چھڑکنے کے لیے  
 جن کو قدرت نے بنایا زو حنا کے واسطے  
 اُن سبک پلوں پہ بیٹھے راہ کا بو بھل غبار  
 آنکھ پریاں ہوں جو دلوں میں ڈوب جانے کے لیے  
 جس کا کھڑا ہو شبستانِ طرب کے واسطے  
 جن کو قدرت نے تراشا ہو تبسم کے لیے

نازنینوں کا یہ عالم، مادرِ ہند! آہ، آہ

کس کے جو زار روانے کر دیا تجب کو تباہ؟

ہُن برستا تھا کبھی دن رات تیری خاک پر  
 بارغِ تیرا، کیوں جہنم کا نمونا ہو گیا؟  
 سچ بتا اے ہند! تجکو کھا گئی کس کی نظر؟  
 آہ، کیوں تیرا بھرا دربار سُونا ہو گیا؟  
 سر پہ نہ کیوں ہو، وہ بچو لوں کی چادر کیا ہوئی؟  
 اے شبِ تاریک! تیری زیم اختر کیا ہوئی؟  
 جس کے آگے تھا قمر کا رنگ پھیکا کیا ہوا؟  
 اے عروسِ نوابِ ترے ماتھے کا ٹیکا کیا ہوا؟

اے خدا! ہندوستان پر یہ نحوست تاکجا؟

اس خزاںِ حبت پہ دوزخ کی حکومت تاکجا؟

## حُسن اور مزدوری

ایک دوشیزہ، سڑک پر، دھوپ میں ہو مقبرہ  
چوڑیوں کے ساز میں یہ سوز ہے کیسا، بھرا  
گرد ہے رخسار پر، زلفیں اُٹی ہیں خاک میں  
ہو رہا ہے جذب، مہرِ خونچکاں کے روبرو  
دھوپ میں لہرا رہی ہے کا کُلِ غنبرِ سرشت  
پنی رہی ہیں سُرخ کر نیں میرا تش بار کی  
غم کے بادل، خاطرِ نازک پہ ہیں چھائے ہوئے  
بیتھڑوں میں دیدنی ہے روئے غمگین شباب

چوڑیاں بختی ہیں کشتِ کوٹنے میں بار بار  
آنکھ میں ”آنسو“ بنی جاتی ہے جس کی ”ہر صلا“  
ناز کی بل کھا رہی ہے دیدہٴ عنفِ اک میں  
گنگنکروں کی نبض میں اُٹھتی جوانی کا لہو  
ہو رہا ہے کم سنی کا لوچ جو ننگ و خشت  
زرگسی آنکھوں کا رس، مے چمپی رخسار کی  
عارضِ رنگیں ہیں، یاد و بھول مُرجھائے ہوئے  
ابر کے آوارہ ٹکڑوں میں ہو جیسے ماہِ تاب

اُف یہ ناداری! مرے سینے سے اٹھتا ہی دھواں

آہ، اے افلاس کے مارے ہوئے ہندوستان!

حُسن ہو مجبور کشتِ کوٹنے کے واسطے  
دستِ نازک، اور پتھر توڑنے کے واسطے  
نکرتے مچک جائے وہ گردن، ٹٹ لے لیلِ تنہا  
جس میں ہونا چاہتے بچھو لوں کا اک ہلکا سا مار

قسم اِس آنکھ کی جو درینِ بنشِ محلو دیتی ہے      زمیں کی بھاپ میں جو بجلیوں کو دکھی لیتی ہے  
 قسم اُس رُوح کی جو عرش کو رفعت سکھاتی ہے  
 کہ راتوں کو مرے کانوں میں یہ آواز تہی ہے  
 ”اٹھو، وہ صبح کا غُرفہ کھلا، زنجیرِ شب ٹوٹی      وہ دیکھو پوکھٹی، سُنجے کھلے، پہلی کرن چھوٹی!“  
 ”اٹھو، چوٹکو، بڑھو، مُنہ ہات دھو، آنکھ کو مل ڈالو  
 ہو اے انقلاب آئے کو ہے ہندوستان والو“

## ملکوں کا رجز

### انگلستان

مری رُوحِ عمل پر تنگ ہے عالم کی پہنای      مرے پائے تجارت پر حلالِ تاجِ دارائی  
 مری سُٹھی میں ہے خورشیدِ خاوار، بحرِ بے پایاں      مری جودت کے آگے سُرنگوں قوموں کی لائے  
 معاذ اللہ میرے پنجہ ہمت کی گیسرائی!

گردنِ حق پر خراشِ تیغِ باطل تا بہ کئے؟ اہلِ دل کے واسطے طوق و سلاسل تا بہ کئے؟  
 سبزینِ رنگ و بو پر عکسِ گلشنِ تاکُجا؟ پاکِ سینا کے لئے زندانِ راونِ تاکُجا؟  
 دستِ نازکِ رس سے اب چھڑانا چاہتے  
 اس کلائی میں تو گلشنِ جگمگا نا چاہتے

## آثارِ انقلاب

قسم اس دل کی، چسکا ہے جسے مہیا پرستی کا  
 قسم ان تیزکانوں کی کہ، ہنگامِ متوجہ نوشی  
 قسم اس روح کی، خوش ہے جسے فطرت پرستی کی  
 قسم اس ذوق کی، حاوی ہے جو آثارِ قدرت پر  
 قسم اس حس کی، جو پہچان کرتی ہو اوں کے  
 قسم اس نور کی، کشتی جو ان آنکھوں کی کھیتا ہے  
 قسم اس فکر کی، سوگند اس تختِ عیسیٰ کی  
 یہ دل، پہچانتا ہے جو مزاجِ اشباۓ ہستی کا  
 سُنا کرتے ہیں جو راتوں کو بحرِ برکی سرگوشی  
 گنا کرتی ہے راتوں کو جو ضربیں قلبِ ہستی کی  
 ضمیرِ کائنات، آئینہ ہے جس کی لطافت پر  
 سُنا تی ہے خبرِ طوفان کی، طوفان سے پہلے  
 جو نقشِ پاکے اندر عزمِ رہرودیکھ لیتا ہے  
 جو سُنتی ہے صدائیں جنبشِ مرغانِ عالم کی



عروس ارتقا کو ہاتھ سے جاتے نہیں دیتا جو چھٹ جاتا ہے تو پھر بڑھ کر دہشتاں لیتا ہوں  
خدا چاہے تو پھر اب تیغِ خوں آشام لیتا ہوں!

## (رُوس)

رداں ہے تیغِ میری گھر دنِ غفلت شکاری پر مرادِ لُخون ہے مزدور کی فریاد و زاری پر  
ٹھکے ہیں کشتِ دیہقان پر مرے اُٹھ کے بادل نپاں ہے برقِ میری خرمنِ سرمایہ داری پر  
عرق ہے میری ہیئت سے حسینِ شہرِ باری پر

## (جاپان)

وہ علم و عمل میں دیر سے ہنگامہ آرا ہوں طلسمِ کاروبارِ شوق و طوفانِ تمنا ہوں  
قسم کھائی ہے میری سہمی نے بیدارِ محنت کی میں ہر بازار کا ٹوسف ہوں ہر صنعت کا مالو ہوں  
غرورِ ایشیا ہوں، محرمِ امر و زفر دا ہوں!

## (تُرکی)

مرے افکار میں تہذیبِ نو کی کار فرمائی پڑی ہے اک نئی صورت سے طرحِ بزمِ آرائی

## (امریکہ)

مری دولت کے آگے دولت قانون ہر شرمندہ  
مرے آئینہ ثروت میں عکس زندگی غلطاں  
مرے آئین محکم ہیں، مری تعمیر پائیندہ  
مری پیشانی ہمت پہ برق عزم رخشندہ  
مری جانکاہیاں بیدار، مری قوتیں زندہ!

## (فرانس)

جواہر جنگ عالمگیر کے، میرے خزانوں میں  
دلوں میں عشق کی گرمی، سروں میں عقل کا سودا  
بہشت رنگ بو میے ہلکتے گلستانوں میں  
کبھی گم کچن خواباں میں، کبھی جنگی ترانوں میں  
مری راتیں نگاروں میں، مے دکن رخاؤں میں!

## (جرمنی)

خوابی سے ہمیشہ درس استحکام لیستاموں  
حریفوں کی نزاع باہمی سے کام لیتاہوں

خدا کے فضل سے بد بخت ہوں، بُردل ہوں، ناداں ہوں مری گردن میں ہے طوقِ غلامی، پا بچلاں ہوں  
در آقا پہ سر ہی، کفش برداری پہ نازاں ہوں

## بیدار ہو بیدار

اے مردِ خدا! فتنہ اغیار سے ہوشیار ہوشیار ہو، ہوشیار ہو، ہوشیار ہو ہوشیار  
ہم تجھ سے نہ کہتے تھے کہ ہونے کو ہے پیکار لے آگئی وہ، سہ چھلکتی ہوئی تلوار  
بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو

بیدار ہو، بیدار ہو

بیدار ہے پھر فتنہ جنگیز جہاں میں اور تو ہے ابھی تک اثرِ خوابِ گراں میں  
صیاد کینوں میں ہیں، نادر ہیں کہاں میں پیشانیِ دوراں پہ ہیں شبِ خون کے آثار  
بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو

بیدار ہو بیدار

تو نے روشِ خدمتِ اغیار نہ چھوڑی اب تک رسِ سُبھ و زناں نہ چھوڑی  
آشفستگیِ اندک و بیدار نہ چھوڑی افسوس ہے اے جنسِ غلامی کے خرید

”دورِ لبِ سمجھے ہوئے تھی جس کو اکُنیا خدا کا شکر اب ہے محشرِ زور و توانائی  
توانائی کے پڑے میں ہے اعجازِ سیّحانی!

## (ایران)

تبسمِ آفریں ہے پھر طلوعِ صبحِ نُرانی کیا فی شان و شوکتِ پھر ہو گرمِ بالِ صُنیانی،  
گھٹا جھائی ہوئی ہے ”رُکنا باد و بُستانِ مُصلیٰ“ برستے پر ہے جذبِ کاوش و عزمِ جہانِ بانی  
”مبادا میں جمعِ رایا ربِ غم از بادِ پریشانی!“

## (افغانستان)

مرے دشت و جبل پر ہر آزادی کی تنویریں بڑی ہیں دیر سے ٹوٹی ہوئی غفلت کی زنجیریں  
مرے ساووت، میدانوں میں نکلے ہیں علمِ کھولے جبینوں پر ابھرائی ہیں خودداری کی تحریریں  
نگاہوں میں چمکتی بجلیاں، ہاتھوں میں شمشیریں!

## (ہندوستان)

نہنگوں کا سمندر ہوں، درندوں کا بیابان ہوں عدو سے کیا غرض، اپنوں ہی دستِ مگرباں ہوں

یا اپنے کفِ پائیں لگانا ز سے ہندی یا جامہ ہستی کو بنا خون سے گلنار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار!

بیدار ہو، بیدار!

دم بھر تو کبھی غور کر اس خُفتہ مُفتِ دریا مادہ تجھے قدرت نے بنایا ہے، کہ ہے نر  
یا اڑھ لے، اے زہرہ جبین! مفتح و چادر یا کھینچ لے، اے مردِ خدا! میان سے تلوار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار!

بیدار ہو، بیدار!

یا حبلہ رنگین میں دکھا عشوہ پُر فن یارن میں کچھ اس شانِ سوا، گو نِج اٹھو رن  
یا گو نرہ کے چوٹی کو بہن چھول سے نکلن یا سر سے کفن باندھ کے مرنے پہ ہو طیار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار!

بیدار ہو، بیدار!

یا فرسِ عروسی پہ بدل ناز سے پہلو یا عرصہ جرات میں دکھا قوتِ بازو  
یا رقص کی محفل میں بجا مال سے گھنگرود یا جنگ کے میدان میں سُنا تیغ کی جھنکار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار!

بیدار ہو، بیدار!

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

بیدار ہو بیدار!!

شیون کبھی بلبل کو گوارا نہیں ہوتا جب تک گل رنگیں کا اشارہ نہیں ہوتا  
بے آگ جو چہرہ مٹا ہے وہ پارا نہیں ہوتا بے وجہ نہیں کشمکش کا سر دِ بیدار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

بیدار ہو بیدار!!

مرہم ابھی طیار نہیں، زخمِ رسیدہ! افسوس ہے اے صاحبِ اوصافِ حمیدہ  
”گرگِ دہن آلودہ و یوسف نہ دریدہ“ اے مصر کے بازار میں یوسف کے خریدار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

بیدار ہو، بیدار!!

اب تک تری محسوسِ تقدیر وہی ہے بدلے ہوئے الفاظ ہیں تقدیر وہی ہے  
گو، روپ تو زلفوں کا ہے، زنجیر وہی ہے ہر حلقہ کا کل میں ہے زنجیر کی جھنکار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

بیدار ہو، بیدار!!

یک رنگ ہے جو، جیت ہے دُنیا میں اسی کی اے صیدِ کشاکش! یہ دورنگی نہیں تھی

# کِسان!

جھپٹے کا نرم رُودریا، شفق کا اضطراب  
 دشت کے کام و دہن کو دن کی تلخی سے فراغ  
 زیرِ لب، ارض و سما میں، باہمی گفت و شنود  
 دُستیں میدان کی، سُورج کے چھپنے سے تنگ  
 خاموشی اور خاموشی میں سننا ہٹ کی صدا  
 اپنے دامن کو برابر قطع سا کرتا ہوا  
 خار و خس پر ایک درد انگیز افسانہ کی شان  
 دُوب کی خوشبو میں شبنم کی نمی سے اک سرور  
 پارہ پارہ ابر، سُرخ، سُرخوں میں کچھ دھول  
 کھیتیاں، میدان، خاموشی، غروبِ آفتاب  
 دُور، دریا کے کنارے، دھندلے دھندلے سے چراغ  
 مشعل گردوں کے جُجھ جانے سے اک لہکا سا دُور  
 سبزہ افسردہ پر خوابِ آفریں لہکا سا رنگ  
 شام کی کُنکلی سے، گویا، دن کی گرمی کا گلا  
 تیرگی میں، کھیتوں کے درمیاں کا فاصلہ  
 باہم گردوں پر کسی کے ڈھکھکے جانے کی شان  
 چرخ پر بادلِ زمیں پر تیلیاں، سرِ پیوڑ  
 جُھولی جُھکی سی زمیں، کھویا ہوا سا آسمان

پتیاں مخمور، کلیاں آنکھ جھپکاتی ہوئی

نرم جاں پو دوں کو گویا، نیند سی آتی ہوئی

یہ سماں، اور اک قومی انسان، یعنی کاشتکار ارتقا کا پیشوا، تہذیب کا پروردگار

# صدائے بیداری

یہ مانا، سر زمین ہند پر نکبت برستی ہے      زبانوں پر حدیثِ اوج ہی فکروں میں لپکتی ہے  
یہ مانا، آج ہم میدانِ حشت میں خبر خواں ہیں      عدو بھی سر پہ ہی ایسے بھی قسمت و گریباں ہیں  
مگر راتوں کو جب فکرِ وطن میں سر جھکاتا ہوں      فضا سے سرد میں دھیمی سی اک آواز پاتا ہوں  
یہ آواز اس لطافت سے مے کانوں میں آتی ہے      صبا جس طرح زیرِ شلِ سنبُل گنگنائی ہے  
فضا میں جس طرح روحِ الامیں کی بالِ جُنبانی      برسا ہو کہیں کچھ دُور جیسے خواب میں بانی  
جگاتی ہے سحر جس ناز سے نغموں کو دریا میں      ہوا کی سنسنائیت جس طرح گنجان صحرا میں  
حقیقت کیا بتاؤں اس صدائے روحِ افرا کی      نہاں ہیں جس کے اندر کاوشینِ امر و زورِ دلی

یہ مشرقِ محو ہے، صبحِ تجلی زار ہونے میں  
یہ رُوحِ ایشیا مصروف ہی بیدار ہونے میں



طفلِ باراں، تاجدارِ خاک، امیرِ بوستان  
 ناظرِ گل، پاسبانِ رنگ و بو گلشنِ پناہ  
 وارثِ اسرارِ فطرت، مساحِ اُمید و بیم  
 صُبحِ کافرِ زند، خورشیدِ زرافشانِ کاغذِ سلم  
 جلوةِ قدرت کا شاہد، حُسنِ فطرت کا گواہ  
 قلبِ پر جس کے مَسایاں نور و ظلمت کا نظما  
 خون ہے جس کی جوانی کا ہمارے روزگار  
 جس کی محنت کا عرق طیار کرتا ہے شراب  
 قلبِ آہن جس کے نقشِ پا سے ہوتا ہے رفیق  
 خُونِ جس کا بجلیوں کی انجمن میں بارِ یاب  
 لہر کھاتا ہے رگِ خاشاک میں جس کا لہو  
 دوڑتی ہے رات کو جس کی نظرِ افلاک پر  
 جس کی جان کا ہی سے بڑھتی ہے امرتِ نبضِ تاک  
 سازِ دولت کو عطا کرتی ہے نغمے جہن کی آہ  
 خُونِ جس کا دوڑتا ہے نبضِ استقلال میں

ماہِ آئیںِ قدرت، ناظمِ بزمِ جہاں  
 نازِ پرورِ ہلبہائی کھیتوں کا بادشاہ  
 محرمِ آثارِ باراں، واقفِ طبعِ نسیم  
 محنتِ پیہم کا "پیمیاں"، سختِ کوشی کی قسم  
 ماہِ کا دل، مہرِ عالمِ تاب کا نورِ بنگاہ  
 منکشفِ جس کی فراست پر مزاجِ صُبح و شام  
 جس کے اشکوں پر، فراغت کے تہِ لبِ کلام  
 اڑے جس کا رنگ، بن جاتا ہے جاں پر بنگلا  
 شعلہِ خو جھوٹوں کا ہمدِ تیزِ کرنوں کا رفیق  
 جس کے سر پر جگمگاتی ہے کلاہِ آفتاب  
 جس کے دل کی آنچ بن جاتی ہے سیلِ رنگِ بو  
 دن کو جس کی انگلیاں رہتی ہیں نبضِ خاک پر  
 جس کے دم سے، لالہ دگل بن کے اتراتی ہو خاک  
 مانگتا ہے بھیک تابانی کی، جس سے رُفے شاہ  
 لوچ بھرتا ہے جو شہزادوں کی چال میں

جس کے ماتھے کے پسینے سے اپنے عرق و وقار  
کرتی ہے در یوزہ تابش کلاہ تاجدار  
سُرنگوں رہتی ہیں جس سے توئیں تخریب کی  
جس کے بُوتے پر لگتی ہے کمر تندیب کی  
جس کی محنت سے پھینکتا ہوتی آسانی کا لہجہ  
جس کی ظلمت کی ہتھیلی پر، تمدن کا چراغ

جس کے بازو کی صلابت پر، نزاکت کا مدار

جس کے کس بل پر اکڑتا ہے عسکر و شہزاد

دھوپ کے ٹھیلے ہوئے رُخ پر شہقت کی نشان  
کھیت پھیرے ہوئے منہ، گھر کی جانب ہرداں

ٹوکرا سر پر نعل میں پھاڑا، توری پہ نل ...

سامنے بیلوں کی جوڑی، دوش پر مضبوط نل

گوئن ہل ہ ظلمت شکن قندیل زہم آب و گل  
قصر گلشن کا دریچہ، سینہ گیتی کا دل

خوش نما شہروں کا بانی، رازِ فطرت کا سراغ  
خاندان تیغ جو ہر دار کا چشم و چہ سراغ

دھار پر جس کی، چمن پر در شگوفوں کا نظام  
شام زیرِ ارض کو، صبح درخشاں کا پیام

دوبتا ہے خاک میں جو رُوح دوڑاتا ہوا  
مضمحل فردوں کی موسیقی کو چوتھکتا ہوا

جس کے چھو جاتے ہی، مثلِ نازنین مہ جبین  
کردلوں پر کروٹیں لیتی ہے لیلائے زمیں

پردہ ہائے خواب ہو جاتے ہیں جس سے جا کا چاک  
مُسکرا کر اپنی چادر کو ہٹا دیتی ہے حناک

جس کی تابش میں درخشاں ہلالِ عید کی  
خاک کے مایوس مطلع پر کرن اُستیدی

ادّعا ئے سپردی دین وایماں اور تو! دیکھ اپنی کہنیاں، جن سے ٹپکتا ہے لہو  
 ہاں سنبھل جا اب کہ زہرے اہل دل کے آب ہیں  
 کتنے طوفاں تیر کی کشتی کے لئے بے تاب ہیں

## زوالِ جہانِ نبائی

مبارک ہیں مبارک، دشمنوں کے جو رہنمائی  
 تجھے معلوم ہی؟ تاریکیاں بڑھتی ہیں جب حد سے  
 دیارِ مصر میں برسوں مسلسل قحط پڑتے ہیں  
 منقش ہو نہ جب تک دیدہ خونبار سے چہرہ  
 سمجھتا بھی ہے کیوں غنچوں کے سینے چاک آئیں؟  
 نہاتی ہیں کہو میں جب بہاریں حبِ قومی کی  
 ہزاروں آسماں جب سر پہ ظالم توڑ چکے ہیں  
 اسیروں کی ٹرپ بجلی گرا دیتی ہے زلزلوں پر  
 کہ شکل کر ویں لے لے کے بن جاتی ہو آسانی  
 اُبلنے لگتی ہے ذراتِ خاکی سے درخشا نی  
 کہیں ہوتی ہے جب شاداب کشتِ پیر کنانی  
 نہیں کھلتی عروسِ رنگ و بو کی چینِ پیشانی  
 شکوفوں کو ہے اس پردے میں درسِ عطر افشانی  
 تو ہوتا ہے شگفتہ لالہ زارِ حُبِ انسانی  
 اُٹھاتا ہے کہیں مجھ جلا کے تب مظلومِ پیشانی  
 قفس کے حق ہیں اک شعلہ ہے طائر کی پر افشانی

جس کا مس، خاشاک میں بُنتا ہے اک چادر نہیں

جس کا لویا مان کر، سونا اگلتی ہے زمین

ہل پہل دہقاں کے چمکتی ہیں شفق کی سُرخیاں  
اُس سیاسی رتھ کے پہیوں پر جمائے ہے نظر  
اپنی دولت کو، جگر پر سیرِ غم کھاتے ہوئے  
قطع ہوتی ہی نہیں تاریکی حُسرِ ماں سے راہ  
پھر رہا ہے خونچکاں آنکھوں کے نیچے بار بار  
سُوجتا جاتا ہے کن آنکھوں سے دیکھا جائیگا  
اور دہقاں، سُرجھکائے، گھر کی جانب ہرداں  
جس میں آ جاتی ہے تیزی کھیتوں کو روند کر  
دیکھتا ہے ملک دشمن کی طرف جاتے ہوئے  
فاتح کش بچوں کے دُھندلے آنسوں پر ہنسی گاہ  
گھر کی نا اُمید دیوی کا شبابِ سو گوار  
بے ردا بیوی کا سر، بچوں کا مُنہ اُترا ہوا

سیم زر، نان و نمک، آب و غذا، کچھ بھی نہیں

گھر میں اک خاموش ماتم کے سوا کچھ بھی نہیں

ایک دل، اور یہ جوم سو گوار ی! انا ہے ہاں  
یتری آنکھوں میں ہیں غلطاں وہ شقاوت کے شرار  
سیکسوں کے خون میں ڈوبے ہوئے ہیں تیرے ہات  
ظُلم، اور اتنا اکوئی حد بھی ہے اس طوفان کی  
دیکھ کر تیرے ستم، اے حامی امنِ ماں!  
یہ ستم، اے سنگدل سرمایہ داری، اے ہاں  
جن کے آگے خنجرِ جنگیز کی مُڑتی ہے دھار  
کیا چاڈا لگی، اوکھت! ساری کائنات؟  
بڑیاں ہیں تیرے جھڑوں میں غریب انسان کی  
گرگ رہ جاتے ہیں دانتوں میں باکرا انگلیاں

دور دہقان پہ دستک دے رہی ہو شانِ اراچی

جہاں بانی دہکتی آگ ہے، گرتی ہوئی بجلی  
ہزاروں تجربوں کے بعد اب انساں سمجھتا  
نہو چین جفا جب تک جبینِ شہر یاری پر  
چٹانیں سرِ دھننگی، سنگریزے خونِ روئنگے  
امید اُس سے نہ رکھ، نادان! مرغِ غنِ خوش الحان کی  
اُسے بُوئے کُلِ وپیرا ہنِ یوسف کی نسبت  
ترا، اے حامیِ تاج و علم! کیا یہ عقیدہ ہے؟  
تجھے، بیگانہ وضعِ جہاں! کیا یہ توقع ہے؟  
سمجھتا ہے کہ وہ حق بات کی تلخی کو سہ لیکھا؟  
سُن اے غافل! کہ تار و زقیا مت نسلِ شاہی سے  
مُروت آئیگی اُس وقت چشمِ شہر یاری میں  
ڈرینگے کبر سے اُس روزیہ منہ بخون کے وارث  
نظر ڈالی نہیں تُو نے کبھی آئینِ فطرت پر  
یہاں موت کے چشمنے سے دریا آبِ جیواں کا؟

ہمیشہ اس نے دنیا میں کیا دورِ محن پیدا  
کہ شاہی سے نہیں ہوتا شرافت کا چلن پیدا  
نہیں ہوتا کُراؤِ خسرو می میں بانگین پیدا  
مگر ہوگا نہ خسرو میں گداز کو کھن پیدا  
ہمیشہ جس بیاباں سے ہوئے زراعت و زرخ پیدا  
ہو اکرتا ہے جس صنعت سے کافور و کفن پیدا  
کہ ہو سکتی ہے نافِ گرگ سے مُشکِ ختن پیدا  
کہ ہونگے مکتبِ دشنام سے شیریں سخن پیدا  
خوشامد سے بھی جس ماتھے پہ ہو اکثر شکن پیدا  
نہ ہوگا نرمِ انسانی کا صدرِ انجمن پیدا  
حبش کی خاک سے جس وقت ہونگے سیمِ تن پیدا  
سیرِ بزاں میں ہوگا جب دماغِ اہرمن پیدا  
کیا ہے آج تک شعلے نے برگِ یاسمن پیدا؟  
ہوا ہے سینہ شمشیر سے دُرِ یمن پیدا؟

چلتا ہے گدا کے دل میں آزادی کا جب شعلہ  
 گزر جاتی ہے جب افتادگی میں جوئے خوں سے  
 لڑا اٹھتا ہے پھنک جانے کے ڈر تاجِ سلطانی  
 کہیں جب تخم کو ملتا ہے فرمانِ گل افشانی  
 نگہبرِ قید و پابندی سے، پابندی وہ دولت ہو  
 کہ بن جاتا ہے دُور بے بہا، اک بوند بھر پانی

کلیدِ فتح بن جاتا ہے اک دن قفلِ زندان کا  
 سنا تو ہو گا نو نے بھی فسانہ ماہِ کمان کا

تبسم کی ہوائیں چل رہی ہیں صحنِ عالم میں  
 چمن سے آ رہی ہیں پھر صدائیں عندلیبوں کی  
 بکھر نے پر ہے شیرازہ کتابِ اشکیاری کا  
 کلی کو چھو رہا ہے پھر نفسِ بادِ بہاری کا  
 ہوا سے نجد نے اٹھا ہے پردا پھر عساری کا  
 دلوں میں پھر بھڑک اٹھا ہے شعلہِ بقیاری کا  
 فضا میں پھر تڑپتی ہیں شعاعیں مہرِ کاوش کی  
 برستی ہیں فلک سے کاشیں پھر سرِ فردوسی کی  
 بھپکنے ہی پہ ہے اب آنکھِ عفریتِ عثمانی کی  
 رکابیں تمام کر چلنے لگے تھے جو سرِ لیفوں کی  
 دھمک پیدا ہے پھر چھوٹی ہوئی بنفوں میں شرق کی  
 نظر ہے کلبہٴ مرز دور پر معسارِ فطرت کی  
 سبق دہرا رہے ہیں پھر سے مشقِ شہِ سواری کا  
 کلیجہٴ خون ہے پھر مغربِ بی دیتار داری کا  
 تلاطم میں ہے قصرِ آہنی سرمایہٴ داری کا  
 مہمانِ کج کلمہٴ پرتنگ ہے عالم کی پہنائی

# نازک اندامانِ کالج سے خطاب

چھین لی تم نے نِسائیت سے ہر شیریں ادا  
 جنگ سربراہ اور یہ مجھو بہت چھپائی ہوئی  
 آنکھوں میں عشوہ ترکا نہ دیکھو لے ہوئے  
 بھال و خد سے جذبہائے صنفِ نازک آشکار  
 انقدر ابیہ خشنِ مرزگاں کا شیریں ارتعاش  
 الاماں ابیہ زمینیں، موزے ہیں گو اترے ہوئے  
 ریشمی رومال سے ہے فرقِ نازک پر بہار  
 نازکی کا متقاضی پتلی چھڑی باندے ہوئے  
 جنگ، اور نازک کلائی پیرچ ہیں تقدیر کے  
 پاؤں رکھتے ہو دمِ گل گشت کس کس ناز سے  
 دیر سے توپوں کے مٹھ کھولے ہوئے ہے روزگار  
 چھین لی تم نے نِسائیت سے ہر شیریں ادا  
 ناز سے نیچی نگاہیں، چال اٹھلائی ہوئی  
 ”سینٹ“ کی خوشبو میں رُوح ناز پر تو لے ہوئے  
 ”کرزنی“ چہروں میں ”زن“ بننے کے ارماں بھرا  
 عزتِ آبا کا دل ہے جس کی رو میں پاش پاش  
 ذوق ہے گنگر و کا ”گیٹس“ پاؤں میں پہنے ہو  
 اوڑھنی پر دیدنی ہے راہ کا گرد و غبار  
 شوق گنگن کا کلائی پر گھڑی باندھے ہوئے  
 مڑ نہ جائیگی ”نگوٹری“ بوجھ سے شمشیر کے  
 لے میں قربانِ ارن میں بھلو گے اسی انداز سے  
 سینہ گیتی میں ہے جس کی دھمک سے خلقِ شاعر  
 شغلِ زینت سے تمہیں فرصت مگر ملتی نہیں

جہاں اُگتے ہوں نیزے، اُن میں قبر فطرت سے سمجھتا ہے کہ ہینگے سر و شمشاد چمن پیدا  
 رگِ آہن سے ٹپکی ہیں شرابِ ناب کی مویں؟ خمِ زنجیر سے ہوتی ہے رُلفتِ پرشکن پیدا  
 اٹھائیں گاہاں تک جوتیاں سرمایہ داری کی

جو غیرت ہو تو بنیادینِ بلادے شہرِ یاری کی

تنِ نازک پہ تیرے رحم آتا ہے مجھے، لیکن نہ دوں دعوت تجھے کس طرح قوت آزمانے کی  
 تجھے اے کاش، شاعر کی طرح محسوس ہو سکتا نظرِ پڑتی ہے تجھ پر کس حقارت سے زمانے کی  
 ازل سے نوعِ انسانی کے حق میں طوقِ لعنت، کسی ہم جنس کی چوکھٹ پہ عادتِ سر جھکاؤ کی  
 نہ مغمور اگر ماکل بہ نرمی بھی ہو سلطان کی کہ یہ بھی ایک صورت ہے تجھے غافل بنانے کی  
 گئے وہ دن کہ تو زنداں میں جب آنسو بہاتا تھا ضرورت ہے نفسِ پر اب تجھے بجلی گراتے کی  
 گئے وہ دن کہ تو محرومی قسمت پہ روتا تھا ضرورت ہے تجھے اب آنسوؤں پر مسکرانے کی

تڑپ، بہیم تڑپ، اتنا تڑپ، برقِ تپاں بن جا

خُدارا، اے زمینِ بے حقیقت! آسمان بن جا



کیا غضب ہے تم سے بڑے ایشیا آتی نہیں سچ کہو کیا واقعی تم کو حیا آتی نہیں؟

زندگی طوفان ہے، اور ناؤ ہو تم باپ کی

آہ جیتی جاگتی بد بختیوں ماں باپ کی؛

یہ بھی کوئی زندگی ہے جسم کی ماری زندگی نوع انسانی کی ذلت ہے تمہاری زندگی

یہ بھی کوئی زندگی ہے ہست و غافل زندگی بے حقیقت، بد گہر، بے روح، بزدل زندگی

یہ بھی کوئی زندگی ہے پست و اہستہ زندگی منکر سے کھلی ہوئی، بیمار و لاعز، زندگی

یہ بھی کوئی زندگی ہے بے نظام و بے اساس جذبہ تقلید مغرب میں زبون بدحواس

آہ جسنی زندگی، آنسو بہاتی زندگی ٹھوک کی دلدل کی تہ میں کلبلائی زندگی

بھاگتی، بچتی، دہکتی، تھرتھراتی زندگی کانپتی، ڈرتی، لرزتی، کپکپاتی زندگی

جس کو اک دن بھی نہ حاصل فارغ البالی ہوئی موت کے بے رحم و سرد آغوش کی پالی ہوئی

راستہ دیتی ہوئی، پیہم سرکتی زندگی پیٹ کے بل رینگنے والی سسکتی زندگی

منفلسی کی یورش پیہم سے گھبراتی ہوئی

غیر کی روندی ہوئی، دشمن کی ٹھکراتی ہوئی

آہ اے بیگانہ انجام و آغاز حیات سن، کرتا کھل جاے تیری موت پر راز حیات

اہل عالم کی نظریں محترم ہوتا نہیں مرد جب تک صاحبِ سیف و قلم ہوتا نہیں

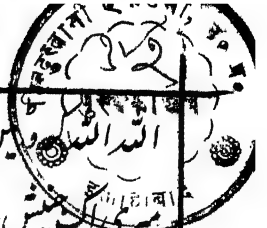
کیا تمہارے پاؤں کے نیچے زمین ہلتی نہیں؟

مُن لو، جو موزوں نہیں مردانہ سیرت کے لئے  
مرد کہتے ہیں اُسے اے مانگ چوٹی کے غلام  
زندگی اُن کی وہاں ہے آئیت کے لئے  
مرد کی تخلیق ہے زور آزمانے کے لئے  
جس کے ہاتوں میں ہو طوفانی عناصر کی لگام  
مرد ہے سیلاب کے اندر اکڑنے کے لئے  
گردین سرکش حوادث کی جھک کانے کے لئے  
مرد کہتے ہیں اُسے اے بندگانِ مطہران  
بحر کی پھری ہوئی موجوں سے لڑنے کے لئے  
جو جلالِ برق و باران کا اُترا تہا ہوا مذاق  
جنگ میں ہو بائکین جس کی شجاعت کا گواہ  
رزم کے میدان میں کج کو تہا ہوا تھے پرکشاہ  
دُور تہا ہوا شعلہِ خوبسلی کا دامن تھامنے  
مُسکراتا ہو گر جتے بادلوں کے سامنے

مضمحلہ کرتا ہو خونِ آشام تلواروں کے ساتھ

کھیلتی ہوں جس کی نیندیں سُرخ انگاروں کے ساتھ

تم مگر اس زندگی کے کھیل سے رہتے ہو دور  
ہے تھرا راتِ بیدردہ ستمی زوال  
آفریں اے عصرِ حاضر کے جوانانِ غمور  
جیسا کہ کوڑی نہیں، اور اس قدر شان و شکوہ  
الاماں تسلیم کالج کا اہل پرورِ مال  
یوں تھکے مُٹھے کے اندر ہے فرنگی کی زبان  
سُرخ بکالے شرم سے لے فاقہ مستوں کو گردہ  
یہ لباسِ مغربی جلوؤں کو چمکاتا نہیں  
خوف ہے گونگا نہو جائے کیس ہندوستان  
تم کو اس بہرِ دپے پن سے حجابِ آتا نہیں



جن سے گر جاتی ہیں ڈائیں قصرِ استبداد کی  
میری سرتابی تڑیا کا جھکا دیتی ہے سر  
مانگتا رہتا ہے میری آگ سے دوزخ پناہ  
صاف پڑ جاتا ہے ایوانِ حکومت میں شگاف  
ٹکڑے ٹکڑے دست و بازو بیزہ بیزہ تنہا  
خون، سفاکی، گرج، طوفانِ بربادی قال  
بیرقین، پرچم، علم، گھوڑے، پیادے شہسوار  
رحم کا احساس ہے میری شریعت میں حرام  
سیر ہو کر گوشت کھاتی ہوں، لہو پیتی ہوں میں  
بہنے لگتی ہیں سیرِ مسیحاں لہو کی ندیاں

اللہ اللہ میں میرے دلِ آزاد کی  
میری نگہبش سے ہوتا ہے جہاں زیرِ دُرب  
ایک چنگاری مری جنت کو کرتی ہے تباہ  
الحذر! میری کڑک کا زور ہنگامِ مصاف  
اللہ اللہ بزمِ ہستی میں مری گلِ باریاں  
الامان والحذر! میری کڑک، میرا جلال  
بر چھیاں بھالے، کمانیں تیر، تلواریں کٹار  
آندھیوں سے میری اُڑ جاتا ہے دُنیا کا نظام  
موت ہے خوراک میری، موت جیتی ہیں میں  
پیاں سے باہر نکل پڑتی ہے جب میری زبان

جنگ کی صورت سے گوہنگامہ کرتی ہوں شروع

آمن کی صبحیں مرے خنجر سے ہوتی ہیں طلوع

میری پیدائش کے خنجرے میں نہیں جلتا چراغ  
بے زری کے بازوؤں پر زلف بکھراتی ہوں میں  
بھوک ہی کا دودھ پی پی کر جواں ہوتی ہوں میں

میرا مولد مفلسی کا دل ہے، عسرت کا دماغ  
گود میں نادار لوں کی پرورش پانی ہوں میں  
بھوک سے ہر چند کیا کیا سرگراں ہوتی ہوں میں

سیف کا دامن تو ہے اک غم سے چھوٹا ہوا اور قلم ہے اک سودہ بھی خیر سے ٹوٹا ہوا  
 کچھ خبر بھی ہے تجھے اے طفلِ کرب زار و زار زلیست کا ہے دست و بازو کی صلابت پر زار  
 غور سے سن اے نگارِ مجلسِ ہندیبِ حشام کھر درے ہاتھوں میں رہتی ہو حکومت کی لگام  
 بل پہ لوہے کے جوئے سکتا ہو دنیا سے خراج جگمگاتا ہے اُسی کے فرق پر سونے کا تاج  
 فکرِ ناقص کو تری سرمایہ تحقیق دے کاش دنیا مرد بننے کی تجھے توفیق دے  
 عزمِ تیرا آگ کے سانچے میں جب ڈھل جائے گا  
 طوقِ محکومی کا لوہا خود بخود گل جائے گا

## بغاوت

ہاں، بغاوت! آگ، بجلی، موت آنحضرتؐ پر نام میرے گرد و پیش اجل، میری جلو تیلِ عالم  
 زرد ہو جاتا ہے میرے سامنے رُوئے حیات کانپ اُٹھتی ہے مری چینِ حبیب سے کائنات  
 جنگ کے میدان میں میری سیف کی لہر تھی خاک بن جاتی ہے بجلی، برق دے اُٹھتی ہو لو  
 ذکرِ ہوتلہ ہے مرا پُر ہول سپکا روں کے ساتھ ذہن میں آتی ہوں تلواروں کی تھبھکاروں کے تھ

برق کے سانچے میں دھل جاتی ہیں گفائری میاں سے باہر اُبل پڑتی ہیں تنواریں مری  
 موت بن کر زندگی کے سر پہ چھا جاتی ہوں میں سب سے پہلے بڑھ کے غداروں کو کھا جاتی ہوں میں  
 سوزِ ملت سے جو پہلو مُشتعل رکھتے نہیں ہاں وہی غدار، سینوں میں جو دل رکھتے نہیں

سلطنت کی سمت پھر بڑھتی ہوں بل کھاتی ہوئی  
 قید اور قانون کو ذلت سے ٹھکراتی ہوئی

اپنی رُو کی گرد میں صحنِ زمین اُٹے ہوئے میان سے خنجر نکالے، آستیں اُٹے ہوئے  
 باندھتی ہوں شہریوں کے سر پہ یہ کہہ کر کفن تم ہو اشجع، ناوک افکن صف شکن، شمشیر زن  
 تم ہو غازی، جنگجو، لشکر شکن، میرِ سپاہ تم ہو رستم، مرد میدان، شیر دل، عالمِ پناہ  
 تم ہو سر لشکر، سپاہی، برقِ پناہ سخت کوش تم ہو صفدر، سُورما، سادنت، سرکش، سرفروش  
 اڑیاں تم اور رگڑو آبِ وِماں کے واسطے ریڑھ کی ٹہنی ہو تم حیم جہاں کے واسطے  
 اے جواں مردو! یہ ذلت کس لیے سہتے ہو تم؟ مرد ہو کر ٹھوکروں کی زد پہ کیوں رہتے ہو تم؟  
 مادہ سیرت بن کے تو رہتے نہیں دُنیا میں مُر ٹھوکروں کے واسطے ہوتا نہیں مردوں کا سر  
 لختِ دل انسان کھائے، اور خونِ دل پئے نف ہے اس جینے پہ، مر مر کر جیے تو کیا جیے  
 سچ کہو تم ننگِ محکومی سے شرماتے نہیں؟ کیا تم اپنی عورتوں کے سامنے جلتے نہیں؟  
 کب بیکالو گے تم تائیں دلِ برباد کی کیا ہوئیں تنیں تمہارے نامور احبِ داد کی؟

گرم نالے منہ اندھیرے سے جگاتے ہیں مجھے  
 بجکوجھپن کے زمانے ہی سے ہر صبح و مسا  
 جس کو حاصل زندگی کا کچھ مزہ ہوتا نہیں  
 جس کی شہ تر میں یوں کھاتے ہیں راہ بیچ دنا  
 ختم ہو جاتا ہے جب اہل جہاں کا غلغلہ  
 کھل کے پوری سانس لینے سے بھی گھبراتی ہوں  
 ہر قدم پر بھوت آوازیں سناتے ہیں مجھے  
 ایک دنیا سے نرالی ہو میرے کتب کی شان  
 بستہ قوطاس ہو سکتی نہیں میری کتاب  
 اُف! درد دیوار میرے مدرسے کے الامان!  
 دیکھنے سے جن کے پتھر کا بھی دل ہو جائے شوق  
 اشک غم ہر صبح آئینہ دکھاتے ہیں مجھے  
 پیٹ کی ماری ہوئی مخلوق دیتی ہے غذا  
 کچھ بھی جس کے پاس ماضی کے سوا ہوتا نہیں  
 دھار پر تلوار کی جیسے شعاعِ آفتاب  
 رات کے آغوش میں کھلتا ہے میرا مدرسہ  
 درس لینے کے لئے بچوں کے بل جاتی ہوں میں  
 تیرہ دیواروں کے سائے تک ڈراتی ہیں مجھے  
 بند ہو جاتی ہیں آنکھیں اور کھلے رہتے ہیں کان  
 خون کی چادر پہ چھپتا ہے مرا غوفی نصاب  
 درس دیتی ہیں جہاں سہمی ہوئی سرگوشیاں  
 بجکودہ اترے ہوئے چہرے پڑھاتے ہیں سبق

اول اول جان دینے کا سبق لیتی ہوں میں :

آخر آخر جان لینے کا سبق لیتی ہوں میں !

کچھ دنوں تو فطرت سے میں رہتی ہوں خاموش  
 آخر آجاتا ہے میری رُوح سرتابی کو جوش  
 بھرتو میں چٹھارتی ہوں خوفناک انداز میں  
 موت کی آواز ہوتی ہے مری آوازیں

راہ سے اپنی ہنریت کو بٹا سکتا ہے کون؟ عظیم خلاق جہاں کا سر جھکا سکتا ہے کون؟

گو بچے لگتی ہیں جب میری صدائیں مثلِ صُور

سراٹھا کر مسکراتا ہے حکومت کا غرور

مضحکہ، اور قطرہ شبنم کا، انگاروں کے ساتھ پنکھڑی، اور ناز سے پیش آنے تلواروں کے ساتھ

عقل کا دستِ مُبک، رخنہ جُلوں کی باگ پر قہقہہ خس کا کرکٹی جبیلیوں کی آگ پر

ایک مٹی کے دیئے کا طنز اور کیچے کا طاق نرم و نازک آگینہ، اور تھپسے سے مذاق

اسِ تسخّر سے مے سینے میں لگ جاتی ہے آگ قلعہ شاہی کی جانب مٹوری تپتی ہوں میں آگ

پھر لو جاتا ہے جدھر میرا جنوں تند غو پُشت پر ہوتی ہیں لاشیں، بڈیاں، ڈھانچے، اہو

میرے گرد و پیش کی مہنگا مہ خیرِی الاماں شور، غوغا، غلغلہ، فساد، داوِ بلا فغاں

اللہ اللہ میرے دہشت ناک خونی دلوے آندھیاں، طوفان، تلاطم، سیل، صرصر زلزلے

ابتری، وحشت، تزلزل، بظلمت، دہشت، فساد دبدبے، گرمی، کشاکش، دغدغے، پھیل، جہاد

گنگرے ایوانِ شاہی کے جھکا دیتی ہوں میں حیرتِ استبداد کی چولیس ہلا دیتی ہوں میں

دندانِ گنبدِ زرّیں میں گھس جاتی ہوں میں چاٹ کر سونے کا پانی آگ برساتی ہوں میں

میرے خرقِ بے کلمہ کے سامنے بے اختیار کانپتا ہے طرہ طرفِ کلاہِ شہر یار

بائندھ کرچیاں گدا کی خفہ سمانی کے ساتھ کھیلنے لگتی ہوں ہولی خونِ سلطانی کے ساتھ

اے جوان مرد! خدا را باندھ لو سر سے کفن  
سر برہنہ پھر رہی ہے عزتِ قوم و وطن  
ہاں زمین کو زیر کر کے آسمانوں پر چڑھو  
ہاں بڑھو اے صفِ شکن بیروا بڑھو جلدی بڑھو  
پاؤں میں تاجِ نذرِ غلامی کی حشر اش؟

صرف اک جنبش! ابھی ہوتی ہیں کڑیاں پاپاں  
میری آوازوں سے کانپ اٹھتا ہر روح کا سکوا  
حذبِ غیرت کی آنکھوں میں اُتر آتا ہے خوں  
شور اُٹھتا ہے، محض اک دم ہے وارِ دُشمن  
یا تو اب ہم تاج ہی پہنیں گے یا غنیمتِ کفن  
کی کیا پاتی ہے زمیں اُٹھتا ہے ہلکا سا عُبّار  
دوڑنے لگتے ہیں مرکب بڑھنے لگتے ہیں سوار  
طلح کی دوں دوں سے جل اُٹھتے ہیں آنکھوں میں غنیمتِ کفن  
جھن جھناتے ہیں جلاجل سناتے ہیں دماغ  
کھلنے لگتا ہے مگر جس وقت چہمِ جنگ کا

پہلے بڑھ کر میں حکومت کو یہ دیتی ہوں صدا

اے جفا پرور امارت! دیکھ، ناداروں کا بھاگ  
موت کا پیغام، ہڈیوں پر پڑے ہیں تیروں کا وار  
مدعیِ اکف در دہاں آبادیوں سے ہوشیار!  
خلق ہے بقیاب تیرا منہ جھکتے کے لئے  
تیرے سونے پر ہے اب لوہا برسنے کے لئے  
تیرے زر کی سرخیوں میں لگ لگ جانے کو ہے  
جذبہِ خلقِ خدا کو متح کر سکتا ہے کون؟  
اب بھی آنکھیں کھول لے جن خودی، دیو ریا!  
جذبہِ خلقِ خدا ہے اہل میں عزمِ خدا



## زندانِ کاگیت

لو آگیا وہ کوئی گلستاں لیے ہوئے      چہرے پہ رنگِ صُبحِ درخشاں لیے ہوئے  
 کلیاں ہر اک روش پہ چٹکنے لگیں تمام      گو ہر فشانے لبِ خُوباں لیے ہوئے  
 نیلا نفا پہ صُبح کا وہ نعتِ فی جُلوس      گل بانگِ طائرانِ خوش الحان لیے ہوئے  
 فیضِ صبا سے مقدمِ صُبح بہا رہیں      ہر خار و خس ہے حُشّشِ مرنگاں لیے ہوئے  
 یہ رنگ کیا ہے کشورِ ہندوستان کا آج  
 ہر ذرّہ حقیر ہے بُستاں لیے ہوئے

یعنی ہر ایک ذرّہ ہے خونِ وفا سے سُرخ      اور سُرخیاں ہیں روضہِ رضواں لیے ہوئے  
 اس موجِ خوں سے دل میں نہ لانا کبھی ہر اس      یہ موجِ خون ہے لعلِ بدخشاں لیے ہوئے  
 اس ترکِ اشتداد سے ہونا نہ بدحواس      یہ ترک ہے خودِ ششِ فراداں لیے ہوئے  
 ان عصمتوں سے اہلِ و نعا کی نہوا داس      یہ عصمتیں ہیں جذبہٴ عصیاں لیے ہوئے  
 گو ہند آج باغِ جہاں میں ہے مثلِ خس      یہ خار و خس ہے سنبلِ درحیاں لیے ہوئے  
 ان جانیوں پہ محبسِ تاریک کی نہ جبا      یہ جالیاں ہیں حُشّشِ مرنگاں لیے ہوئے

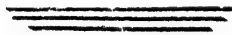
کس سے رکتی ہوں جیسا اپنی بات پڑتی ہوں میں      سلطنت کے سر کا گودا تک چبا جاتی ہوں میں  
 زیر دستوں کو دلا کر خونِ حاکم سے خراج      قیدیوں کے سر پر رکھ دیتی ہوں آرا دی کا تاج  
 شعلے کے مانند یوں لیتی ہوں پھر انگوٹھا ایسیاں

سینہ ارض و سما سے اٹھنے لگتا ہے دھواں

الاماں! میرا جنوں پرور تم سرور، الاماں!      آ، سُنادوں میں تجھے دو حرفِ میتِ داستاں  
 جب ازل میں سجدہ آدم کا اٹھا تھا سوال      ہاں اُسی بلبل کے موقع پر کہ تھا دمِ جلال  
 خود خدا سے بہتر و قہار سے اسلاک پر      کی تھی مینے گفتگو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

رُعبِ سلطانی سے یہ چہرہ اُتر سکتا نہیں

جو خدائی سے لڑے، شاہی سے ڈر سکتا نہیں



# ہوشیار

آہی ہے نیند تجکو در میانِ کارزار دیکھ وہ تیغِ مردِ چکی ہنڈارا ہوشیار

ہوشیار

اے مردِ غافل ہوشیار

خون کے دھارے کے اندر ہے ہی جکارا تہ آنسوؤں کے سیل میں تُو ڈھونڈتا ہی وہ دیار

ہوشیار

اے مردِ غافل ہوشیار

آہی ہے دشتِ استبداد سے بادِ سُوم اور محکومی سمجھتی ہے نسیمِ خوشگوار

ہوشیار

اے مردِ غافل ہوشیار

تن سے رخصت ہو رہی ہو رُوحِ فردوسِ ضعیف حلق پر رکھا ہوا ہے خنجرِ سرمایہ دار

ہوشیار

اے مردِ غافل ہوشیار

اِن کر دوڑوں کو اہلِ نفس کی سُبک نہ جہان  
 یہ کر دوڑیں ہیں موجہ طوفان لیے ہوئے  
 اِن ظلمتوں پہ مطلعِ اُمید کی نہ جہا  
 یہ ظلمتیں ہیں چشمہ حواں لئے ہوئے  
 ظاہر میں بُزدلی ہے ہر دم ماندگی مگر  
 یہ بُزدلی ہے جنگ کا ساماں لیے ہوئے  
 آگاہ ہو ندیم ! کہ یہ زہریرِ صبر  
 دل میں ہے عزمِ شعلہ عریاں لیے ہوئے  
 آزاد یوں کے دیکھ رہا ہے لطیفِ خواب  
 زندانیانِ عشق کو، زنداں لیے ہوئے  
 اسے پیرِ خستہ اُمردہ، کہ سنگی ہوائے مصر  
 بُوئے قمیصِ یوسفِ کُناں لیے ہوئے  
 کمد و صدف سے آنکھ اٹھائے سُوئے فلک  
 آیا ہے ابرِ قطرہٴ نیساں لیے ہوئے  
 بتقیس سے کہو کہ سرِ بارگاہِ ناز  
 پریاں کھڑی ہیں تختِ سلیمان لیے ہوئے

جوشِ اہلِ دل کے پاؤں کی زنجیر پر نہ جہا  
 یہ سلسلہ ہے زلفِ پریشان لیئے ہوئے

عرصہ عالم کا ہر ذرہ ہے ہمیں ان عمل بزم ہست و بود کا ہر روز ہے روزِ شمار

ہوشیار

اے مردِ غافل ہوشیار

## ایک شہیدِ وطن کی یاد میں

اے بہادر! اے شہیدِ خجیرِ اریاب کس جان جو اس شان سے دیتا ہے مر سکتا نہیں  
پڑ رہی ہے اُس طرف گردن میں پھانی کی گڑھ کھل رہا ہے اس طرف آغوشِ فردوسِ بریں

نوجوانو، توڑ ڈالو سبجہ و زنا ر کو

تا کجا یہ احمقانہ دار و گیرِ کفر و دین؟

نوجوانو! عشق کو درکار ہے مجنوں کلاؤں تا بہ کئے یہ عشقِ مہاے لیلیٰ، محلِ نشین؟

نوجوانو! خون، جینے کے لئے تھوڑا سا خون خون کی پیاسی ہے مدت سے وطن کی نثر میں

پوچھے اب تم سے اگر کوئی کہ ”ہیں جانیں عزیز“؟

ایک زباں ہو کر چُپا ر اٹھو، نہیں ہر گز نہیں،

جانوریں سانس یک رنگی و آزادی کے ساتھ نوعِ انسان، اور تقسیمِ غلام و شہریار

ہوشیار

اے مردِ غافل ہوشیار

ضعف و قوت میں توازن ہو، یہ ممکن ہی نہیں پھول سے گلچیں کا ہر پیمان ہے نا استوار

ہوشیار

اے مردِ غافل ہوشیار

رحم کی درخواست سے پہلے یہ دل میں سوچ لے خون ہے خادم کا آقا کے گلستان کی بہار

ہوشیار

اے مردِ غافل ہوشیار

گرگ رہ جاتے ہیں دانتوں میں دبا کر انگلیاں آدمی کا آدمی کرتا ہے اکثر یوں شکار

ہوشیار

اے مردِ غافل ہوشیار

دیکھتا ہوں عصرِ حاضر کی نگاہِ مہر میں وہ دکھتی آگ، کانٹیں جس سے دوزخ کے شر آ

ہوشیار

اے مردِ غافل ہوشیار

# مُسْتَقْبِلُ کے غُلام

یہ ہند کے سمن بر، شیرین کلام بچے  
 بے وجہ شادمانی لبّاش رہتے والے  
 یہ دہر کی دُعا کو تاشیر دیتے والے  
 ردہ کے یہ فلک کی جانب ہٹکتے والے  
 یہ اینڈ نے، مچنے، بڑھنے، اُبھرنے والے  
 کس شانِ دل کشی سے پھرتے ہیں شور کرتے  
 آمواجِ زندگی پر الما میں کے سفینے  
 فطرت نے دل سے چاہا اِن کا لطیف ہونا  
 لیکن وطن کی حالت پیہم ڈرا رہی ہے

یہ گلِ عذار بچے، یہ لالہ نام بچے  
 یہ موجِ سرخوشی پر ہنس نہنس کے ہینے والے  
 یہ خوابِ زندگی کی تعبیر دینے والے  
 یہ شاخِ عسبرِ نو کے تازہ چہکنے والے  
 یہ رنگِ تازہ نقشِ عالم میں بھرنے والے  
 یہ گُلناتے غنچے، یہ بولتے شگوفے  
 شیرینیوں سے مملو، ذی رُوح آگلینے  
 دی ماہِ نو کی چاندی، ہرپلی کرن کا سونا  
 دل سے یہ رُوحِ فوسا آواز آ رہی ہے

اک دن "ذلیل" و "وحشی" اِن کے بھی نام ہونگے  
 اپنی ہی طرح اک دن یہ بھی غلام ہونگے

## بزمِ باقی

چو تک اے دل، کہ ابھی تک ہو وہ محفل باقی  
 اب بھی ہر چیز ہے آئینہ زخماںِ حبیب  
 اب بھی ہر دل پہ ہے اُس کا کل شبنم کا دام  
 آج تک کشمکشِ عشق کا محکم ہے نظام  
 سن کہ، اب تک ہے بیاباں میں جرسِ فغاں  
 دُڑوہِ حنا کو جو مہر بنا دیتا ہے  
 راہ کو منزل مقصود سمجھنے والے !  
 غور کرنے سے اُبھتا ہے ترادل، ورنہ  
 دل میں جو آگ تھی، ہر چند پڑی ہے خاموش  
 تُو نے سُننے کی قسم کھاتی ہے، ناداں ورنہ  
 تُو نے کیا سوچ کے، یوں میان میں کھ لی تلوار  
 دُہی مٹ ہے، وہی رونقِ محفل باقی  
 اب بھی ہر شے ہے ہیاں ناز کو قابلِ باقی  
 اب بھی ہر روح میں ہے شورِ سلاسل باقی  
 دُہی ناخن ہے، دُہی عقدہ مشکل باقی  
 اُٹھ، کہ اب تک ہیں بہت واقعتِ منزل باقی  
 آج بھی تجھ میں ہے وہ جو ہر سائلِ باقی  
 جانتا ہے ابھی کہتے ہیں مرا حل باقی؟  
 اب بھی ہے کشمکشِ سَلِّ مسائلِ باقی  
 پھر بھی اک آنچ سی ہے مُتصلِ دل باقی  
 اب بھی گلشن میں ہے گلابِ نازِ حنا دل باقی  
 دیکھ اب تک ہے نزاعِ حق و باطل باقی

بہشِ ہستی کی دہک، جوش ہو کیونکر محسوس

جو دھڑکتا تھا، وہ پہلو میں نہیں دل باقی



## زمانہ بدلنے والا ہے

ستم شعار! یہ اندازِ ساحری کب تک؟  
 یہ درسِ امن کی ابلہ فریبیاں تاجند؟  
 یہ بزمِ عیش بہ آہنگِ خسروی تاکے  
 یہ شہرِ کُنگرۂ قصرِ برتری تاجند  
 یہ کافرانہ نگاہِ خدا رسی تاکے  
 یہ طنطے یہ تحکم، یہ دبدبے تاجند  
 یہ شغلِ ظلم یہ آئینِ دلہی تاکے  
 یہ چہرۂ دستیِ تثلیثِ ناروا تاجند  
 یہ شیطنت میں نمودِ پیسری تاکے  
 رہیگی گرمی یا زارِ سامری کب تک؟  
 یہ اشتہارِ کرم کی فُسوں گرمی کب تک؟  
 یہ سازِ کیف یہ گلبانگِ قیصری کب تک؟  
 یہ رُعبِ طرۂ دستارِ سروری کب تک؟  
 یہ بُردِ دلانہ ادا نئے سپہ گرمی کب تک؟  
 یہ ناوری، یہ خدای، یہ قاہری کب تک؟  
 یہ مشقِ جور یہ اندازِ دلبری کب تک؟  
 یہ فتنہ خیزِ توحیدِ آوری کب تک؟  
 یہ میسری میں یہ اندازِ داوری کب تک؟

ٹہر کہ چرخِ نئی چال چلنے والا ہے  
 سنبھل سنبھل کہ زمانہ بدلنے والا ہے

# شریکِ زندگی سے خطاب

اے شریکِ زندگی! اس بات پر روتی ہو تو  
 کس لیے اس پر نہیں روتی کہ اہلِ خانقاہ  
 کس لیے اس پر نہیں روتی کہ مصنوعی صلوات  
 کس لیے اس پر نہیں روتی کہ دشمن کا عتاب  
 کس لیے اس پر نہیں روتی کہ گرم فغاں  
 کس لیے اس پر نہیں روتی کہ تیرے نوہال  
 کس لیے اس پر نہیں روتی کہ تجھے جوشہ سوار  
 کس لیے اس پر نہیں روتی کہ ہندی نوجواں  
 کس لیے اس پر نہیں روتی کہ شمشیرِ وطن،  
 کس لیے اس پر نہیں روتی کہ ملت کا شباب  
 کس لیے اس پر نہیں روتی کہ بیٹے کی جبین

کیوں مرادوقِ ادب ہی مائلِ جامِ دُستو  
 دارِ حصیوں سے ہند یوں کو کر رہے ہیں رُوسیاہ  
 غم کئے دیتی ہے اپنے وزنِ پشتِ حیات  
 تیری ہم جنسوں کی راہوں میں اُلٹتا ہوتا ہے نقاب  
 سبجہ و زُنار میں جکر اہوا ہندوستان  
 بن رہے ہیں مغربی تہذیب سے رنگیں جمال  
 آج اُن لڑکوں میں ہی لیلیٰ و سلمیٰ کا نکھار  
 کھو چکا ہے صفِ شکنِ اسلات کی رُوحِ پتاں  
 بن چکی ہے بزمِ محکوئی کی شمعِ انجمن  
 شیب کی ناوقتِ یورش سے ہو چکے خضاب  
 باپ کے ماتھے کی سی تابندگی رکھتی نہیں

چھوڑ کر چہرے کے دہیے، آئینہ دھوئی ہے تو  
 میری درویشانہ میخواری پہ کیا روتی ہے تو!

# مستقبل

مُژدہ اے دل! کہ نیا اب سرو ساماں ہوگا  
 ایک بار اور صبا لائے گی پیغامِ وصال  
 ایک میم سانشاں ہوگا نشانِ آلام  
 سنگرزہ کہ سر خاک پڑا ہے خاموش  
 رُوحِ کشِ دشت و جبلِ قصرِ سلاطین ہونگے  
 قدمِ فقر پہ جھک جائے گی شاہی کی جہیں  
 خوفِ صیاد سے جو بھول چکا ہے پرواز  
 پک رہا ہے جو بیاہاں کی کڑی دھوپ میں آج  
 آج جو دُوب کا اک ریشہ ہے، اور کچھ بھی نہیں  
 آج جس بزمِ طاری ہے جلالِ فرعون  
 آج جس رعب ہے روئے امارت پہ شکوہ  
 جس کو دشوار سمجھتا ہے، وہ آساں ہوگا  
 ایک بار اور علاجِ عجم ہجراں ہوگا  
 ایک بھولا سا فسانہ عجم دوراں ہوگا  
 کاوشِ مہر سے کل لعلِ بدخشاں ہوگا  
 ہمسیرِ بامِ فلک، کلبہِ دہقاں ہوگا  
 دستِ افلاس میں دولت کا گریباں ہوگا  
 کل وہی مُرغِ قفسِ مُرغِ سلیمان ہوگا  
 کل اُسی سر کے لئے تاجِ گلِ افشاں ہوگا  
 کل وہ تلواری کی صورت میں نمایاں ہوگا  
 کل وہیں دبِ دبہ موسیٰ سمران ہوگا  
 کل وہ مزدور کے چہرے نمایاں ہوگا

# اللہ کرے

اللہ کرے اے ہندو اس فتنہ دوراں میں  
کانٹوں کو بناتی ہے جو بادِ صبا گلشن  
دل ملتے ہیں جس مے سے، مبعود! وہ مے ٹپکا  
راتوں کو چمکتے ہیں سینے میں جو شاعر کے  
اوراق سے اڑ جائیں اغیار کی تحریروں  
ہاں لوح کی کشتی کی تقدیر ملے تجکو  
اسے طاق وطن اچھیلے یوں کاش پرافشاں ہو  
اے کاش کبھی تیری ظلمت کی طرف دیکھے

ہو گئے ظفرِ مندی تیرے خیم چوگاں میں  
آے وہ صبا تیرے اُجرے ہو ڈبلستان میں  
پیمانہ ہندو میں، میناے مسلمان میں  
وہ عقدہ کُشا غنچے ہلکیں ترے داماں میں  
اب ہر تری چھلکے ہر دستہ و دیواں میں  
اس بھر سیاست کے پھپھوے طومناں میں  
وہ نور کہ غلطاں تھا قذیل سلیمان میں  
وہ شمع کہ روشن ہے عشرِ تلکیزداں میں

ساقی کے تبسم سے، اور جوش کے ربط سے

روشن ہوں کنول تیری محرابِ زرافشاں میں

پانی بچوں میں ترے، رنگ کی دُنیا پہنے تیرے کانٹوں سے لیا درسِ تمنا پہنے  
 تیرے قطروں سے سُنی سحرارتِ دریا پہنے تیرے ذروں میں پڑھی آیتِ صحر پہنے  
 کیا بتائیں کہ تری بزم میں کیا کیا دیکھا  
 ایک آئینے میں دُنیا کا تماشا دیکھا،

تیسری ہی گردنِ رنگیں میں ہیں بانہیں اپنی تیرے ہی عشق میں ہیں صبح کی آہیں اپنی  
 تیرے ہی حُسن سے روشن ہیں نگاہیں اپنی کچھ ہوئیں تیری ہی محفل میں کلاہیں اپنی  
 بانگین سیکھ لیا عشق کی افتادوں سے  
 دل لگایا بھی تو تیرے ہی پری زادوں سے

پہلے جس چیز کو دیکھا، وہ فضا تیری تھی پہلے جو کان میں آئی، وہ صدا تیری تھی  
 پالسا جس نے ہلایا، وہ ہوا تیری تھی جس نے گہوارے میں چوما وہ صبا تیری تھی  
 اولیں رقص ہو امت گھٹائیں تیری

بھگی ہیں اپنی مَیں آب و ہوا میں تیری  
 اے وطن! آج سے کیا ہم تیرے شیدا ہیں آنکھ جس دن سے کھلی، تیرے تمنا ہی ہیں  
 مَدتوں سے ترے جلوؤں کے تماشا ہی ہیں ہم تو بچپن سے ترے عاشق و سودا ہی ہیں

محکم ساقی سے ہے جو حلقہ بیرونِ درّاج کل دُہی بزم میں رقصان و غزلخواں ہوگا

نفسِ بادِ صبا مُشکِ فشاں خواہد شد

عالمِ پیروِ دگر بارہ جواں خواہد شد

(حافظ)

## وَطَنُ

(۱۹۱۸ء)

اے وطنِ اپاک وطنِ اُروجِ رواںِ حرار اے کہ ذروں میں ترے بُوے چمنِ رنگِ بہار

اے کہ خوابیدہ تری خاک میں شاہانہ وقار اے کہ ہر خارِ ترا رُوکشِ صد روئے نگار

ریزے الماس کے، تیرے خُش خاشاک میں ہیں

ہڈیاں اپنے بزرگوں کی تری خاک میں ہیں

۱۵ میں تمام نوعِ انسانی کو ایک خاندان سمجھتا ہوں اور دیکھنا چاہتا ہوں، وطنیت کے اُس ناپاک تخیل کو جو خود غرضی

تنگ نظری، منافرت اور ابنِ آدم کی تقسیم چاہتا ہے انتہائی حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں، لیکن اس قدر وطنیت

میرا ایمان ہے کہ اپنے گھر کو غاصبوں کی درندگی سے محفوظ رکھا جائے۔ (مصطفیٰ)

جگو، جیتے ہیں تو غم ناک ہونے دیسنگے ایسی اکسیر کو یوں خاک ہونے دیسنگے  
 جی میں ٹھانی ہے یہی، جی سے گزر جاتینگے  
 کم سے کم وعدہ یہ کرتے ہیں کہ مر جاتینگے

## شکست زنداں کا خواب

کیا ہند کا زنداں نہ پے ہا ہو گونج رہی ہیں تکبیر میں  
 دیواروں کے نیچے آ کر یوں جمع ہوئے ہیں زندانی  
 بھوکوں کی نظر میں بجلی ہو توپوں کے دہانے ٹھنڈی ہیں  
 آنکھوں میں گدا کی سُرخی ہو، بے نور ہو جبرہ سلطان کا  
 کیا ان کو خبر تھی، زبرد برکت تھے جو روح ملت کو  
 کیا ان کو خبر تھی سینوں سے جو خون چرایا کرتے تھے  
 کیا ان کو خبر تھی ہونٹوں پر جو تفل لگایا کرتے تھے  
 سنٹھلو، کہ وہ زنداں گونج اٹھا، جھپٹو کہ وہ قیدی چھوٹ گئے  
 اٹھو کہ وہ بٹھیں دیوار میں، دوڑو کہ وہ ٹوئیں زنجیر میں

بھائی طفلی سے ہر اک آن جہاں میں تیری

بات تھلا کے جو کی بھی تو زباں میں تیری

حُسن تیرے ہی مناظر نے دکھایا ہم کو      تیری ہی مسج کے نغموں نے جگایا ہم کو  
تیرے ہی ابرنے مجھوں میں جھلایا ہم کو      تیرے ہی پھولوں نے نوشاہ بنایا ہم کو

خندہ گل کی خبر تیری زبانی آئی

تیرے باغوں میں ہوا کھا کے جوانی آئی

تجھے مٹھ موڑ کے، مٹھ اپنا دکھائیں گے کہاں؟      گھر جو چھوڑینگے تو پھر جھاؤنی چھائینگے کہاں  
بزمِ اغیار میں آرام یہ پائیں گے کہاں      تجھے ہم رُٹھکے جاسیں بھی تو جائینگے کہاں

تیرے ہاتھوں میں ہے قسمت کا نوشتہ اپنا

کس قدر تجھے بھی مضبوط ہے رشتہ اپنا

اے وطن! جوش ہے پھر تو تیرا پانی میں      خوف کیا دل کو، سفینہ ہے جو طغیانی میں  
دل سے مصروف ہیں ہر طرح کی قربانی میں      محو ہیں جو تری کشتی کی نگہبانی میں

غرق کرنے کو جو کہتے ہیں زمانے والے

مُسکراتے ہیں تری ناؤ چلانے والے

ہم زمین کو تری ناپاک ہنوں نے دیں گے      تیرے دامن کو کبھی چاک ہنوں نے دیں گے



جوشِ اینچاہ سالہ جو بلی کا      آپ سمجھے کہ مدعا کیا تھا؟  
 یہ جتنا تھا، دیکھو بڑھ گئے ہم      سوئے نصرا نیت پچاس قدم!  
 آنچ گم، ہر طرف دُھواں ہی دُھواں  
 داسے برسئی سید احمد خاں

## علی گڑھ سے خطاب

اے علی گڑھ، اے جواں قسمت و بستان کہن      اے کہ شمع فکر سے تابندہ تیرے ہی چمن  
 تیرے پیماؤں میں لرزاں ہے شرابِ علم و فن      حشر کے دن تک بھلا بھولا رہے تیرا چمن  
 مشعلِ مینا سے روشن تیرا سینا نہ رہے  
 رہتی دنیا تک ترا گردش میں پیمانہ رہے  
 ایک دن ہم بھی تری آنکھوں کے بیماروں میں تھے      تیری جنسِ علم پرور کے خسریداروں میں تھے  
 تیری زلفِ خمِ خم کے نوگر فداؤں میں تھے      تیرے اصنامِ سنِ رب کے پرستاروں میں تھے

# علی گڑھ کالج کی نچاہ سالہ

جوبلی

یہ نہ پوچھو کہ ہم نے کیا دیکھا  
 قوم سے جس نے کر دیا بیزار  
 اتنے بہرہ دے نظر آئے  
 پوششیں مغربی اماموں کی  
 پینٹ میں ہاتھ اور منہ میں سرکار  
 طاقِ دل میں چسراغِ انگریزی  
 چالِ انگریزی ڈھالِ انگریزی  
 جسمِ ہندی میں جانِ انگریزی  
 گفتگو میں بنی ہوئی آواز  
 اپنے لہجوں سے ہاتا پائی تھی  
 چھل رہا ہے گلا تو چھل جاے

جوبلی میں وہ ماحسرا دیکھا  
 بن گئے ہم تو نقشِ بردیوار  
 اپنی آنکھوں میں شک بھر آئے  
 صورتیں مشرقی عسکراموں کی  
 شانے پلٹے ہوئے دمِ گُفتار  
 سر کے اندر دمساخِ انگریزی  
 جسم کا بال بالِ انگریزی  
 منٹھ کے اندر زبانِ انگریزی  
 خیم گردن میں مغربی انداز  
 حلق کی ساخت سے لڑائی تھی  
 لہجہ صاحب سے اپنا بل جائے

سوچ تو جی میں یہ جھوٹی نیک نامی تاکجا مغربی تہذیب کا طوقِ اسلامی تاکجا  
 مرد اگر ہے غیر کی تقلید کرنا چھوڑ دے  
 چھوڑ دے، اللہ! بالاقساط مرنا چھوڑ دے

## لمحہ آزادی

سُنوائے جستگانِ زلفِ گیتی، ند کیا آرہی ہے آسمان سے  
 کہ آزادی کا اک لمحہ ہے بہتر، غلامی کی حیاتِ جاوداں سے

## خان بہادر اورس العلما

بڑھ رہی ہے ”بہادر“ جتنی جُبن کی دُھوپ چڑھتی جاتی ہے  
 جس قدر ”شمس“ ہو رہے ہیں طلوع تیرگی اور پڑھتی جاتی ہے

تیری برق جلوہ رنگیں پشیداہم بھی تھے  
 تیرے کوہ طور کے اک روز موسیٰ ہم بھی تھے  
 لیکن اے علم و معارف کے درخشاں آفتاب کچھ بہ اندازِ درگاہی تجھے کرنا ہے خطاب  
 گو یہ دھڑکا ہے ہو گا موڑ و قمر و عتاب کچھ بھی دوں جو کچھ ہو دل میں تاکجا یہ بیچ و تاب  
 بن پڑے جوسی اپنے سے وہ کرنا چاہتے  
 مرد کو کہنے کے موقع پر نہ ڈرنا چاہتے  
 اے علی گڑھ! اے ہلاکِ جلوہ وضعِ فرنگ ”ٹیمٹر“ ہے آغوش میں تھے، بجائے موجِ گنگ  
 ظلمتِ مغرب میں ہے آوارہ تیری لہرنگ و لولوں پر تیرے شاید عرصہ مشرق ہو تنگ  
 آ، کہ حیراں ہے وطن کا کارواں تیرے لئے  
 گوشِ برآوار ہے ہندوستان تیرے لئے  
 عاشقِ مغرب! نگاہِ مشرق کے جادو بھی دیکھ اے سنہری زلف کے قیدی، سیہ گیسو بھی دیکھ  
 دیدہٴ ارزق کے شیدا دیدہٴ آہو بھی دیکھہ سازِ بے رنگی کے بندے! سوزِ رنگِ بو بھی دیکھ  
 ”جسمِ تناکے“؟ ”روحِ لرزاں کے شرار کو بھی دیکھ  
 ”ٹیمٹر“ سے منہ موڑ کر گنگا کے دھاسے کو بھی دیکھ  
 یختہ کاری میکھ، یہ آئینِ حنا می تاکجا جادہٴ افرونگ پر یہ شند گامی تاکجا

سُن، کہ کم نظروں کو دے سکتی نہیں دُنیا خراج  
یہ ترا چھوٹا سا سر، اُونگِ بہتی، اور تاج  
اِس طرح انسان، اور شدت کرے انسان پر  
تُف ہے تیرے دین پر، لعنت تھے ایمان پر  
تُو ابھرتے ہی زمانے کی نظر سے گر گیا  
یُوں بہا یا نُخون، اُمیدوں پہ پانی پھر گیا  
رُکنے ہی والا ہے آزادی کا جاں پرور جہاد  
اے فرنگی! شادماں باش و غلامی از زندہ باد

## عَدّار سے خطاب

ہو شمار اے بے حیا عَدّار، اے نفسِ دنی!  
وقتِ استغفار ہے، بیدار ہو اے بد نصیب  
دیکھ، آچھو نچا وہ اے بد بخت! وقتِ جاں کنی  
وہ اجل کا سر دھچک ل آگیا سر کے قریب  
لے، وطن کی تیغ وہ بکلی، حکومت کو پکار  
ساتھیوں کو دے صدا، دیورِ ذالت کو پکار  
خون میں اپنے ہی تھکے دیکھ کر تھڑا ہوا  
گو بچنے ہی پر ہے غُنی قہقہہ شیطان کا  
قبر تیری، ٹھو کریں کھاتی رہے گی حشر تک  
پُھول اپنے روک لیگی نرم شاخوں کی لچک  
رُوح تیری، جانبِ گردوں کرے گی جب سفر  
بادلوں سے حبلیاں جھپٹیں گی تجکو دیکھ کر

## مقتل کا پُور

اے جبینِ ارض کے داغ، اے دنی ہندوستان  
یہ فضاے صلح پرور، یہ قتال کا پُور!  
آدمی کی نسل سے اور تو!! نہیں، ہرگز نہیں  
سجھ و ذنار میں جکڑے ہوئے دیو سیاہ!  
کس کو کھا کر آ رہا ہے او دباے کائنات  
کس کا یہ گودا ترے تالو میں میں ہی چمپا ہوا؟  
چھوٹ جائیں تیری نفیس، ٹوٹ جائیں تیرے ہات  
یہ تو ہے اے سنگدل ایچوں کا خونِ مشک بُرا  
تُو نے بچوں کو چاڈالا، خدا غارت کرے  
کیا انھیں ہاتھوں میں لیگا خوشِ آزادی کی باگ!  
اوسیہ باطنِ ابیہ عالم، اور آزادی کا خواب

اے سپہِ رو، بے حیا، وحشی، کینے بدگمان  
تھپہِ لعنت اے فرنگی کے غلام بے شعور  
”جگو عورت“ نے جنا ہے؟ بھوٹ ہے نہ لے لعین  
تیری جانب اٹھ رہی ہو دیکھ دوزخ کی نگاہ  
رودِ گنگا سے لے اس طرح طوفانِ مات  
اے درندے، یہ ترا جبر ہے کیوں سمٹا ہوا؟  
تیغِ بُراں، اور عورت کا گلا، کیوں بدصفا  
کہنیوں سے یہ تری کیسا ٹپکتا ہے کہو؟  
مرد ہے تو اس سے لڑ پہلے جو مائے پھر مرے  
تُو نے او بزدل! لگائی ہو گھروں میں جن سے آگ  
دل میں کھو پائے، ارادوں میں بی نیت خراب

بُزدلی سے سُخ پہ بکھرائے ہوئے سازش لٹیں      تیرے ماتھے کی شکن میں لے رہی ہو کر وٹیں  
 تیری چشمِ تنگ کی گردش میں لے ننگِ وطن      سو رہا ہے دردِ قومی دیر سے اوڑھے کفن  
 قوم کا دل ہے تے ہونٹوں کے اندر پاش پاش      دوش پر ہے تیرے لہجے کے تری غیرت کی لاش  
 ہو چکے ہیں مشورے تیری فنا کے واسطے  
 جاگ اٹھ، اب بھی سو رہا ہے خدا کے واسطے

## کب تک

رہیگی اہل جفا پر تری عطا کب تک      بنے رہینگے الٰہی! یہ بُتِ خدا کب تک  
 لیے رہیگا دکھانے کو مُنہ میں گلدستے      زبوں شعارِ حکومت کا اُردھ کب تک  
 کسندِ فکر میں اُلجھاکے ہتے والوں کو      زبانِ علم کی لگی گرہ کُشا کب تک  
 کوئی بتاؤ یہ سہ پیرانِ دامن آلودہ      بنے رہینگے جو انانِ پارِ سا کب تک  
 کوئی بتاؤ کہ قبضے میں بادِ صرصر کے  
 رہیگا منصبِ دیرینہ صبا کب تک

تو پکارے گا کوئی حاکم مجھے آکر بچاے  
 آسماں پر بھی نہ اویز بخت اپائے گا اماں  
 اٹھکلیاں اٹھینگے دنیا میں تیری اولاد پر  
 تیری ستورات کا بازار میں ہو گا قیام  
 اُس طرف منہ کر کے تھکے گا نہ کوئی نوجوان  
 کیا جوانوں کے غضب کا ذکر ادا بن خطاب  
 بخش سمجھی جائیگی محسوس میں تیری داستان  
 آئیگا تاریخ کا جس وقت جنبش میں مسلم  
 صفحہ تاریخ پر کانپنے لگیوں تیرے نشان  
 تاج سے تیری وفاداری کی قس میں بار بار  
 دم گھٹا جاتا ہے میرا، دور ہوا ہے تیرا دل  
 تجھے روگرداں نہیں ہیں صرف تلک زعیم  
 تجھے نفرت کی کھٹک دونوں کی آبِ گل میں  
 بزدلی ڈالے ہوئے تاسیک ہرے پر نقاب  
 تیری پلکوں سے شقاوت کا دھواں ہوا شکا

رعد گر جیگا کہ اب یہ بے حیا بچکر نہ جائے  
 چاٹ لینے کو تجھے دوزخ نکالے گا زباں  
 غلغلہ ہو گا وہ آتے ہیں ایزدالت کے پسر  
 معرض دشنام میں تیرا لیا جاسیگا نام  
 ”ہر“ کی حسرت میں رہیگی تیرے گھر کی لڑکیاں  
 سُن کے تیرا نام اُجڑ جائیگا پورھوں کا خطاب  
 کانپ اٹھیں گی ذکر سے تیرے کنواری لڑکیاں  
 قبر تیری دے اٹھیں گی، جہنم کی قسم  
 بن میں جیسے رات کو ابلیس کی پرچھائیاں  
 جھن جھناتی ہیں تیرے ہونٹوں کے گرد ادھر زہ کار  
 تیرے منہ سے جھوٹ کے آنے ہیں پھیلے متصل  
 حاکمانِ وقت بھی تجھ کو سمجھتے ہیں نسیم  
 فرق یہ ہے اُن کے لب پڑا دیاں کو دل میں  
 دیر سے تیرے خیم ابرو میں ہے گرم خطاب  
 اِس دھوئیں کے سائے میں ہے حُبِ ملت کا مزار



## خریدار نہ بن

چو تک بھی خواب سے لے صیدِ بولِ غرض  
 عشق میں گودلِ بیمار ہے سب کچھ لیکن  
 بہرِ خوشنودیِ اعیار، یگانوں کو نہ چھیڑ  
 متحدِ عزم سے کرسد سکندرِ تعمیر  
 چٹکیاں باغ میں سرگرم ہیں گلچینوں کی  
 توڑ اُس جال کو جکڑے ہے جو بازو تیرے  
 اہلِ بازارِ دُناوت سے سروکار نہ رکھ  
 حامی مسئلہ اندک و بسیار نہ بن  
 عصرِ بیاب میں یوں نقشِ بدلیوار نہ بن  
 نرگسِ ارزقِ حلالاک کا بیمار نہ بن  
 اپنے ہی سر پہ جو چلتی ہے وہ تلوار نہ بن  
 باہمی جنگ سے رگرتی ہوئی دیوار نہ بن  
 چمنستانِ جہاں میں گلِ بے حسار نہ بن  
 بستہ کشمکشِ سب سے ورتار نہ بن  
 حامی مسئلہ اندک و بسیار نہ بن

پست سے پست ہو جو چیز، وہ بن جا لیکن  
 مر کے بھی جنسِ غلامی کا خریدار نہ بن

## خزیدار تو بن

اے دل! آزادی کامل کا سزاوار تو بن  
 یوں تو صبحِ رُخِ محبوب نہو گی طالع  
 پہلے اُس کا کُل پہچاں کا گرفتار تو بن  
 پہلے اے دیدہ دل! دیدہ بیدار تو بن  
 تلخیاں جھیل کے شایان لبِ بار تو بن  
 فح خود پاؤں پہ جھک جائیگی خود دار تو بن  
 پہلے پروانہ شمعِ رَسَن و دار تو بن  
 ہم نشین! خلوتی ساقی سرشار تو بن  
 عرصہ دہریں چلتی ہوئی تلوار تو بن  
 قبضہ یار میں رہنے کو اگر ہے بے چین

آشیاں خود سے بنا دیگی مشیت تیرا  
 کھیل تو آگ سے، بجلی کا خسریدار تو بن

# عربِ حکومت

اک سرنگی مُستَر وِہیار      سانس لینا بھی تھا جسے دُشوار  
 بید کو ٹیکتا چُڑٹ سُلگائے      اک طرفت جا رہا تھا سُر خُورائے  
 سامنے سے مثالِ پیلِ دِہاں      ہندکا آ رہا تھا ایک جواں  
 رشکِ آر جُن، منوئے سہراب      رُخ پر امواجِ عُنْفوانِ شَباب  
 دونوں آئے قُرب جیسے جی      ہٹ گیا ڈر کے اک طرف ہندی

خُونِ رُو، خُونِ، اے دِلِ محروم  
 دیکھ لے فرقِ حاکمِ محکوم!

## ہمت

وہ خسروانِ ایراں نوشیروانِ کسریٰ      نقشِ قدم تھے جن کے ایرانیوں کے معبد  
گر دُور پہ موجزن تھا جن کا بلند پرچم      تاروں پہ خندہ زن تھے جن کے نقوشِ مسند  
سورج پہ طعنہ زن تھے جن کی گلی کے درے      گریسی سے تھے صفِ آرا جن کے قصور گنبد  
شاہِ رضائے پایا مسند پر اُن کی قبضہ      شاہِ رضا کہ جس کے گناہ ہیں اب وجد

”بر تختِ جم کہ تاجش محرابِ آفتاب است

(حافظ)

ہمت نگر کہ مورے بآن حقارت آمد“

## زندہ مردے

کیا کہوں اہلِ ہند کی حالت      ایک عالم ہے ”دن“ اگر تو یہ رات  
خواہ کچھ ہو اثر نہیں لیتے      اس طرح میٹ چکے ہیں احساسات

یا تو یہ ”سائے“ ہیں ”یہ شکلِ بشر“

یا یہ ”مردے“ ہیں کچھ ”بہ قیدِ حیات“

لگی ہے گھات میں مُدت سے تیسری      فسرنگی کی ٹکاؤ جادو دانہ  
 عدد تیسری گرفتاری کی خاطر      ٹہپتا کر رہا ہے آب و دانہ  
 اگر جینا ہے آزادی سے تجھ کو      سنا دشمن کو بڑھکر یہ ترانہ  
 ”برو، ایں دام بر سرِ غ دگر نہ  
 کہ عفت را بلند است آشیانہ

(حافظ)

## ناخدا کہاں ہے؟

خبر لو آسودگانِ ساحل! کہ سامنے مرگِ ناگماں ہے  
 چھڑی ہوئی دیر سے لڑائی زبوں عناصر کے درمیان ہے  
 تمام دنیا عرق عرق ہے ہتھام ہستی رواں دواں ہے  
 حقیر تنکے کی طرح کشتی کبھی یہاں ہے کبھی وہاں ہے  
 کوئی خدا کے لیے بتاؤ کہ ناخدا کون ہے کہاں ہے؟

## دامِ فریب

سحر ہوتے ہی، مخمورِ شبانہ  
 کہ اے زندانی، دیرِ حرمِ اچو تک  
 تجھے رسموں سے ہو کیا رستگاری  
 ترا، صیدِ زبونِ بزمِ ہستی !  
 تجھے قطرے کا ہے اپنے پہ دھوکا  
 کہاں تک یہ سکوتِ بے لوائی؟  
 تجھے ہے موت کا ڈر، موت کیا ہو  
 ہمیشہ سے ہے زرد میں بکلیوں کی  
 کہیں ہے دھوپ سے، نادانِ ابدِ تر  
 جہاں میں کچھ نہ رہ جائیگا باقی  
 جگاتا ہے اگر سینے میں دل کو  
 کہا یوں چشمِ ساقی نے فسانہ  
 زمین سے تا فلک ہے آستانہ  
 ترا ایساں تو ہے کامرانہ  
 ورائے لامکان ہے آشیانہ  
 ٹواک دریا ہے ناپید اکرا نہ  
 کہاں تک یہ جمودِ عامیانہ  
 حقیقی زندگانی کا بہسانہ  
 شکستہ حنا طری کا آشیانہ  
 عُلّامی کی گھٹا کا شامیانہ  
 مگر ہاں ایک مَرَدوں کا فسانہ  
 تو بن تیرِ حوادث کا نشانہ

ڈراونی رات رو رہی ہو، بھرے ہوئے ہیں تمام جل تھل  
 بھنور نکالے ہوئے ہیں آنکھیں، جھکے ہوئے ہیں سیاہ بادل  
 ہوا میں شور و غل، گھٹائیں غوغا، فضا میں لرزش، زمیں پہ پل چل  
 تمام گیتی ہے پارہ پارہ، تمام گردوں دھواں دھواں ہے  
 کوئی خدا کے لیے بتاؤ کہ ناخدا کون ہے، کہاں ہے؟  
 سلام لو اے عزیز یارو! کہ اب نہیں شکلِ زندگانی  
 کہاں سنا سب معاف کر دو، بھلا دو باتیں نئی پُرانی  
 بڑھو کہ وہ جھک چلا سفینہ، اٹھو کہ آنے لگا وہ پانی  
 مبارک اے جنگِ کفر و ایماں! حیاتِ دم بھر کی یہاں ہے  
 کوئی خدا کے لیے بتاؤ کہ ناخدا کون ہے، کہاں ہے؟

غضب کے گرداب پڑ رہے ہیں، غظیم طوفان زور پر ہو  
 بلا کی پُر دانی چیل رہی ہے، جلال میں رُوحِ بحر و بر ہو  
 تھپیڑے کھاتا ہوا سفینہ کبھی ادھر ہے کبھی اُدھر ہو  
 ہوا اٹھائے ہوئے ہے طوفان، گھٹا نکالے ہوئے زباں ہو  
 کوئی خدا کے لئے بتاؤ کہ نا خدا کون ہے کہاں ہے؟  
 ہواؤں کی سنسنائیں ہیں، سیاہ موجوں کے ہیں تھپیڑے  
 ہر اک بھنور میں ہے وہ تلاطم کہ غرق کر دے ہزار بیڑے  
 بلایں سیلاب کے طمانچے، غضب ہیں طوفان کے ڈریڑے  
 کر دک کی زیرنگیں زیریں ہے، گرج کے قبضے میں آسماں ہے  
 کوئی خدا کے لیے بتاؤ کہ نا خدا کون ہے، کہاں ہے؟  
 بھرا ہوا غیظ میں سمندر نص کی جانب ہمک رہا ہے  
 گرج، کر دک ہے، کر دک چمک ہے، چمک ہوا ہو، ہوا گھٹا ہے  
 جہن جہن ہے گھڑ گھڑ رہے۔ گمن گمن ہے، دنا دنا ہے  
 فلک کے ہونٹوں پر الحمد ہے، زمین کے لب پر الاماں ہے  
 کوئی خدا کے لیے بتاؤ کہ نا خدا کون ہے کہاں ہے؟



چُپکے چُپکے سانس لینے سے گھٹا جاتا ہے دم رکھ رہا ہوں بولنے دڑوں پہ رُک رُک کر قدم

عبرت و دہشت کا خنجر ہے دل غمناک پر

ہاے یہ بے دم پڑا ہے کون ٹھنڈی خاک

آہ اے بے کس ضعیف! عزم کی تڑپاکی ہوئی لے زمانے کی چھینٹوڑی، زر کی ٹھکرائی ہوئی

میرے دل کے آئینے کو کر رہا ہے چور چور تیرے سر پر رہزور کی شمع کا ہلکا سا نور

یہ ترے سر کی سفیدی، اور یہ گرد ملاں میں تو کیا، شمار ہا ہے خود خداے دہ الجلال

بھوک کے لشکر کا ہے رخ پر ترے گرد و غبار عہدِ رزاقی کے ماتھے پر عسرق ہے آشکار

تیرے بچے، تیرے گردوں کے ستارے کیا ہوئے؟ اے ضعیف! تیری پیری کے سہارے کیا ہوئے

آہ اے دکھیا! یہ کیسی پائمالی ہو گئی ٹھو کریں کھانے کو تیری گود خالی، ہو گئی

سورہا ہے تیرا وارث کس طرف پتے کفن؟ دفن ہے کس دیس میں تیرا عروسی، بانیکن؟

بزمِ عشرت میں دُھن کس نے بنایا تھا تجھے؟ بیاہ کر کون اپنے گھر میں آہ لایا تھا تجھے؟

خونِ رخ پر دوڑتا ہوگا تری آواز سے تجکو پالا ہوگا تیری ماں نے کس کس ناز سے

ڈالتی ہوگی تجھے ہنلا دھلا کر سر میں تیل باپ کا دل کھینچتا ہوگا تری گڑیوں کا کھیل

یاس کی تاشیر کیوں چہرے پہ دُونی ہو گئی ماٹیکا ویراں ہوا، سسٹراں سونی ہو گئی

چاہنے والے ترے سب تریوں میں سو گئے کھیلتی تھی جن گھنے بانگوں میں وہ کیا ہو گئے

## ضعیفہ

اک ضعیفہ راستے میں سو رہی ہے خاک پر  
 اور کس موسم میں، جب طاعون ہے پھیلا ہوا  
 رات آدھی آپکی ہے، بام و درخاموش ہیں  
 اس قیامت کی ہے طاری ظلمتِ ہول آفریں  
 پیچھے پیچھے آ رہا ہے کون؟ یہ کیا بات ہے؟  
 حلقہِ ظلمت میں ہے راہوں کی سہمی روشنی  
 لرزہ بر اندام ہے صحنِ زمیں کا عرض و طول  
 آ رہی ہیں آسمان سے یہ صدائیں دمبدم  
 بام و در پر موت کا پرچم ہے ہسرایا ہوا  
 رونگٹے سارے کھڑے ہیں، سانس لینا ہو وبال  
 اُف لرزتی خوفناک آواز چو کسیدار، کی

مُردنی چھائی ہوئی ہے چہرہ غمناک پر  
 ذرہ ذرہ ہے وبا کے خوف سے سسٹا ہوا  
 اہلِ دولتِ لیلیٰ عشرت سے ہم آغوش ہیں  
 شب کے دل میں صبح کا گویا تقوٰتک نہیں  
 بچ رہے ہیں کان، اُن کیسی بھیا تک رات ہے  
 یا چمکتی ہیں گھنٹی جھاڑی سے آنکھیں شیر کی  
 ہو رہا ہے خاک پر ناپاک رُوحوں کا نزول  
 دیکھ اسبابِ ہلاکت پر نہ پڑ جائے قدم  
 آ رہی ہے ہر قدم پر بونے انفاسِ دِبا  
 الاماں شورِ سگانِ راہ و غوغائے شغال  
 نبض چھوٹی جا رہی ہے گت بند دوا کی

سینم ویا قوت سے شعلے بھڑک اُٹھنے کو ہیں سرخ دیناروں میں انگارے دہک اُٹھنے کو ہیں  
 فرش گل والو! زمیں پر لوگ محو خواب ہیں  
 خرمینوں کے پاس بآوازِ بجلیاں بیتاب ہیں !!

## بُوابِ عجیبی

کُل مُنہ اندھیرے صُبح کو تالاب کے قریب  
 مَس ہو رہی تھی قلب و جگر سے خنک نسیم  
 جھونکے تھے اضطراب کا پہلو لیے ہوئے  
 تھی مذوجہ زِ آب کے اندر چھڑی ہوئی  
 یاد آ رہا تھا دل کو خسیم کا کل حبیب  
 بو جھل سی تھی ترائی کی بھیسگی ہوئی شسیم  
 مَرطوب و نرم دُوب کی خوشبو لیے ہوئے  
 ٹھنڈی ہوا کے توند تھپیڑوں کی راگنی  
 افسانہ کہ رہا تھا شبِ تارِ بحر کا  
 دھندلی بلندیوں پہ گھٹاؤں کا تھا دھواں  
 نظروں سے اُس طرٹ کا کنارِ چھپا ہوا  
 گردوں سے آ رہی تھیں دبے پاؤں بوندیاں

چھایا ہوا تھا صُبح کے ماتھے پہ رنگِ شام  
 اتنے میں اک کسان نے جھک کر کیا سلام

آف ری مایوسی کسی کا آسرا رکھتی نہیں مشبہ ہوتا ہے کہ تو شاید خدا رکھتی نہیں

تو کہاں کی رہنے والی ہے، ترا کیا نام ہے

بول، تو کس دل نشین آغاز کا انجام ہے

ہمت میں انسانیت کا درد ہی باقی نہیں درد ہو کس طرح، کوئی مرد ہی باقی نہیں

مرد ہی ہوتے تو کرتے بے کسوں کا احترام مرد ہی ہوتے تو رہ سکتے تھے یوں بنکر غلام

خدمتِ اغیار سے فرصت کوئی پائیں

سچ ہے اپنوں پر عملاموں کو ترس آتا نہیں

اے ضعیفہ! انگ ہے تو ملکِ دولت کے لیے تو ہے اک وصیبِ جبینِ اہلِ دول کے لیے

اک کھلی ذلت ہے ادیانِ دہل کے واسطے طوق ہے لعنت کا تو اہلِ دول کے واسطے

تو عیدِ قہر ہے اربابِ عشرت کے لئے برص کا اک داغ ہے روئے حکومت کے لئے

مجھ کو حیرت ہے کہ تجھ کو دیکھ کر زار و نزار گرہ نہیں جاتے جیسے حاکمانِ دی و قار

دیکھ کر تیرا دھلا مسکنا نہیں ہوتا ہے چور گردنوں کے خم کو سختی بخشنے والا عسودر

پڑ نہیں جاتے ابھی! سینہ دولت میں داغ بچھ نہیں جاتے شہستانِ امارت کے چراغ

اپنی تابِ زر سے اے سرمایہ دار وہ ہوشیار

اپنے تاجوں کی چمک سے تاجدار وہ ہوشیار

# پیرزن

اک مشن اسکول کی لیڈی بصد انداز و ناز  
پھر رہی ہے لڑکیوں کی صف میں بل کھاتی ہوئی  
کچھ خبر بھی ہے تجھے ناواقف لیل و نہار  
لنگھیاں کی جا رہی ہیں کاکل شبگیر میں  
واں سلجھتے جا رہے ہیں گیسوئے غنیمت کن  
کام سے جس وقت یہ مشاطہ فرصت پائیگی  
اسکا جوڑا ایک بانہی، اسکی لنگھی ایک جال  
اس کے ہاتھوں گندہ رہی ہیں جس قدر بھی چٹیاں  
لہر کھا کر بھانسنیوں میں چھو جائیں گے گل  
مادرانِ دور مستقبل نہو جائیں شکار  
اس مشن اسکول کی ڈائن سے یار دہو شیار

یاد طوفانی ہولے سرو و بن کر آتی ہے

پیرزن سر ہاد کی ہمدرد بن کر آئی ہے

جس گے ہوئے لطیف خیالات سُو گئے  
 کابینی نگاہ، رو گئے سب جھن سے ہو گئے  
 مز دور اور خُفّہ دلوں کو کرے سلام !  
 شاہ، اور گدائے راہ نشیں کو کہے امام !  
 قوت کا اور ضعف کے دہر پر سہر نیاز  
 صحت اٹھائے اُونگھتی بیماریوں کے ناز  
 اُوچھی زمیں کے سامنے چرخ بریں بھکے  
 فاقے کے آستان پہ غذا کی جبین بھکے  
 بیچارگی کے ساتھ بھکائے کریم سر  
 معرور بھیک مانگنے والوں کو دیکھ کر  
 پودوں کے ڈر سے مالک گلشن ہو بے قرار  
 دند مکھٹھائے شاہ گدائے حقیر کا  
 عقل سیاہ کار کی عزت کرے جنوں  
 ناطاقتی ہو کُشدِ رطافت میں شہریار  
 مردانِ کوہِ دشت و دلیرانِ تند خو  
 ریشے کو اور برق بنائے سپاہدار  
 عاجز ہوں دخترانِ تمدن کے روبرو

بارِ خُدا ! ”یقین“ ہو مشربانِ ”گمان“ پر

لعلت ہو اس زمین پر، لطف آسمان پر

حیف اے ہندوستان، صہیف اے ہندوستان!  
 رعبِ تیموری کہاں جا کر دیں بجکوتا کش؟ عزمِ گردانِ مہا بھارت تجھے دھونڈ دے کہاں؟  
 حیف اے ہندوستان، صہیف اے ہندوستان!

## بھوکا ہندوستان

ایک مفلس کے مکاں میں کل ہوا میرا گزر  
 تختِ اینٹوں کی کبھی بیشی سے ناہموار تھا  
 تیرہمت گھر کا مالک پائمالِ صد جنوں  
 سر و پشانی پر تھا چھپا یا ہوا دل کا دھواں  
 اُس کی ہستی فقر سے تھی اس قدر نامعتبر  
 تھا وہ یوں افلاس کے ہاتھوں گرفتارِ قلق  
 تھا وہ اُس منزل میں جب رہی نہیں پہرِ آب  
 فاقہ کش انسان جب ہوتا ہے یوں زیرِ وزر  
 خاک پر بیٹھا تھا بچہ، اور بیوی تخت پر  
 وزنِ اک نازک سخی عورت کا بھی جن ببار تھا  
 بوریے پر اک طرف بیٹھا ہوا تھا سزنگون  
 جس میں غلطاں تھیں شرافت کی سبک چکاریاں  
 مارتے تھے قہقہے جہتِ سال جس کے علم پر  
 ہر سبک سر کو تھا جس پر معرضِ ہونے کا حق  
 مانتا ہے شیب کے دعوے جب انسان کا شباب  
 جھینپا ہے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر

# حیف اے ہندوستان!

غیر کی خدمت گزاری، باہمی خونریزیاں دوپہر کی دھوپ سر پہ، اور یہ خواب گراں

حیف اے ہندوستان صد حیف اے ہندوستان!

بے زوروں کی ڈوبتی آسمکھوں میں قاتلوں کے نقوش اہل دولت کی جبینوں پر شفات کے نشان

حیف اے ہندوستان صد حیف اے ہندوستان!

قائدان قوم و مکروہاتِ حُبِّ مال و زر شاعرانِ ملک و مفروضاتِ سودائے بُتاں

حیف اے ہندوستان صد حیف اے ہندوستان!

گوسفندوں کی سیادت میں ہوشیروں کی کچھار بوم کے زیرِ نگیں شہ باز کا ہوا آشاں

حیف اے ہندوستان صد حیف اے ہندوستان!

ابر بن بن کر بستی ہیں خبر بھی ہے تجھے؟ گلشنِ اعدا پہ تیسری باہمی خونریزیاں

حیف اے ہندوستان صد حیف اے ہندوستان!

عورتیں تاک دشمنوں کی موت سے ڈرتی نہیں آہ اے بیگانہ ذوقِ حیاتِ جاودواں



جس طرف اُس کا لڑکپن بھول کر جاتا تھا  
 جو مکان کل نغمہ خُدام سے پر جوش تھا  
 پوچھتا جاتا تھا لیکن ،، خیر سے تو ہیں مکیں  
 طاق پر رکھا ہوا تھا ایک سویا سا چراغ  
 تیل بہنے کا نشان دیوار پر اصلانہ تھا  
 اس حقیقت کو سمجھ سکتے نہیں اہلِ سرائے  
 سرد چوٹے کے قریب اُڑتا ہوا بھیکا غبار  
 جا بجا سے پڑیاں دیوار کی جھڑی ہوئی  
 ایک گوشے میں تھا بستر کے عوض تھوڑا پیال  
 شال کے ہزار میں خواہیدہ سونقش و نگار  
 بچہ بہلا سا ہوا تھا خاک کے اک ڈھیر سے

عہدِ طفلی میں جدِ صریہ کھیلنے پاتا نہ تھا  
 آج آقا کو بیٹے آغوش میں خاموش تھا  
 مجھ میں اک مدت سے کوئی ہمت نہ گونجا نہیں  
 طاق کے نیچے تھے کڑے تیل کو دو ایک داغ  
 ایک دن بھی وہ دیا شاید کبھی چھلکا نہ تھا  
 ادِ نطرت کو بڑھا دیتا ہے مفلس کا چراغ  
 آگنی پر جب کپڑے اور وہ بھی تار تار  
 دھنیاں گنتی کی تھیں، اُن میں بھی کچھ ٹوٹی ہوئی  
 جس پر دو ٹکڑے درمی کے، اور اک صد پاشال  
 عہدِ ماضی کی یہی لے دے کے تھی اک یادگار  
 ماں ڈوپٹہ سی رہی تھی سر جھکا کے دیر سے

کھیلنے میں طفلِ گلِ نام تھا ڈوبا ہوا

آئی اتنے میں گلی سے آم والے کی صدا

کانپتی آئی صدا، پہلے لگا بچے کا دل  
 سانس لی یوں جیسے رکھی ہو کوئی بھاتی پہل  
 ہو گئی اگلی صدوں کی یاد سے دُنیا سیاہ  
 ماں کے چہرے کی طرف ڈالی جھپکتی سی نگاہ

جب سُبک ہوتا ہے اس درجہ محبت کا نیاز  
جب کوئی عزت سے پیش آتا ہی، تو مردِ حیز  
زندگی جس وقت ہو جاتی ہے اتنی پائمال  
دل میں جب احساسِ رحمت کا نہیں ہوتا ہوگا  
جب زیون و خستہ جاں انسان کا ذوقِ وفا  
زندگی ہوتی ہے جب اس درجہ عبرت آفریں  
جب خُزف معلوم ہوتے ہیں خود اپنے ہی گھر  
سُخ پہ جب ہوتے ہیں ایسی خستہ حالی کے نشان  
اُس مصیبت سے تھی اُس کی زندگی زیرِ زبر  
اُس کے سر پر تھا تہیدِ ستی کا وہ بارگراں

مُفلسی کے اُس کنارے پر تھا وہ گرمِ خرام

ترک کر دیتا ہے بیٹا، باپ کا جب احترام

الغرض چھائی ہوئی تھی یاں سفت و بام پہ  
گھر تھا یا اک کارِ دال بھٹکا ہوا، کھو یا ہوا  
یہ مکان اک تضرعِ عالی کا تھا اک ایسا مقام  
روحِ تھرا نے لگی مسیری یہ منظر دیکھ کر  
خفتہ تھی قسمتِ مکینوں کی، مکان سویلا ہوا  
تھا جہاں کل اُس کے آبا کے غلاموں کا قیام

ان سے کہ دے، تاکہ بربادیاں؟ آباد ہو

یا گلے خود کاٹ کر مر جاؤ، یا آزاد ہو

آہ اے ہندوستان! لے کشور زار و نزار تیرے بچے بھی بکلتے ہیں، جواں بھی بے قرار  
تیرے مردوں کا کفن تک لے گئے چالاک چور شق ہو اسے تاریک جیتے جاگتے مردوں کی گورا  
تیرے اوپر آکے ٹہرا ہے ٹھگوں کا فٹان فلا جھوم کر، پیٹ، لے بھیا نک دیو! پیٹ اپنی بلا  
اے بھڑکتی آگ! ٹھنڈی راکھ کی تہ سے نیکل اے رگِ غیرت! ابھراے خون کے چشمے! اہل  
گردنیں طوقِ غلامی سے ہوئی حباتی ہیں کچ اے کڑکتی برقِ اگر، لے جھومتے بادل! اگر کج

تاکجا یہ خواب؟ اے ہندوستان! آہوش میں

آج بھی ہیں سیکڑوں ارجن ترے آغوش میں

آہی ہے کب سے رہ رہ کر صدائے انقلاب زندہ ہے، تو لے وطن! دیتا نہیں پھر کیوں خواب؟  
زندہ ہے، تو میری ہمت کو پر پرواز دے دہم ہوتا ہے مجھے، آواز دے، آواز دے!!

یہ اجل کی بے حسی ہے، یا فقط خواب گراں؟

بول لے ہندوستان! ہندوستان!! ہندوستان!!!

ماں کی نظریں اٹھ گئیں اٹھ کر پھریں، پھر کر بھکیں  
 دیکھ کر ماں کی اُداسی ہو گئی پامال یا بس  
 ہونٹ کاٹنے خود بخود، اور رہ گئے پھر کانپ کے  
 راستے میں آگئی دیوارِ نالے چسڑہ گئے  
 چھٹا گیا چہرے پہ سناٹا دلِ ناکام کا  
 چہرہ مڑھایا، نفس بوجھل سا کچھ ہونے لگا  
 ”ہاے میرے لال! میرے پاس تو کچھ بھی نہیں“  
 آنکھوں میں آم کی سُرخ، تخیل میں مٹھاس  
 دل میں پھر چھپنے لگے اگلی صدیوں کے تجربے  
 مُٹھ میں عترائی زباں، الفاظ آگے بڑھ گئے  
 ”اشک“ بن کر آنکھ سے ٹپکا ”تصور“ آم کا  
 دل کے سناٹے میں بچن کھو گیا، سونے لگا

بنم جاں ماں باپ کی نظروں کے خطِ پلنے لگے

باپ کا سر، اور دکھیا ماں کے لبِ پلنے لگے!!

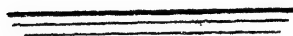
آہ اے ہندوستان! اے مفلسوں کی سرزمین  
 آہ اک دل بھی ترے افلاس پر بلتا نہیں  
 حست و مسلم نہیں اٹھتے تری امداد پر  
 ہاے کیا کرنا تھا ان کو، اور کیا کرتے ہیں یہ  
 اس طرف ہے خوبی قسمت سے باجا اور گائے  
 ناخلف بچے تری جانبِ نظر مارتے نہیں  
 سخت ہو جاتی ہے اس سے ہر کڑی زنجیر کی  
 اس کڑے پر کوئی تیسرا پوچھنے والا نہیں  
 اب تو اک روٹی کا ٹکڑا بھی کھجے ملتا نہیں  
 نفٹ ہے ایسی بے حمیت ناخلف اولاد پر  
 گائے اور بابے پہ لڑنے کے لیے مڑتے ہیں یہ  
 اس طرف افلاس کے مائے ہوؤں کی پلنے لگے  
 ان کو جس میدان میں مرنا چاہئے، مرتے نہیں  
 مار کر اپنوں کو مرنا موت ہے خنزیر کی

## پیاسی تندی

اے برادرِ اپیل پہ جب گنگا کے آجاتی ہو ریل  
 قوم کی آنکھوں سے جاری ہیں لہو کی ندیاں  
 کیوں نہیں کرتا ہے تو اس خون کی ندی کا پاس  
 ڈوب کر گنگا میں اک پیسہ ابھر سکتا نہیں  
 کار آمد ہے جو آبِ زندگانی کی طرح  
 دیکھ کر تیری یہ نادانی، یہ کارِ ناصواب  
 بازوے زرِ اناحدائی کے لئے طیار ہو  
 ڈوبنے والی ہے کشتی قوم کی، شیا یہو

کی گئی ناوقتِ مشربانی تو پھر کیا فائدہ

سرسے اُدنچا ہو گیا پانی تو پھر کیا فائدہ



# بہتے ہوئے خون کی برادری

مُردہ باد اے ایشیا! لے سرزمینِ ہندوستان  
 مُردہ باد اے سرزمینِ ہند لے جنتِ سواد  
 آگئی وہ ساعتِ بیداری ہندوستان  
 تیرے دروں پر پہیگا ہندو و مسلم کا خون  
 میان سے باہر نکلنے ہی یہ ہی تیغِ فساد  
 لیکن اس سے تو ہر سال ہونہ لے ارضِ مراد  
 رشتہ کٹ جاتا ہے بہتے خونِ سیاہی کا  
 یاد رکھو جذبہ غیرت میں جوش آجائے گا  
 خون بہا تو ہندو و مسلم کو ہوش آجائے گا  
 خانہ جنگی غلِ صحت ہے علیلِ اقوام کا

غنیچہ اُسیدار بابِ وطن کھیل جائیگا  
 خاک پر بہتے ہی دونوں کا لہو مل جائیگا

”سفید ہو گئیں آنکھیں، اکڑ چلا ہے بدن“ ”گلے میں سانس ہے، ڈھلے ہی پر ہے اب گردن“  
 ”حلال خور ہے کیا اپنی حبان کا دشمن“ ”اسے گھسیٹ کے گھوڑے پہ ڈال دے فوراً“  
 ”جہاں نیاہ غضب ناک ہو نہ جائیں کہیں“

”جگاہیں شاہ کی ناپاک ہو نہ جائیں کہیں“

”جگل مجب، وہ سواری شہر یار آئی خزاں کی رات گئی، صبح نوہا ر آئی  
 خدا کا شکر کہ پھر بادِ مشکبار آئی“ ”ادب کے ساتھ“ کی آوار بار بار آئی

فلک نے جان لیا، اور زمین مان گئی

کسی کی آئی سواری، کسی کی حبان گئی



## بادشاہ کی سواری

بڑے جمائے ادب سے کھڑے تھے ہیں سوار      سڑک پہ عجب ہے جنبش میں ہیں درو دیوار  
چلے تو کیسے چلے نبض کو چپہ و بازار      اُبل رہا ہے تحکم، برس رہا ہے وقار

زمین پہ چرخ سے تنویر ماہ آتی ہے

ہٹو بچو کہ سواری شاہ آتی ہے

سڑک سے بند، پڑا ہے رُکا ہوا ہر کام      نہ جانے کتنے گھروں میں بپا ہو اک کھرام  
ہٹا رہے ہیں غریبوں کو سلطنت کے غلام      برس رہے ہیں جو کوڑے تو گر رہے ہیں عوام

سواری شہِ گردوں و قار آتی ہے

نوبہِ رحمت پروردگار آتی ہے

”ارے یہ سوڑ پہ تورا کے کون شخص گراؤ“      ”حضور! ساٹھ برس کی مریض اک بڑھیا“

”اسے ہٹاؤ یہاں سے، یہ ہے شگون بُرا“      لیون پہ جان ہے، چلتا ہی سانس کا ڈورا  
اسے ہٹاؤ کہ اس کا اثر بڑا ہوگا      جبین شاہ پر بل پڑ گئے تو کیا ہوگا



ہو چکا ہے افسرِ باکے ہاتھ سے پا مال دیکھ      دُور کیوں جاتا ہے، اپنے باپ ہی کا حال دیکھ  
 دیکھ، کیونکر میرے دل کو پارہ پارہ کر دیا      مہر کو کچھ اس طرح توڑا کہ تارا کر دیا  
 لیکن اس پلچل میں، ہو جاتا ہے جس سی جی ٹیڈ حال

عزت دیرینہ اجداد کا رکھنا خیال      صاحبِ سیف و قلم بننا خدا کے واسطے  
 ہر نفس طیار رہنا ہر بلا کے واسطے      زورِ علم و قوت بازو سے شان کر دگار  
 ”نصف“ ہے روزِ ازل سے پتہ بخنی کا شکار      ناتوانی کھنسر ہے نوعِ بشر کے واسطے  
 دل ہے تسخیرِ قوائے بحر و بر کے واسطے      قبر میں رُوحِ پدر کو شاد کرنے کے لئے  
 سر کُنا ناصند کو آزاد کرنے کے لئے

ہاں تو میں تجھے یہ کہتا تھا کہ لے جان پدر!      جب مرا ہو جائے گا اس دارِ فانی سے سفر  
 رونے والوں کو مرے مرنے پر آجائے گا بہر      شہر سے باہر کسی گوشے میں ہوگی میری قبر  
 فوج ہو جائیگی دل سے کلفتِ مرگ پدر      وقت کے مرہم سے بھر جائیگا یہ زخمِ جگر  
 ہوں، جو ہونگے دل نشیں منتظر، ترانے بے بدل      ثبت ہوگی میری چشم و گوش پر ہر اجل  
 ہونگی طالع کس قدر صبحیں براغندہ نقاب      میں نہ دیکھوں گا مگر تا حشر بیداری کا خواب  
 چاند اوجِ آسماں سے نور جب برسائے گا      ساحلِ گلِ ریز پر محب کو نہ لیکن پائے گا

# سجاد سے

”اگر پدر نتواند، پس تمام کند“

اے مری آنکھوں کے تارے اومے نعتِ جگر  
لیکن اے نورِ نظر، یہ دورِ مٹ جانے کو ہے  
یہ زمانہ طور سے بے طور ہو جانے کا کل  
اس ورق کو جب الٹ دیگی ہولے انقلاب  
میرے مرتے ہی چلے گی وہ قیامت کی ہوا  
گو، خدا کا شکر ہے، بھائی کوئی تیرا نہیں  
پھر بھی نونی اقربا کے صید ہوتے ہیں یتیم  
لطف کے پردے میں کرتے ہیں نگانے با آسمان  
جو چھڑکتے ہیں پسینے پر ترے خونِ جگر  
باپ کے مرتے ہی ہو جاتی ہے دنیا خشکیں  
ہنس، کتبے دم سے ہے فردوسِ آغوشِ پدر  
زندگی میں ایک دور تلخ بھی آنے کو ہے  
یہ زمیں، یہ آسمان، کچھ اور ہو جائیگا کل  
مجھ پہ یعنی بند ہو جائیگا جب ہستی کا باب  
بھیر لینگے تجھے مٹھ، مظالمِ عزیز و اقربا  
تجھ کو ”مادرِ زاد“ دشمن کا کوئی کھٹکا نہیں  
بیکسوں کی آہ ہے اُن کے لیے موجِ نسیم  
مہر کی نظریں، یتیموں کے لیے بنتی ہیں جال  
کل پسینہ بھی نہ ٹپکائیں گے تیرے خون پر  
اس تلام میں زمیں برسوں جگہ دیتی نہیں

# کہاں تک؟

آشفۂ سری اے دل ناکام کہاں تک؟  
 دارائی اسلاف پہ تاجِ پند یہ ماتم؟  
 اس وغرغہ گردشِ افلاک سے حاصل؟  
 پردانہ صفت جھونک بھی دے آگ میں خود کو  
 اے رہبرِ گمراہ! یہ غداریاں تاجِ پند؟  
 اٹھ رعد کے آغوش میں ہے نغمہ شیریں  
 آضرِ صر و سیلاب میں ہے رُوحِ شبستان  
 جو دوڑ میں پیچھے تھے بہت بڑھ گئے آگے  
 گردوں پہ صرفیوں نے بنائے ہیں نشیمن  
 ہمت ہے تو مطلوب سے خود کیوں نہیں ملتا  
 ہاں دیکھ صرفیوں کے پھلکے ہوئے ساغر  
 یہ شکوے بے ہرئی ایام کہاں تک؟  
 انجمِ تنعم پہ یہ کہرام کہاں تک؟  
 یہ دسوسہ فتنہ ایام کہاں تک؟  
 آغاز میں اندیشہ انجام کہاں تک؟  
 اونگ زمانہ! ہوس نام کہاں تک؟  
 یہ سازِ طرب کی ہوسِ خام کہاں تک؟  
 یہ ذوقِ شبِ ماہ و لبِ جام کہاں تک؟  
 اے بائے طلبِ ارشہ اوہام کہاں تک؟  
 اے پستِ نظر! سیرِ لبِ بام کہاں تک؟  
 یہ سلسلہ نامہ و پینام کہاں تک؟  
 اے تشنہ دہاں! دُرِ و تہ جام کہاں تک؟

بدلیاں برسات کی کیا کیا نہوگی بے قرار - میرے اُجڑے باغ میں لیکن نہ آئے گی بہار  
جائے گا آوازہ میری شاعری کا دُور دور - خاک کے پتھر سے ہوگا نطق سیرا چور چور

یوں تو آتا ہے نہ اس دل میں تلاطم آئے گا

قبر پر تو آئے، تو لب پر تبسم آئے گا

لیکن اے جانِ پدر! دنیا ہے وہ مضبوط جال - آدمی کا جس کے پھندوں سے نکلنا ہے محال  
تو نے ماحول میں اُس دقت ہو گا غالباً - اور نئے احباب سے معمور ہوگی انجمن!  
ہو سکیگی یاد بھی میری نہ مجھو لے سے فحل - کارِ ہستی میں ترا اس طرح لگ جائیگا دل  
عہدِ پارینہ کو انساں وقت دے سکتا نہیں - آدمی اس کشمکش میں سانس لے سکتا نہیں  
پھر بھی اس طوفان میں اے جوش کی کج رزاں - مادرِ دخواہر کی خدمت کو سمجھنا حرزِ جان  
اور اس کے بعد، اے جانِ تمنا تے پدر! - چند لمحوں کی بھی فرصت دے تجھے دُنیا اگر  
باپ کی سوتی ہوئی قیمت جگکانے کے لئے - قبر پر دو ٹھیل لے آنا چڑھانے کے لئے

باغِ ہستی کے، نہ وہ باغِ جناں کے پھول ہوں

مُردہ آزادیِ صند و سستاں کے پھول ہوں!

## قَطُّ الرِّجَالِ

کوئی جا کر یہ کہہ دے افسرِ مردم شماری سے  
عجب کیا ہے کہ میسرِ غنچہ خاطر بھی کھل جائے  
کہ از راہِ کرم مجھ نہیم جاں کو بھی خبر کر دیں  
اگر اس کوچہ گردی میں کوئی ”انسانِ مل“ جائے

## دھمکی

تو نے شاعر سے یہہ اے غاصبِ حکومت کیا کہا؟  
”تو نہ مانے گا مجھے تو قتل کر دوں گی تجھے“  
قتل سے ڈر جاؤں گا، اتنا سمجھتی ہے ذلیل  
جا، اور ایسی سُوقیانہ قسم کی دھمکی نہ دے

کیوں قوتِ پرداز پر ایساں نہیں لانا اے مرغِ قفس! نالہ تہ دام کہاں تک؟  
خود خوشہ انگور پنوڑا نہیں جاتا اغیار سے دریوزہ یک جام کہاں تک؟

ہاں خود دوزخ بھی تو ہے اسلام کا زیور  
پہنے کا فقط جہانہ احرام کہاں تک

## نغمہ قفس

آگ ہے لہجہ طائرِ آزاد خاک ہے طائرِ قفس کی لئے  
ہم صغیر و بگئے کی ساخت کو بھی کیا اسیری بگاڑ دیتی ہے؟

## انتباہ

ڈرو اس وقت سے لے دشمنانِ امنِ آسائش بنالیں جب حکمِ خوں ریز تاواروں کو ہم اپنی  
کہ ان کا فیصلہ کچھ اس قدر دھوکا ہوتا ہے کہ دھوکڑوں میں قدرہ بھر کر بیٹھی نہیں ہوتی

(دامخوذ از عربی شاعری)

جی ہوئی ہے دماغوں پہ برفِ مدت سے      دلوں میں دولتِ برق و شرار پیدا کر  
نذاقِ بندگیِ عصرِ نو کی تجھ کو قسم      نئے مزاج کا پروردگار پیدا کر

بہار میں تو زمیں سے بہار اُبلتی ہے

جو مرد ہے تو خزاں میں بہار پیدا کر

## مردِ انقلاب کی آواز

اگر انسان ہوں، دنیا کو حیراں کر کے چھوڑوں گا

میں ہر ناچیز ذرے کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا

ترے اس زُلف کی سوگند، اے لپٹائے رنگینی

کہ ارضِ خار و خس کو سُنبلستاں کر کے چھوڑوں گا

وہ پہناںِ قوتیں جو ل کے زکِ دیتی ہیں دنیا کو

اُنھیں آپس ہی میں دستِ دِگریاں کر کے چھوڑوں گا

تیرے تقلید کو مغزِ تفکر سے چلا دے کر

چراغِ مردہ کو ہر درخشاں کر کے چھوڑوں گا

# پیدا کر

اٹھ اور زمیں پہ نیا لالہ زار پیدا کر  
 عقولِ مردہ و مرطوبِ نوعِ انساں میں  
 زباں کی بزم میں گل کاریوں سے کیا حاصل  
 رہے نہ نسلِ جہنم، نہ آلِ خُسلدِ بریں  
 نیا نظامِ سزا و جزا مقرر ہو  
 ضمیرِ اہلِ مناجات کے تعطل میں  
 نظامِ کھنہ نیلی رواق، وہم و فسریب  
 غلط ہے سازِ عجم ہو کہ لحنِ اعرابی  
 بہت بلند ہے سطحِ مذاقِ فکریِ حبید  
 فسرہ گامی اہلِ جہاں کے حلقے میں  
 کلاہِ خواجگی کا یُنات کج کر کے  
 الہ دہر ہے تو، یہ فُردگی تاچند  
 نہ آئی ہو جو کبھی وہ پہاڑ پیدا کر  
 شرار و شعلہ و دُود و دُجھا پیدا کر  
 عمل کی راہ میں گرد و غبار پیدا کر  
 نئے اصول کے مردان کا رپیدا کر  
 نیا تخیلِ روزِ بشمار پیدا کر  
 خروشِ جذبہ تکمیل کا رپیدا کر  
 نیا تصویرِ لیل و نہار پیدا کر  
 نیا ترانہ سر شاخسار پیدا کر  
 نظر میں اوجِ سر کوہسار پیدا کر  
 جواں خرمائی ابر پہاڑ پیدا کر  
 نیا زمانہ، نیا روزگار پیدا کر  
 ہر ایک خار سے سولالہ زار پیدا کر



جو کچھ کہہ دوں گا اُس کو دین و ایماں کر کے چھوڑ دوں گا  
 مری حکمت، بشر کو دعوتِ نودے کے دم لگی  
 میں اس بھٹکے ہوئے انسان کو انسان کر کے چھوڑ دوں گا  
 اگر یہ کُفر ہے جو کچھ زباں پر سیری جا رہی ہے  
 تو میں اس کفر کو گلابِ عرفاں کر کے چھوڑ دوں گا  
 اگر عصیاں ہی پر موقوف ہے انسان کی بیداری  
 تو میں دنیا کو غرقِ بحرِ عصیاں کر کے چھوڑ دوں گا



شہرِ تازہ کو بخشوں گا آب و رنگِ جمعیت  
 رسومِ کہنہ کی محفل کو ویراں کر کے چھوڑوں گا  
 چراغِ اجتہادِ نو بہ نو کی جلوہ ریزی سے  
 سرِ راہِ خردمند ہی چراغاں کر کے چھوڑوں گا  
 مسلط ہیں ازل کے روزے جو ابنِ آدم پر  
 میں اُن اوہام کو سرورِ گریباں کر کے چھوڑوں گا  
 ترے اس پیچِ خُسم کھاتے دھویں کو شمعِ حقِ مبینی  
 فرازِ عقل پر ابرِ خسراں کر کے چھوڑوں گا  
 جو انساں آج سنگ و خشت کو معبود کہتا ہے  
 اُس انساں کو اُلُوہیتِ بدماں کر کے چھوڑوں گا  
 قناعت جس نے کر لی ہے عناصر کی عسلا می پر  
 میں اُس کو کر دگا رہ باد و باراں کر کے چھوڑوں گا  
 قسم کھاتا ہوں اے کوہِ اَلَم! دستِ زلیخا کی  
 کہ داماں کو ترے یوسفِ کاماں کر کے چھوڑوں گا  
 پکاروں گا کلیم نو کو طویرِ عصرِ حاضر سے

# غرورِ ادب

میرے جلسے سے اٹھ آنے پر خفا ہے منشی؟      شاعروں کی فطرتِ عالی سے تو واقف نہیں  
جو ہر ذاتی کا جب افسردہ ہوتا ہو وقار      کفر سے بدتر ہے اُس موقع پہ وضعِ انکسار  
ناشناسا ادب بھولے ہوئے ہوں جب شعور      اُن مواقع پر عبادت کے برابر ہے غرور  
دل ہمارا جذبہ غیرت کو کھوسکتا نہیں      ہم کسی کے سامنے جھک جائیں ہو کتنا نہیں  
راہِ خودداری سے مر کر بھی بھٹک سکتے ہیں      ٹوٹ تو سکتے ہیں ہم لیکن لچک سکتے نہیں  
حشر میں بھی خسروانہ شان سے جائیگے ہم      اور اگر پریش نہ ہوگی تو پکٹ آئیں گے ہم

اہل دنیا کیا ہیں اور اُن کا اثر کیا چیز ہے

ہم خدا سے ناز کرتے ہیں بشر کیا چیز ہے



## شاعرِ ہندوستان

زندہ مردوں کی ہے سستی، کون سنتا ہے یہاں  
اک نظر بھی قدروانِ جوہرِ قابل نہیں  
آئیں یوسف بھی اگر لپٹے ہوئے بازار میں  
سچ کہا ہے جزو میں اندازِ کل ہوتا نہیں  
ہند ہے وہ ملک جس میں کشمکش سے دھوکے ہات  
وہ جماعت، شرم سے نام اپنالے سکتی نہیں  
آہ لے "ٹیکورہ" تو کیوں ہند میں پیدا ہوا؟  
اس جگہ تو کانپتی ہیں قہر کی پرچھائیاں  
شعر کو، بہروں میں ممکن ہی نہیں حُسنِ قبول  
جس کے گرد و پیش رہتا ہے بہایم کا ہجوم

تابہ کے چخیا کروں "ہندوستانِ ہندوستان"؟  
ہند کے اُجڑے ہوئے سینے کے اندروں نہیں  
ایک گاہک بھی نہ پائیں ہند کے بازار میں  
اس چین کی نمبلسوں کو عیشِ گل ہوتا نہیں  
سورہی ہے موت کے زانو پہ لیلائے حیات  
ایڈریس سی چیز جو شاعر کو دے سکتی نہیں  
سچ بتا تو کس ادائے ملک پر شیدا ہوا؟  
زندگی غائب ہے، مرنے سانس لیتے ہیں یہاں  
شاعرِ ہندوستان ہے اصل میں خنجر کا پھول  
روندتے ہیں جس کو چوپائے جھلستی ہے سُوم

جہل کا دریا ہے اور ناقدریوں کی لہر ہے

شاعرِ ہندوستان ہونا خدا کا قہر ہے

لے دیا تو بڑی ٹیکورہ کو ایڈریس دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی جذبے کے تحت یہ چند شعر چند نمونے انداز لکھے گئے ہیں۔

# رنگ و بو

دیرین زمانہ نشد کس حریفِ فریادم  
بہ لبِ بلالِ چمنِ ہم گلے فرستادم  
(حافظ)

# درِ مشترک

سُنتے ہیں طوفان میں ڈوبا ہوا تھا اک دخت  
 جس کی چوٹی پر ڈرے بیٹھے تھے دو اشقہ بخت  
 ایک اُن میں سانپ تھا، اور ایک مہمانِ نوجواں  
 دوزخوں کا ایک بھیگی شاخ پر تھا آشیاں  
 سچ ہے درِ مشترک میں ہے وہ رُوحِ اشتاد  
 عشق میں جس سے بدل جاتے ہیں آئینِ عناد  
 لیکن اے عاقل مسلمانو، مدبر ہندو؛  
 ہند کے سیلاب میں اک شاخ پر تم بھی تو ہو



# نغمہ سحر

نسیم ہوتی ہے محورِ راحت، سکوت ہوتا ہے جب چمن میں  
 میں پیش کرتا ہوں اپنے آنسو، ٹھنک ستاروں کی آنجن میں  
 مے گلستانِ شاعری میں، بچکنے لگتی ہیں نرم شاخیں  
 نسیم، رقاصہ گلستاں، ہنوز چلتی نہیں چمن میں  
 مجھے سگھاتی ہیں رُوح پرورد ہوائیں اُس وقت بوسے قد  
 شمیم گلشن ہنوز ہوتی ہے بند غنچوں کے پیرہن میں  
 سفید ہلکی سی چاندنی میں بلبند ہوتے ہیں میرے نغمے  
 چمکنے والی تمام کلیاں خموش ہوتی ہیں جب چمن میں  
 مراد ماغِ سحر پرستی ہمیشہ اُس وقت جاگتا ہے  
 فلک پہ جس وقت چاند ہوتا ہے ملگے خواب پیرہن میں

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوتِ حق کے لئے  
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی  
(جوش)



## صبوحی

اُٹھ بربط و صراحی و مینا لئے ہوئے      رنگِ خلوعِ صبح ہے صہبائے ہوئے  
 ہر خارِ خس ہے آئینہ دارِ عروسِ گل      ہر برگِ گل ہے عارضِ سلی لئے ہوئے  
 غنچے ہیں رنگِ زرگسِ ثوباں سے پہرہ یا      جھونکے ہیں بُوئے کا کلِ نیبا لئے ہوئے  
 شبِ بنم کارسِ نسیم کی خوشی، کلی کارنگ      آئے ہیں طائرانِ دل آرا لئے ہوئے  
 کہتے ہیں جس کو زوئے صنم کی ملاحتیں      وہ شے ہے اپنی چھاؤں میں آئے ہوئے  
 رُسوائیوں کا خوف ہے کیفِ شبینہ کو      انگڑائیوں کا جوش ہے دریا لئے ہوئے  
 پھولوں کے دل ہیں شرحِ محبتِ چاک      کلیوں کے لب ہیں حرفِ تمنا لئے ہوئے  
 شبِ بنم ہے برگِ تازہ پہ شبِ بنم میں سرخیاں      آبِ وِستاں میں دیدہ موسیٰ لئے ہوئے

اے چشمِ جوشِ اُمردہ، کہ لیلائے رنگِ دُبو

چٹکی میں ہے نقاب کا گوشتا لئے ہوئے

ہنوز نغموں کی خواہگا ہوں کے، گرد ہوتے ہیں سُرخ پرے  
 ربابِ دل کا میں چھڑتا ہوں حسیم و شیرہ سخن میں  
 ادھر ٹپکتے ہیں اشکِ سوزاں مری جھپکتی ہوئی مژدہ سے  
 ادھر دکتی ہے کچھ کچھ افشاں اُفق کے کیسے پرشکن میں  
 فضا میں ہوتی نہیں ہے لرزش، خموش ہوتا ہے نطقِ عالم  
 یکایک اُس وقت جاگتی ہے، زبانِ فطرت مے و بہن میں  
 یہ اب تو دستور ہو گیا ہے کہ جوش! کچھ رات بھگیتے ہی!  
 سُلگنے لگتی ہے سوزِ دل سے اک آگ سی میرے تن بدن میں



# گمشدگی

دن نے ٹھنڈی سانس لی، خورشید اوجھل ہو گیا  
 رنگ اڑا، صحرا ہوا خاموش، دریا سو گیا  
 نور سٹپا، تیرگی پھیلی، ہوا میں رُک گئیں،  
 پھول کھلائے، چمن سنولائے، شاخیں جھک گئیں  
 رنگ گل، شورِ چمن، جوشِ صبا، کچھ بھی نہیں  
 ایک غم انگیز وحشت کے سوا کچھ بھی نہیں  
 اڑ گیا رنگِ شفق، دل چرخ کا تھرا گیا،  
 رفتہ رفتہ رُوئے عالم پر دھواں سا چھا گیا

اُس دھوئیں میں اپنی زریں روشنی کھوتے ہوئے  
 میں نے دیکھا، رُوحِ انسانی کو گم ہوتے ہوئے



# رُبودگی

ہو چکا ہے غروب، ہر منیر  
 سامنے اب نہیں کوئی تصویر  
 ہو چلا ہے اُداس ہر نظر  
 کیوں میں بیٹھا ہوں اب پہاڑی پڑ  
 سامنے کا ہر اجڑا جنگل  
 ہو چکا ہے نگاہ سے اوجھل  
 کھوئی جاتی ہے ظلمتوں میں نظر  
 بسکی ہے گھنی کھجوروں پر  
 بھرنے والے ہیں پل میں اب جل تھل  
 گونج ہے بادلوں کی، وادی میں  
 گھر گھڑاتے ہیں چرخ پر بادل  
 بڑھتا جاتا ہے ابر باد کا جوش  
 پڑ رہی ہیں بڑی بڑی بوندیں  
 پھر بھی بیٹھا ہوا ہوں میں، خاموش

اور یہ راز بھی نہیں کھلتا

کہ مجھے انتظار ہے کس کا؟



خون کے آنسو رلاتی ہے شفق برسات کی  
 دل رہا ہے سرخیوں میں ایک ہلکا سا دھواں جھٹک رہا ہے رفتہ رفتہ آفتابِ زرفشاں  
 پستیموں میں سرسجدہ ہے غمِ سرورِ آسماں  
 یاد آتی ہے کسی کی کم نگاہی، کیا کروں چھائی جاتی ہے ہر اک شے پر سیاہی کیا کروں  
 یہ مناظر کھائے جاتے ہیں، الہی کیا کروں ؟

## مغموم درخت

سڑک، غلغلہ، شور، بلچل، غبار دورِ دیہ درختوں کی سیدھی قطار  
 کوئی ہے؟ کہ از راہِ سوز و گداز سُننے ان درختوں کی کلیوں کے ساز  
 اسی طرح اس ماویٰ عہد میں  
 کہاں دل، کہ شاعر کے نغمے سنیں

## برسات کی شفق

یہ شفق ہے؟ یا فرازِ چرخ پر عکسِ چمن    یا تصوّر میں کسی گلِ پیرہن کا بانگِ پین  
یا غریبِ خستہ جاں کے قلب میں، یا دِوِطَن  
یہ شفق ہے، عارضِ جانِاں پہ یا موجِ ثُبّا    خوابِ گاہِ خسروِ خاور کا یا زریںِ حُبّا  
رُوحِ انسانی کا یا بھولا ہوا جنت کا خواب  
یہ نہری دھاریاں، نیکم کے نقشِ ونگا    یہ زمرود کی چٹانیں، یہ طلائی آبشار  
دیدنی ہے منتہائے صنعتِ پروردگار  
آہِ اِن جلووں سے، دل کے زخمِ تیرے ہیں    قلب میں انگریزی لیتی ہے کسی کی آرزو  
رُوح کے پردوں میں جل اُٹھتی ہے شمعِ آندو  
اِن مناظر میں اُبلتی ہے ہندی جذبات کی    تیز ہو جاتی ہے دل میں آج محسوس کی

ناز کے پیچھے دن کو پھرتے تھے جو گھرائے ہوئے  
 کہہ رہے ہیں کتنی اُلجھی حسرتوں کی داستاں  
 دن کو برپا تھی جو پھلی کو چسہ و بازار میں  
 زلیست کے ماتھے پر ہے لیلائے شرب کا سرد ہات  
 لڑنے والے سرد ہیں، ہنسان ہے میدانِ جنگ  
 گھٹ چلا ہے مضحکہ گیتی کے دل کا ارتعاش  
 چاندنی سے پا چکا ہے اک بڑی حد تک مکون  
 پھر بھی اب تک کرب سے ذرات کے پتھر ہیں نہ  
 غنوں گن ہے چاند عالم پر بعد لطف و نیاز  
 سور ہے ہیں برق پا جھونکے ہوئے سر دھکے  
 سہرے کے فاتے سو چکے ہیں بندگان سو گوار  
 بن چکی ہے سینہ رحمت میں اک ہلکی سی آہ  
 ہو چکی ہے سست، گرمِ انفاس سے بوجھل ہوا

سُرنگوں ہے خاک پر سعی و عمل کی بارگاہ

خفتہ ہے عالم، مگر بیدار ہے "عشق و گناہ"

# آدھی رات

اور

## ربودگی کا ایک لمحہ

رات آدھی آپکی ہے خلق ہے مصروفِ خواب  
 جھک چکا ہے پائے خاموشی پہ، کھوکرجی کا زور  
 اب نہیں اُن کارخانوں کی کلاہِ فخر کج  
 ہو چکا ہے خامشی کی بزم میں خواب و خیال  
 رکھ چکی ہے لیلیٰ امن و اماں بالائے طاق  
 شاہ راہوں پر نظر آتا نہیں، نزدیکے دُور  
 دفن ہے تکیوں میں اہل کبر کا ہر اک بست او  
 نصف شب کے فاصلے پر جا چکا ہے آفتاب  
 گزرتے شیروں کی صورت، ہونکتی ٹرکوں کا شور  
 جن میں تھی سمیرے ہوئے بادل کی طوفانی گرج  
 گرم کل پرزوں کی پیہم گھڑ گھڑا ہٹ کا جلال  
 اسلحہ کی گھڑ گھڑا ہٹ، قوتوں کا طمطراق  
 مرکبِ شاہی کا کروفر، حکومت کا غرور  
 گردنوں کا خم، لبوں کی ہر چہروں کا کھنچاؤ



اک طرف ساقی کی آنکھیں، اک طرف جامِ شراب

کھیل میں مصروف ہے، اربابِ عشرت کا شہنا

اور میں ہوں اس طرف زلفِ تخیل کا اسیر ذہن یوں صنوبریہ ہے جس طرح صانع کا ضمیر

چھو رہی ہے میری پیشانی کو اُن جذبوں کی سن جن کی ہر کروٹ دلِ شاعر میں بن جاتی ہے پھل

غود کر آیا ہے گویا اولیں دورِ شباب گردِ وہیں گزری ہوئی راتوں کے صد ہا مہتاب

دل پہ ہے اُس پر فشاں لمحے کی از خود رنگی اک کڑی ہوتا ہے جو ماہِ بنِ مرگ و زندگی

جس کے سناٹے میں کھوجاتا ہے غوغائے حیا راگنی میں جو بدل دیتا ہے شورِ کائنات

خار سے دامن نہیں جس کا اُبھتا راہ میں

اور جو قبل و ماضی کی طوفانِ گاہ میں

حال کے اُس لمحہ نازک پہ کرتا ہے نظر نوکِ مژگاں سے ہوا کرتا ہے جو باریک تر

اور پھر اُس لمحہ مبہم سے بید و قیاس کھینچ لیتا ہے حیاتِ جاودانی کی سٹھاس

اور اڑ جاتا ہے پھر بچو د بنا چکنے کے بعد

وقفہ حاضر کو تاجِ زر پہنچا چکنے کے بعد



لے کے انگڑائی اٹھی ہیں خواب سے خود بخود اریا جرم کے سینے میں ہیں شب بخون کی طیاریاں  
 شمعِ سلطان کے دل میں گرم ہے داغِ سرخ جل رہے ہیں قہقہے دھندلے طاق سازش میں چراغ  
 پھر رہی ہے موت کا گویا مزا چکھتی ہوئی شبِ روی، دہشت کے سینے پر قدم رکھتی ہوئی

شب کی تاریکی سے ہیں اچھے بٹے سب بہرہ مند

شائے عاشق پہ کاکل، دوشِ سارق پر کسند

اک طرف ہیں گرم شیون عاشقانِ نامراد چاندنی میں ڈس رہی ہے ادبھی جانناں کی یاد  
 ہجر کی ماری جوانی کو سلانے کے لئے کروٹوں پر کمر وٹیں ہیں نیند آنے کے لئے  
 کروٹوں میں چبھ رہی ہے بے مزا لمحوں کی دھا  
 جنبشِ مرقاں سے دامنِ رات کا ہے تار تار

خوش نصیبوں کو اُدھر ہے، دعوتِ کام و دہن زینتِ آغوش ہیں، شیریں عذار و سیم تن  
 میکدوں کی مسندوں پر، مہربوں کی بزم میں ہیں گلوں میں نقرئی بانوں کی ہلکی ہیکلیں  
 خلوتوں میں راگنی کی طرح ہے گونجی ہوئی اک ملایم سرسراہٹ، ریشمی ملبوس کی  
 لعلِ عطرافشاں پہ رقصاں ہے تبسم کی چین ماہِ نو کے سامنے جس طرح برگِ یاسن  
 گوشے گوشے میں ہے بزمِ ناز کے سنہتی ہوئی کنگنوں کی جگہ گاہٹ، ساعدوں کی چاندنی  
 تیز تیز انفاس کی خوشبو گلے کے ہار میں، خلوتیں ڈوبی ہوئی، رنگِ لب و رخسار میں

جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

ماہ پیکر لکھیاں رنگینوں پر مثل گسین  
رنگ کی پڑیاں ہزاروں ایک دن میں گھل گئیں  
لی جو گہری سانس ل کی کلفتیں سب گھل گئیں  
گرد کچھ اس طرح سے مٹھی کہ آنکھیں گھل گئیں

جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

بھروئے پانی نے جل تھل، ندیاں بہنے لگیں  
چھوڑ کر شانوں پہ زلفیں، مسکرتے ناز نہیں  
آج ہے غرق سفیدی، سرخ تھی کل جڑیں  
سرو پانی چوس کر ذروں نے آنکھیں بند کیں

جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

چھاگئی لود فتنہ آموں کے باغوں پر بہار  
اٹھ رہی ہے سوندھی سوندھی سی شمیم خوشگوار  
شاخ پر کوئل غزلخواں ہے، لب جو میگسار  
گار ہے ہیں رکھ کے ڈولی نیم کے نیچے کہاں

جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

پڑ رہا ہے تیز پانی، پک رہی ہیں پوریاں  
قص کرتا جا رہا ہے موج باراں میں ٹھواں  
مہوشوں کی زیب زینت الحفیظ والاماں  
ہر کھلائی میں نظر آتی ہیں دھانی چوڑیاں

جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

ابر کے سیلاب میں ڈوبا ہوا ہے جزو و کل  
خار کی نبضوں میں بھی دوڑا ہوا ہے خون گُل  
صحن میں پانی ہے اور پانی میں ہے بچوں کا غُل  
اک طرف لکڑی کی کشتی، اک طرف مٹی کا پُل

# برسات کی پہلی گھٹا

کیا جوانی ہے فضا میں، مرجا صد مرجبہا چل رہی ہے رُوح کو چھوٹی ہوئی ٹھنڈی ہوا  
 آ رہی ہے دُور سے کافر پیسے کی صدا حُسن اُٹھا ہے خاک سے انگڑائیاں لیتا ہوا  
 جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

آرزو میں ہے تلاطم، جوش اربانوں میں ہے حسرتوں میں دلوں میں تازگی جانوں میں ہے  
 نوجوانی کا تبسم سرمدیدالوں میں ہے روشنی ہے دشت میں، خوشبو سیابانوں میں ہے  
 جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

مطر بون نے ساحلوں پر جا کے چھڑے ہیں ستار ہل دھڑے کاندھوں پہ نہتے جا رہے ہیں کاشتکار  
 مست ہے جنگل میں چرواہا، چمن میں جھٹے بار گار ہا ہے ناخدا دریا کے سینے پر ملار  
 جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

بستیوں میں نئے ہے گرم زمزمہ جنگل میں بانس جی اٹھی ہے دھوپ کے مارے مجھے میاں کی لٹس  
 لے رہے ہیں پھول اطمینان سے باغوں میں لٹس ابر کے ناخن نے دل سے کھینچ لی گرمی کی پٹس

## پینغمبرِ فطرت

تاروں نے جھللا کے جو چھڑا ستارِ صبح گانے لگی چمن میں نسیم بہارِ صبح  
غنچوں کی چشمِ ناز سے ٹپکا خمِ رُوح ابھرا افق سے جامِ زمر و نگارِ صبح

شاعر کی رُوحِ عشق کی ہر راز ہو گئی

ذبیحِ تمام جلوہ گہرِ ناز ہو گئی

شمعیں ہوئیں خموش، چہکنے لگے طیوُر اُلٹی نقابِ چرخ نے، جھلکا زمیں پہ طوُر  
سینوں میں اہلِ دل کے ہوئے قلبِ چور چوُر آنکھوں سے رُخ پہ دوڑ گیا آنسوؤں کا نوُر

دریا ہے چٹک گئیں کلیاں گلاب کی

پھوٹی کچھ اس ادا سے کرنِ آفتاب کی

سبزے پہ ہر آبی، جُنوں خیز ہو گیا جھونکا ہر اک نسیم کا گلِ ریز ہو گیا  
شب کا سکوتِ سخنِ دل آویز ہو گیا رنگِ حیات، ولولہ انگیز ہو گیا

تنویرِ خندہ زن ہوئی تاریکِ رات پر

جُھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا  
 باہمی آویزشیں غم خواریاں سی بن گئیں      بے زرمی کی کھفیتیں زرداریاں سی بن گئیں  
 بھر گیا پانی زمیں پر دھاریاں سی بن گئیں      جا بجا مٹی جو سٹی کیا ریاں سی بن گئیں  
 جُھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا  
 زندگی کی سر فیضوں میں حرارت آگئی      منعموں میں خلق، کانٹوں میں نزاکت آگئی  
 ہجر کے افسردہ چہروں پر بشارت آگئی      حد ہے خوش چٹوں کی آنکھوں میں مروت آگئی  
 جُھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

موحیں رواں ہوئی ہیں کچھ اس سوز و ساز سے  
 جس طرح کوئی چونک پڑے خوابِ ناز سے  
 شمعیں بجھاتی آئی ہے ٹنڈی ہوا کی رو پر دانے سرنگوں ہیں دھواں مے رہی ہے لو  
 یہ وادیوں میں پھیل رہی ہے سحر کی منو یا آرہی ہے سر کو جھکائے غور کس نو  
 آنکھوں میں دغریب تہمت لئے ہوئے  
 کاکل ہے چشمِ سرخ پہ سایہ کئے ہوئے  
 اے جوش! دیکھ، غور سے، یہ قصہ رنگِ بو تھی کب سے تجھ کو پر تو جاناں کی آرزو  
 ہاں دیکھ، یہ تبسمِ گل، نازِ آبِ جو کو کو کی یہ صدائے دل افروز کو کو  
 آنکھیں اٹھا، علاجِ دل درمندر کر  
 پیہم صدائیں صلی علی کی بلند کر  
 یہ صحنِ گلستاں میں ہری دُوب کی ادا یہ وادیوں کی اوس میں ڈوبی ہوئی ہوا  
 یہ کونلوں کی گوک، پیسے کی یہ صدا رخسارِ گل پہ رنگ، یہ ہلکا سا دھوپ کا  
 رنگینیاں یہ سلسلہ کوہِ سار کی  
 یہ تنگ گھاٹیوں میں صد آبِ سار کی  
 یہ آب و تاب چادرِ آبِ رواں یہ نورِ نرہت کا یہ ہجوم، لطافت کا یہ دُور

حُسنِ ازل کی چھوٹ پڑی کائنات پر

بادِ مَحر کے جام پہ قرباں سزا جِسْمِ دامن تمام شبنم تازہ سے جس کا غم  
مجوئے نہیں یہ چہرے سے ہے باتِ کرم ہر سانس غزلِ دیتی ہے سینے کو دبدبم

تھی رُوح میں جو شب کی کثافت وہ دھول گئی  
گہری جو سانس لی، تو گرہ دل کی کھس گئی

دافنگ کی کی سینہ مشرق میں ہے اُننگ ہر چیز میں حیات کی پیدا ہے اک ترنگ  
گر دُلوں کی آب و تاب سے ہوتی ہے غفلتِ نگ ہلکا سا ابر، ابر میں چمپسی سا رنگ

جامِ زَمردیں میں ہیں موصیٰ شراب کی  
شبنم میں چٹھہ رہی ہے کرنِ آفتاب کی

دُلوں کا بزمِ چہرے پہ باقی نہیں نشان کُندن بنی ہوئی ہیں پہاڑوں کی چوٹیاں  
تاروں کا بزمِ چہرے پہ باقی نہیں نشان آنکھیں ہیں بندِ سُرکاتِ وصامت ہے آسمان

ہاتھوں پہ آفتابِ درخشاں لئے ہوئے

حُسنِ ازل کا دل میں تصور کئے ہوئے

رقصاں ہے کجبر، انجمنِ آفتاب میں جس طرح رُوحِ سُکر ہو موجِ شراب میں  
لہریں ہیں یا ہے زلفِ دو تانچِ قباب میں غلطاں ہے رُوحِ بادِ صبا کی حباب میں



# شام کی بزمِ آریاں

چھٹا ہونے لگا، تاریکیاں چھانے لگیں  
 صبح کی رنگینیاں، خواب پریشاں ہو گئیں  
 پھول کھلائے، چراگا ہوں کا رنگ اُڑنے لگا  
 تیرگی پھیلی، درخت اک دوسرے سے بل گئے  
 کر دُش یوں لیں شفق نے آسماں پر جلد جلد  
 طاروں نے پر سمیٹے، جھک گئیں شاخیں تمام  
 رُک کے دریا رُوح سے سرگوشیاں کرنے لگا  
 بدلیاں جنگل میں اک وحشت سی برسات لگیں  
 ظلمتیں غمگین فضا میں بال بکھرنے لگیں  
 ساحل خاموش پر پاپوسیاں چھانے لگیں  
 وحشتیں صحرا کے دل میں بیجِ دُخم کھانے لگیں  
 ناگنیں سی سبزہ خور و پہ پہ لہرنے لگیں  
 سو گئے ذرے ہوا میں آنکھ جھپکانے لگیں  
 تھم کے موحینِ چرخ کو آئینہ دکھانے لگیں

پھر گئے جنگل میں چھٹرا، غم کی دیوی نے ستار

پھر خنک تاروں کی آنکھیں اشک برسات لگیں

پھر خموشی کی حدیثِ غم نے بسمل کر دیا  
 پھر شفق کی داستاںیں خونِ لوانے لگیں

یہ ذابن نسیم میں، سرمایہ سرور  
بکھیرے ہوئے زمین پہ موتی یہ دور دور

یہ جھلکیاں سی پر وہ ظلمت میں نور کی

یہ معرفت میں غرق، صدائیں طیور کی

کچھ کہہ کے خجّم صبح سے یہ الوداع ماہ  
یہ کُنچ کی نسیم خنک، یہ حسری گیاہ

یہ ہنر کی تڑپ، کہ ٹھہرتی نہیں نگاہ  
یہ پنکھڑی کا ناز، کہ اللہ کی پناہ

صحنِ زمیں یہ شرب کی سیاہی لئے ہوئے

یہ آسمان، افسر شاہی لئے ہوئے

گندن سے یہ کس، یہ دل آویز کوہسار  
یہ دل کشا چمن، یہ فرح بخش لالہ زار

شاخوں کا دلبری سے لچکنا یہ بار بار  
یہ مہر کا جمال، نہ پنہاں، نہ آشکار

یہ آسمان، جلوہ گری پر تلا ہو !

یہ حُسنِ لازوال کا پرچم کھلا ہو !

اے شیخ ! تو نہیں ہے حقائق سے بہرہ یاب  
فطرت پرست جوش پر اور اس قدر عتاب

فطرت بھی تیری طرح سے ہے صاحبِ کتاب  
اس دین کا صحیفہ زریں ہے آفتاب

خاشاک کہہ رہا ہے جسے تو، وہ پھول ہے

ناداں ! صبحِ غنچہ کشا بھی رسول ہے !

# حسرت

خورشید جہاں تاب جب آنکھوں سے ہو دھجلا  
 سینے میں خیالات ہوں جب لامتناہی  
 جب چرخ پہ دو چار ستارے نظر آئیں  
 جب غنّ شفق گرم ہو اور سرد ہو صحرا  
 جب چرخ پہ فالو کس نہ نوکا ہو روشن  
 ہمراہ مرے جب کوئی ہمدم ہو نہ ہمارا  
 کھینچ آئیں جب اُس نقطہ اسرار پہ جذبات  
 جب وردِ جگر اتنی لطافت سے ہو پیدا  
 ہو دل میں سمویا ہو احساس کا جو سر  
 جب شور میں ادراک کی خاموشی ہوں دل میں  
 جب موج ہو میں نفسِ شام کی بُو ہو  
 حسرت ہے کہ اُس وقت میرے سامنے نہ تھا

آوارہ نظر آتے ہوں جب چرخ پہ بادل  
 چھائی ہو تر و خشک پہ ہلکی سی سیاسی  
 پر تول کے جب ہنر پہ طائر اتر آئیں  
 ہوتا ہو جب آہستہ چلتا ہو ادرا یا  
 جیسے کسی نوعمر کا ٹوٹا ہوا کنگن  
 کچھ دُور سے جب بانسری کی آتی ہو آواز  
 پیدا ہوں خوشی سے الم انگیز خیالات  
 دل کو خلشِ غم پہ بشارت کا ہو دھوکا  
 آنکھوں میں ہوں اشک اور تبسم ہو لبوں پر  
 جب شادی و غم دونوں ہم آغوش ہوں دل میں

جتنی چوئیں دل پہ کھائی تھیں، ابھر آئیں تمام  
 پھر کسی عشوے کا پر تو، روح میں غلطاں ہوا  
 پھر خیل کو اندھیرے نے سجھایا راستہ  
 تیرگی نے پھر منور کر دیا قصہِ دلغ  
 جتنی شکلیں دل میں پنہاں تھیں نظر آنے لگیں  
 پھر کسی محفل کی شمعیں دل میں تھرائے لگیں  
 پھر تصور میں گھٹائیں برق چمکائے لگیں  
 نطقتیں پھر حافطے میں نور دوڑائے لگیں  
 میٹھا میٹھا درد پھر سینے میں پیدا ہو گیا  
 صحبتیں پھر پڑی ہوئی پھر بائے یاد آنے لگیں

تاجک اتار یک جنگل میں یہ بزم آرائیاں  
 جوش! اب گھر چل، کہ گہری بدیاں چھانے لگیں



# پیاہن ناگن کالی رات

ایک دکھیا خزیں، پریشاں حال !  
 روتی رہتی ہے ساری ساری رات  
 سوئے گردوں نظر اٹھاتی ہے  
 دیکھنے کی ہنیں مری حالت  
 بادلوں سے صلال کو ڈھانکو  
 اے تروتازہ حسرتو! بن کی  
 جلدی اس دیس سے گزر جاؤ  
 ورنہ ہیکس گے پھول گلشن میں  
 یوں نہ پاپی پیسہ تان لگا!  
 دیکھ پُروائی! دل نہ کھلا جائے  
 زلفِ ماضی سنوارنے والی  
 پی کی دُوری سے جس کا جی ہے نڈھال  
 اک قیامت ہے جان پر برسات  
 دروِ دل اس طرح سُنا تی ہے  
 زرد ہوں اے مناظرِ قدرت!  
 اپنا خجبرِ نیام میں کھسکو،  
 اے گلابی گھٹاؤ! ساون کی  
 داری، اک بوند بھی نہ ٹپکاؤ  
 آگ لگ جائے گی مرے تن میں  
 جس نگر میں ہیں پی، وہیں اڑ جا  
 کوئی جھونکا ادھر نہ آنے پائے  
 تو ہے چڑیں اُبھارنے والی

## بھری برسات کی رُوح

تیرگی، پُر ہول صحرا، بے اماں، بادل سیاہ  
 گھاسیاں تاریک، راہیں گم، ہوائیں ناصبور  
 ابر بچ و تاب میں، ہیجان میں آبِ رواں  
 جھینگروں کی تان، بادل کی گرج، پانی کا ثور  
 کون ہے اُلجھی ہوئی شاخوں کے اندر بقرار؟  
 بجلیاں سی کنج میں رہ رہ کے چمکاتا ہے کون؟  
 کون یہ آواز دیتا ہے، کہ آسمان کیوں نہیں؟  
 ہاں، لپک اٹھا وہ کوند اسادل سرشار میں  
 ایک میں، اور یہ اندھیری رات کی غونی سپاہ  
 رُوح فرساطاقتوں کی حکمرانی دُور دُور  
 آسمان بھیرا ہوا، بھیگی زمیں کفِ مردہاں  
 مینڈکوں کے راگ، بجلی کی کرک، نالوں کا زور  
 کون مجھ کو گھورتا ہے جھاڑیوں سے بار بار؟  
 رُوئے ظلمت کو یہ بالتفصیل دکھلاتا ہے کون؟  
 جوشِ ان ظلمت کے پرووں کو اٹھاتا کیوں نہیں؟  
 اب میں سمجھا، کون ہے ان پردہ ہائے تار میں

مجھ سے ملنی آئی ہے رتھیں اندھیری رات کی

ہو نہ ہو، یہ رُوح مضطرب ہے بھری برسات کی



# بہار کی ایک دوپہر

بسحین ہیں ہوائیں، بادل ہے ہلکا ہلکا،  
 کچھ لڑکیاں بچے کے کھیتوں میں گاہی ہیں  
 بوڑھا کسان اپنی گاڑی پہ جا رہا ہے  
 زیرِ قدم جو برگِ پتھر مردہ آ رہے ہیں  
 خورشید بادلوں میں کشتی جو کھ رہا ہے  
 کھیتوں پہ دھندلی دھندلی کرین چمک رہی ہیں  
 سورج ہے سر پہ، بادل سایہ کئے ہوئے ہیں  
 غنچے چمک رہے ہیں گلزارِ زندگی کے  
 بھیڑیں چراہی ہیں دوشیزگانِ صحرا  
 کچھ پھول خن رہی ہیں، کچھ ساگ کھا رہی ہیں  
 کھیتوں کو دکھیتا ہے اور سر ہل رہا ہے  
 ہر گام پر پھل کر نغمے سُنا رہے ہیں  
 کوئل کا بولنا تک اک لطف دے رہا ہے  
 سرسبز جھاڑیوں میں چڑیاں بھدک رہی ہیں  
 ٹھنڈی ہوا کے جھونکے گرمی لئے ہوئے ہیں  
 درکھل رہے ہیں دل پر اسرارِ زندگی کے

خود اپنے حافطے میں جلوے دکھا رہا ہوں  
 کھویا گیا ہوں ایسا، اپنے کو پارہا ہوں

پنی کی نگری میں جا کے بھر جلتی تھل  
 میرے سر پر گرج نہ اوبادول  
 ہائے کیوں کر نہ اختلاج ہے  
 پنی ہیں پردیس میں پراج ہے  
 سو جتنا ہی نہیں ہے ہات کو ہات  
 دس رہی ہے نگوڑی کالی رات  
 کھائے جاتی ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا  
 دل میں چھیتی ہے بوندیوں کی صدا  
 کیا ہوا تجھ کو ہائے جی کے زور  
 مورخگل میں کر رہے ہیں شو را  
 سوندھی سوندھی زمین کی خوشبو  
 آنکھ میں بن رہی ہے کیوں آنسو؟  
 یوں ہی چھاتی جو دھڑکے جائے گی  
 ہائے کس طرح نیند آئے گی  
 گھر اکیسا ہے پڑ رہی ہے پھوار  
 کیسا نور کھ ہے، اے نکھی سنسار!  
 اے ہیلی! جب انہیں اوسان  
 یہ تو مجھ کو بتا، ترے فرمان

سچ سونی ہے اور برستی رات  
 باؤلی ہو گئی ہے کیا برسات؟



مدحِ فطرت میں نہیں اشعار یہ وردِ زباں  
یہ حسینِ نطق کے سجدے ہیں، اے پروردگار!  
ہاں مگر ماتم کے قابل ہے یہ احساسِ شکست  
قامتِ فطرت پر یہ ملبوسِ زباں ہے تانتار  
آہ اے فطرت! تری برنائیوں کے سامنے  
بہترین الفاظ ہو جاتے ہیں میرے شرمسار  
حُسنِ تیرا، ذوقِ گویائی کے، سی دیتا ہے لب  
راگنی تیری، زباں کا توڑ دیتی ہے ستار  
تیری محرابِ تجلی میں، دُفِ برِ شرم سے  
سُرخِ جھکا تا ہے مرے زورِ بیاں کا فخر

تیرا دریا، نطق کی وادی میں بہہ سکتا نہیں  
آدمی محسوس کر سکتا ہے، کہہ سکتا نہیں



## شبِ ماہ

الاماں، کیا چاندنی چٹکی ہوئی ہے دُور تک  
 کہہ رہی ہے قلبِ سوزاں سے یہ ٹھنڈی چاندنی  
 یہ شگوفوں کا تہنم، یہ ستاروں کا جمال  
 اُجلی اُجلی چوٹیوں پر یہ روپِ ہلی چاندنی  
 دُور تک یہ جھار یوں میں ٹکڑوں کی جھلک  
 جابجا یہ ابر کے ٹکڑوں میں تاروں کی جھلک  
 یہ سنکتے سر دھونکے کارواں درکارواں  
 یہ بساطِ ہنر پر چاندنی کی نازک دھاریاں  
 چادرِ آبِ رواں پر، یہ ضیائے نعرش  
 تیرنا پھرتا ہے یہ بادل کے ٹکڑوں میں ہلال  
 یہ کلی پر قطرہ شبنم میں ہے نذرِ تہر  
 یا زمرہ کا سفینہ درمیانِ جُبار  
 آنکھ کی پستلی میں یا غلطاں ہے عکسِ یار

یہ گھنی شاخوں سے چھن کر آرہی ہے چاندنی  
 قلبِ شرب میں، یا تصورِ صبح کا ہے بقیہ راز!

## روحِ شاہ

مغرب کی وادیوں میں خورشید اتر رہا ہے  
 پا مال و خشک پتے، بکھیرے ہوئے پٹے ہیں  
 چرواہے، جھٹپٹے کی تانیں سنا رہے ہیں  
 رُوحیں لرز رہی ہیں فرقت کے دل جلوں کی  
 گلے گزر چکے ہیں سبزہ پڑا ہے روندنا  
 اک سمت، چھوٹی چھوٹی رنگیں پہاڑیاں ہیں  
 کیا دل کشی بیاں ہو، گلزنگ جھاڑیوں کی  
 ان جھاڑیوں کے اندر میری نظر لٹی ہے  
 سرشار جھاڑیوں کے نغمے سننا رہی ہے  
 ٹیکا نہیں جیس پر نیلم جڑا ہوا ہے  
 رخ پر اثرِ شفق کے آغوشِ تربیت کا

تصویر بے خودی کا ہر شس اُبھر رہا ہے  
 سرسوں کے کھیت سارے پھولے ہوئے کھڑے ہیں  
 چوپائے سر جھکائے میداں سے جا رہے ہیں  
 ظلمت میں بج رہی ہیں یا گھنٹیاں گلوں کی  
 کیا کیا مہک رہا ہے پھولا ہوا کز وندا  
 اک سمت، گل بداماں دھاکے کی جھاڑیاں ہیں  
 ترشی ہوئی ہیں راہیں جن میں سے گاڑیوں کی  
 دوشیزہ اک کمر تک ڈوبی ہوئی کھڑی ہے  
 محرابِ رنگ و بو میں شمعیں جلا رہی ہے  
 اک بار سا گلے میں تر چھا پڑا ہوا ہے  
 زلفِ سیہ پہ جنباں پر چم اُلوہیت کا

## مُنہ اندھیر

مُنہ اندھیرے میں اٹھا ہوں شعر کہنے کے لئے  
 تیرگی میں، نور کے دریا میں بہنے کے لئے  
 بوئے گل، رنگِ افق، نازِ صبا، بانگِ حسدِ  
 واہ، کیا سامان ہیں لبِّ شاش بہنے کے لئے  
 مسکراتی آہی ہے صبح کی شعل لئے  
 جو فطرت، مجھ سے اپنے راز کہنے کے لئے

وہ کلی چٹکی، وہ برسا رنگ، وہ پھوٹی کرن  
 ہنس کے وہ انگڑائی لی دریا نے، بہنے کے لئے



# بہار آنے لگی

پھر بہار آتی ہو اسے بوجے یار آنے لگی  
 پی کہاں کا شور اٹھا، حق سترہ کا غلغلہ  
 کھیت جھومتے، ابر مچلا، پھول مہکے، دل کھلے  
 قمریاں جھکیں، پہلے پودے، چلی ٹھنڈی ہوا  
 پھر سیم دل ربا چلنے لگی مستانہ وار  
 پھر سماعت سے نوائے کیف نے کی چھڑ چھاڑ  
 پھر پیسے کی صدا دیوانہ وار آنے لگی  
 کوئلیں گویں، صدائے آبتار آنے لگی  
 کوئلیں پھوٹیں، ہوائے شگبار آنے لگی  
 جام کھنکے، رُوئے مینا پر بہار آنے لگی  
 پھر سیم طرہ گیسوئے یار آنے لگی  
 سانس پھر لیلیٰ نقش و نگار آنے لگی

پھر شگوفے مسکرائے، پھر چھٹی سینے میں سانس  
 جوش! یاد یار پھر بے اختیار آنے لگی!

آپ نخل پڑا ہوا ہے، زلفِ سیدہ پہ دھانی غمگین سر میں گم ہے اُٹھتی ہوئی جوانی  
اے جوشِ ادب سے جھجکا، تو جانتا نہیں ہے دربار میں ہے کس کے پہچانتا نہیں ہے

اس بھیس میں جوست و بنجو د بنا رہی ہے  
یہ رُوحِ شام تجھ کو جلوے دکھا رہی ہے

## مہمِ پیام

قلبِ صحرایں ٹھٹھے کے وقت  
دل میں غلطاں ہے ایک طرفہ انگ  
مجھ سے کہتا ہے، کیا، خدا جانے؟  
دھان کے کھیت پر شفق کا رنگ!

تصویر آرزو میں رنگِ نشاط بھرتا اُس وقت تک برابر گردوں کی سیر کرتا

جب فرطِ دلبری سے ہلکی سی تیرگی میں  
منہ دیکھتے ہیں تارے شبنم کی آرسی میں

## نیچر کی خواب گاہ

رحم کر، شدائے سخن کی سیٹی! جسم کر!  
شام کا ہے وقت، دیر نے کائناتِ جہین  
ذرّہ ذرّہ ہے یہاں، روند اہوا، تپتا ہوا  
دو گھڑی نیچر کو سو رہنے دے لے اندھی مشین

# سیرگردوں

صحرائے دلنشیں ہے، اور شام کا سماں ہے      پنجاب میل سینہ تانے ہوئے رواں ہے  
 اٹھ اٹھ کے سرخیوں کے پرے سے گزریں      بادل کے چند ٹکڑے آوارہ پھر ہے ہیں  
 آوارہ پھر ہے ہیں یوں بے رفیق و ناصر      جس طرح چھپٹے کے بھٹکے ہوئے مسافر  
 رنگینیوں کا دریا طوفاں اٹھا رہا ہے      اک رنگ آ رہا ہے، اک رنگ جا رہا ہے

اُف، دامنِ شفقت کا اندازِ دستانی

کلیاں تو ہیں گلابی اور گوٹ آسمانی

تا دُور اک سُنہرا دریا بھرا ہوا ہے      خونِ سخن، رگوں میں بہریں سی رہا ہے  
 جی چاہتا ہے ہوتی، بہیرے کی ایک کشتی      کشتی پہ ساتھ ہوتا اک مست ناز ساقی

جُوئے شفق کے اندر کشتی کو ڈال دیتا

ارض دسما کو اپنے دل سے نکال دیتا

مجھ سے قریب ہوتا گردوں کا باہم رنگیں      ساقی کی بانسری پر سُنتا کلام رنگیں  
 صحت کا میری ساغر، اک لالہ فام پیتا      پہرہوں خُمِ شفق سے بھر بھر کے جام پیتا



شلو کا پہنے ہوئے گلّابی ہراک سبک پنکھڑی چمن میں  
 رنگی ہوئی سُرخ اور صنی کا ہوا میں پٹو سُکھا رہی ہے  
 فلک پہ اس طرح چھپ رہے ہیں، ہلال کے گرد و پیش تارے  
 کہ جیسے کوئی نئی نویلی، جبیں سے افشاں چھڑا رہی ہے  
 کھٹک یہ کیوں دل میں ہو چلی پھر؛ چمکتی کلیو! ذرا اُٹھنا  
 ہواے گلشن کی نرم رو میں، یہ کس کی آواز آرہی ہے؟



# السیلی صبح

نظر جھکائے عروسِ فطرت، جنہیں سے زلفیں ہٹا رہی ہے  
 سحر کا تارا ہے زلزلے میں، اُفق کی لوتھر مٹا رہی ہے  
 روشِ روشِ نعمتِ طرب ہے، چمنِ چمنِ جنِ رنگ و بو ہے  
 طیورِ شاخوں پہ ہیں غزلخواں، کلی کلی لگنا رہی ہے  
 ستارہ صبح کی رسیلی جھپکتی آنکھوں میں ہیں فسانے  
 نگارِ مہتاب کی نشیلی نگاہِ جادو جگا رہی ہے  
 طیور، بزمِ سحر کے مُطرب، لچکتی شاخوں پہ گار ہے ہیں  
 نسیمِ فردوس کی بہیلی، گلوں کو جھولا جھلا رہی ہے  
 کلی پہ سیلے کی، کس ادا سے، پڑا ہے شبنم کا ایک موتی  
 نہیں۔ یہ ہیرے کی کیل پہنے، کوئی پری سگرا رہی ہے  
 سحر کو بدِ نظر ہیں کتنی رعایتیں چشمِ خوں فشاں کی  
 ہوا بیاباں سے آنے والی، لہو میں سُرخ بڑھا رہی ہے

گھبرائے ہوئے ہیں باغ والے      ہو جائیں کہیں نہ خشک تھالے  
 پھرتے ہیں ادھر ادھر گھلے سر      کاندھوں پہ گھڑے نظر فلک پر  
 سوکھی ہوئی گھاس ہے فسرودہ      افسردہ نہ کہئے، بلکہ، مُردہ  
 دوزخ کی نظر ہے بزمِ جان پر      وحشت ہے زمین و آسماں پر  
 پہلو سے، زمیں بدل رہی ہے      فرّوں سے دُنکُن نکل رہی ہے

گرمی کی ہے باڑہ پر جوانی

ہر ذرہ پکارتا ہے، ”پانی“



# لُو کی آمد

طے صبح کی راہ کر چکی ہے      دیواروں دُھوپ اُتر چکی ہے  
 خنکی کی اُلٹ پُلٹ ہے سُنند      میدان میں ہے لُو کی آمد آمد  
 آتی ہیں ہوائیں سُنسناتی      پودوں کی دھڑک ہی بچھاتی  
 دوزخ میں بہشت ہے غزلوں      شاخوں پہ پھک ہی ہیں چڑیاں  
 چوپائے ابھی سے ہانپتے ہیں      بہیت سے درخت کانپتے ہیں  
 ہر سو ہیں رواں دواں ہوائیں      لرزاں ہیں طُیور کی صدائیں  
 ستم ستم کے نکل رہے ہیں سسے      انبارے خشک پتیوں کے  
 تیزی سے ہوائیں آرہی ہیں      سُن سن کی صدائیں آرہی ہیں  
 یوں گرد و غبار چھا رہا ہے      میدان کے حواس اُڑا رہا ہے  
 ہلکی سی فلک پہ کچھ گھٹا ہے      خورشید ذرا سا چھپ گیا ہے  
 میدان بدل رہا ہے کیا روپ      سایہ تھا ابھی، ابھی کرٹھی دھوپ  
 پُر ہول ہوا کے ارغنون ہیں      آموں کے درخت سرنگوں ہیں

وہ مذاق عشق و ذوق آشنائی ہائے ہائے ہم زباں یاروں کی وہ رنگیں نوائی ہائے ہائے  
آہ اے برباد لحو! اے گزشتہ صبحتو

چھوڑ دو رشدا ب، شاعر کا دامن چھوڑ دو

تم دلِ ناشاد کو، اب شاو کر سکتے نہیں زخمِ جو نا سُو ر بن جاتے ہیں بھر کے نہیں  
مُغت میں بیٹھے بٹھائے خون رُو اتے ہو کیوں اب اُن اُجڑی صبحتوں کو یاد دلو اتے ہو کیوں؟  
مہربانی کے عوض بیدار کرنے آئے ہو چارہ سازی وقت کی برباد کرنے آئے ہو

جاؤ، ورنہ صبر کی بنیاد تک ہل جائے گی  
سچی ماہ و سال، دیکھو، خاک میں مل جائے گی



## بر باد لمحوں سے خطِ با

رات آدھی اُچکی ہے، خلق ہے مصرفِ آب  
اپنے شانوں پر اٹھائے ہے پہاڑوں کا وقار  
دل پہ ہے کچھ اس طرح کی بخودی چھائی ہوئی  
ملگجی سی چاندنی، کہرے کا ہکا سا غبار  
ابر کے ٹکڑوں میں ہے اس طرح زبرِ کاجاں  
یوں بچھا سا کچھ نظر آتا ہے گردوں کا چراغ  
دل میں پیدا ہو رہا ہے یوں خیال اندر خیال  
ابر کی ٹکلی سی چادر میں ہے نورِ مہتاب  
حاشے پر شہر کے لائے درختوں کی قسطاً  
بیشتر جس سے اُچٹ جاتی ہے نیند آئی ہوئی  
عش سے تافرش ہر ذرہ ہے گویا سو گوار  
یاس میں امید کا جس طرح مہم سا خیال  
جس طرح آلام کے جھونکوں میں قندیلِ دماغ  
جس طرح مُطرب کی تانوں میں ہو ربط و اتصال

دل پہ طاری ہو چلا ہے جوشِ بیداری کا خواب

اُٹھ رہی ہے رفتہ رفتہ رُوئے ہنسی سے نقاب

دُورِ افتادہ رفیقوں کو ملا ہے اذنِ عام  
آہ وہ بر باد لمحے زندگی کے گلستاں  
ہو رہی ہے رُوح، بچھڑے دوستوں ہم کلام  
ہائے وہ گم کردہ جلوے نازِشِ کون مکاں  
ہائے وہ مستِ ثجاں راتیں بھری برسات کی  
ہائے وہ رنگینیاں نوخیز حساسات کی

نغمے کی نبضِ سرمد مگر ترپاں ہوئی  
 گویا بھر کے موج دو بارہراں ہوئی  
 پھر اس کے بعد تیز ہوئی تانِ وقتہ  
 اللہ نے زور، گونج اٹھا گنبدِ کُہن  
 اور اُس کے بعد لجن کا دامن بٹ گیا  
 اور یوں عدا کا زور بد بچ گھٹ گیا  
 گویا سفید دُودھ سی، پتھر کی میٹھیاں  
 پتلی، سُک، خُشک، متناسب، گہر فشاں  
 تیشے سے زیر و بم کے ترش کر سنور گئیں  
 ساحل سے تابہ نہر، محپلتی اُتر گئیں !

# آواز کی سیڑھیاں

کل جھٹپٹے کے وقت کہ تھا زرد آفتاب      چھایا ہوا تھا عرصہ سستی پر رنگِ خواب  
ظلمت کی بڑھ رہی تھی لگاؤٹ فضا کے تھا      اک رنگنی سی کھیل رہی تھی ہوا کے ساتھ  
ہر سانس پر شفق کا گریباں تھا چاک چاک      تھا اک خلا سا، وقت کے سینے میں ہونا ک  
اتنے میں آئی بل کے صدائے طیور

بن کے کسی نگار کی اک تان دور

بے صرفہ جستجو کی کہانی لئے ہوئے      اک نوا سیرِ غم کی جوانی لئے ہوئے  
نا آرمودہ غم کی حبس چومستی ہوئی      پیتی ہوئی، لرزتی ہوئی، جھومتی ہوئی  
ہیگانہ رسمِ عیش کی منکرِ فضول سے      ملتی ہوئی غروب کی بادِ بلول سے  
روتا ہوا سکوت لب جو لئے ہوئے      دوشِ صدا پہ عشق کے آنسو لئے ہوئے

کچھ سُرخِ شفق میں سیاہی سی آگئی

میدان پر اک اداس خموشی سی چھا گئی

ویرانہ فرطِ درد سے غمناک ہو گیا      اتنے میں کچھ ٹھہر کے، پھر آئی وہی صدا



# بچڑے ہوؤں کی یاد

آ رہی ہے جھومتی کالی گھٹا ہستانہ وار      مست ہے بادل کے پرتو سے کھجوروں کی قطارا  
سنبیل و نسربین و سرود و یا سمن کے درمیاں      ہو رہی ہیں بادلوں کو دیکھ کر خوش فعلیاں  
مشعل ہونٹوں کے، جام زندگانی آگیا      رقص میں ہیں دُوب کے ریشے، کہ پانی آگیا

لیکن اے یار ابن شہر! اس بے دلی کا کیا علاج  
ہو رہا ہے ابر کے پرتو سے مجھ کو خستہ علاج  
اٹھ رہی ہو کس سی پیسم دل برباد میں  
آؤ رو لیں، بیٹھ کر، بچڑے ہوؤں کی یاد میں!

# کلیوں کی پیداری

ہر اک کلی پھول بن رہی ہے، ہر ایک خوشہ جھلک رہا ہے  
 مچل رہی ہے نسیم بستاں، تمام صحرا ہلک رہا ہے  
 کلاہ نو کج کئے ہوئے ہے ہلال، تاروں کی انہن میں  
 لکھلا ہوا ہے فلک کا سینہ، زمیں کا غنچہ چمک رہا ہے  
 ٹپک رہی ہے گلوں سے شبنم، لچک رہی ہیں ادا سے شاخیں  
 ہر اک کلی تال رہی ہے، ہر ایک طائر چمک رہا ہے  
 لیٹے منہ سو رہی تھیں کلیاں، صبا نے آکر جو گد گدایا  
 سرک گئے ہیں سروں سے آنچل، تمام گلشن ہلک رہا ہے!

# بُجھا ہوا دل

جھٹلے کا وقت ہے آہستہ ہے موج ہوا  
 جھاڑیوں پر ایک سناٹا سا ہے چھایا ہوا  
 سامنے پُل، راہ میں اُڑتی ہوئی بھگی بھگی خاک  
 پُل کے نیچے ہست چستے کی صدائے خوابناک  
 سامنے پامال سا اک مقبرہ، شاداب گلشن  
 رات کے قدموں کی آہٹ شام کی مڑکٹوں  
 جھاڑیوں پر سرخیاں، قبروں پر چھل ساغباً  
 سر بزانو، کوہ و صحرا، آہ برب، سبزہ زار  
 گلشن کی خوشبو میں جھل کی ہوا کا اتسراج  
 اور ہوا کی موج میں رفتارِ نبضِ آستلاج  
 سست نیر لے میں آبادی کی بھیجی ہی صدا  
 خواب جیسے ذہن میں آئے کوئی بھولا ہوا  
 یا فسون بھرنے کی خاطر والہانہ سیر میں  
 کہہ رہا ہو کوئی افسانہ زبانِ غیر میں  
 کروٹیں سی پے پے دل میں ملتا، کوئی  
 سینہ مسوزاں کے ویرانے میں چلتا، کوئی

کچھ نہیں کھلتا کہ آخر دل بُجھا جاتا ہے کیوں؟  
 اور اس بُجھنے کی حالت میں مڑا آتا ہے کیوں؟

## فاختہ کی آواز

آج تو فاختہ کی نرم آواز      ہے کچھ اس طرح غرق سوز و گداز  
 جیسے، پیری میں یا وطنی آئے      جیسے جل جل کے شمع، بجھ چکے جھانے  
 جیسے یعقوب غرق شیون میں      جیسے سیتا کی جستجو بن میں !  
 شب کو جس طرح دل میں روٹھے      بیوگی نو عروس کی جیسے !  
 شام کو زیر سایہ کہار      جیسے وادی میں صہمی دھیمی پھوار  
 جیسے، جو، پر نہ آئی ہو، وہ راز      جیسے بھڑے جھوٹوں کی دل میں یا  
 جیسے آنکھوں کی لہر سینے میں      پانی آنے لگے سفینے میں  
 جیسے سسرال میں کوئی لڑکی      دیکھ کر بدلیوں کو ساون کی  
 صبح، ہنگھٹ کی نیم کے نیچے  
 مائیکے کی گھٹائیں یاد کرے

## بن باسی بابو

جنگلوں کے سر دگوشتے ریل بل کھاتی ہوئی      جہل کے سینے پہ زلفِ علم لہراتی ہوئی  
 بزمِ وحشت میں تمدن ناز فرماتا ہوا      شہزادِ سخن کا دھواں، میدان پہ بل کھاتا ہوا  
 فطرتِ خاموش میں بھرتا ہوا سوز و گداز      صنعتِ پرکار کے چلتے ہوئے جادو کا ناز  
 الاماں دیناے نادانی میں دانائی کا زور      بھاپ کی ٹھنکار، لوہے کی گرج، پانی کا شور  
 متصل جھنکار سے، گونجی ہوئی خاموشیاں      پابلو ویرانیوں میں نغمہ شہرِ رواں  
 پھول گھرائے ہوئے سے، پتیاں رتی ہوئی      گرم پُرزوں کی صدائیں شوخیاں کرتی ہوئی

ایک اسٹیشن، فسر وہ، مضمحل، تنہا، اداس

چھپنے کی بدلیاں، پُر ہول جنگل اس پاس

تنگے نالے، اندھیری وادیاں، ہلکی بھوار      بن کے گرد و پیش کوسوں تک کھجوروں کی قطار  
 قد آدم، گھانس، گہری ندیاں، ادبچے پہاڑ      ایک اسٹیشن فقط لے دے کے باقی سب اُجاڑ

## حور کے اشارے

بھری برسات میں جس وقت بادل گھر کے آتے ہیں  
 مکاں کے باؤں و در بجلی کی لڑکیوں میں جب جھلکتے ہیں  
 سیاہی اتنی چھا جاتی ہے جب ہستی کی محفل میں  
 انگلیں، رُوح میں اٹھتی ہیں جب، یادِ الہی کی  
 ستارے دفن ہو جاتے ہیں جب، آغوشِ ظلمت میں  
 لڑکے سے آنکھ کھل جاتی ہے جب حسنِ جینوں کی  
 ہوئے دستاں جب، اگ ساوکن کچھ نہ جاتی ہے  
 لبِ فطرت جب اتنے متصل ہوتے ہیں کانوں سے  
 سمٹ جاتی ہے جب بلی، دکھا کر ابر سے جھلکی  
 فلک پر نور کی جس وقت بن جاتی ہیں تصویریں  
 نظر آتے ہیں کچھ شعلے سے جب ظلمت کے دامن میں  
 بجھا کر چاند کی شعل سیہ پر چم اڑاتے ہیں  
 سبک بوندوں سے دروازوں کیلئے جب ہیں  
 تصور تک نہیں رہتا سحر کا، رات کے دل میں  
 فضا میں بچ و خم کھاتی ہیں نلغیں جب سیاہی کی  
 لپک اٹھتا ہے اک گوند اسب شاعر کی فطرت میں  
 جھلک اٹھتی ہے موج برق سے افشانِ جنین کی  
 کسی کافر کی جب، رہ کے دل میں یاد آتی ہے  
 کہ گونج اُٹھتا ہے دلِ عشق و محبت کے فناؤں سے  
 فلک پر دفعت جب سانس رک جاتی ہے بادل کی  
 تنگاب ابر میں جب کانپنے لگتی ہیں تیزیوں  
 تنگن بجلی کی جب تبدیل ہو جاتی ہے وزن میں

معاذِ حور اُس روزن میں آکر سُکراتی ہے

اشاروں سے مجھے اپنی گھٹاؤں میں بُلاتی ہے

# پیش گوئی

چھپے وقت کا ہے سناٹا      ابر چھایا ہوا ہے ہلکا سا  
شام کی تیرگی سے ہیں جھم      دشت میں بہر وول کے نقش قدم  
کس تکلف سے چل رہی ہے ہوا      جیسے کوئل کی دادیوں میں صدا  
دھیمی دھیمی ہواؤں کا ہے اثر      گھاس کے نرم نرم ریشوں پر

نورِ ظلمت پہ ہو رہا ہے قدا

کیا سلو نی ہے چھپنے کی فضا

دیر سے ایک گاؤں کی لڑکی      بھولی، بھالی حسین چھوٹی سی  
عمر ابھی جس کی دس برس کی ہے      ایک لکڑی کے پل پہ بیٹھی ہے  
غور سے اک طرف بجائے نظر      رکھے رخسار کو، متنتیلی پر  
سر پہ آنچل پڑا ہے ساری کا      داہنے ہاتھ میں ہے جس کا سر  
نرم گردن میں خم کلائی میں بل      ناک میں کیل، آنکھ میں کابل  
رخ پہ زلفیں، نگاہ میں بچپن      جیسے دھیمی بھوار میں گلشن

کاش جا کر بابوؤں سے، جوشِ ایہ پوچھے کوئی  
جنگلوں میں کٹ رہی ہے کس طرح سے زندگی؟

پانی تھی کس شہر میں تعلیم؟ رہتے تھے کہاں؟ ساتھ کے کھیلے ہوؤں کا یاد ہے نام و نشان؟  
کس جگہ طالع ہوئی تھی، نوجوانی کی سحر؟ روز و شب کن صحبتوں میں عمر ہوتی تھی بسر؟  
رات دن رہتا تھا جن کی، و نقول کو کام یاد ہیں کیا اب بھی اُن مڑتی ہوئی گلیوں کے نام

سچ کہو اُٹھتے ہیں جب بادل اندھیری رات میں  
جب پہپاگوک اُٹھتا ہے بھری برسات میں  
شب کو ہوتا ہے گھنے جنگل میں جب بارش کا زو  
سایاں بھگی ہوئی راتوں میں جب کرتا ہے شور  
روح تو اُس وقت فرطِ غم سے، گھبراتی نہیں؟  
تم کو اپنے عہدِ ماضی کی تو یاد آتی نہیں؟



## بدلی کا چاند

خورشید، وہ دیکھو ڈوب گیا، ظلمت کا نشان لہرانے لگا  
 ہتھاب وہ ہلکے بادل سے، چاندی کے ورق برسانے لگا  
 وہ سائوے پن پر سداں کے، ہلکی سی صباحت دوڑ چلی  
 تھوڑا سا ابھر کر بادل سے، وہ چاند جس جھلکا نے لگا  
 لو، ڈوب گیا پھر بادل میں، بادل میں وہ خط سے دوڑ گئے  
 لو، پھر وہ گھٹائیں چاک ہوئیں، ظلمت کا قدم تھرانے لگا  
 بادل میں چھپا، تو کھول دے، بادل میں دریچے ہیرے کے  
 گردوں پہ جو آیا، تو گردوں دریا کی طرح لہرانے لگا  
 سمٹی جو گھٹا، تاریکی میں چاندی کے سفینے لے کے چلا  
 سنکی جو ہوا، تو بادل کے گرداب میں غوطے کھانے لگا  
 غُرفوں سے جو جھانکا گردوں کے، امواج کی نبضیں تیز ہوئیں

رُخ پہ جو عین سی زندگانی کی جھلکیاں طفلی و جوانی کی  
 کیوں میں گم ہوں اُسے نہیں معلوم یہ فراغت ہے کس قدر مصوم  
 ڈھیر ہیں زرد زرد چھوٹوں کے سامنے جھنڈ ہیں ببولوں کے  
 شمع سی اک جلائے دیتی ہے خود بخود مسکرائے دیتی ہے  
 کوئی دنیا میں کہہ نہیں سکتا کیوں کر اس کا شباب گزر سکا  
 اس کے حال ایشیب کیا ہوں گے ہم تصور میں لا نہیں سکتے  
 اب بھی کہہ سکتے ہیں مگر اتنا کہ اُسے جب یہ یاد آئے گا  
 کہ مرے مایکے کے ویرانے یوں سناتے تھے شرب کو افسانے  
 کتنی دھوئیں مچائی جاتی تھیں کھیتیاں جب نکائی جاتی تھیں  
 شام ہوتی تھی کتنی خوش منظر بیٹھتی تھی میں جا کے جب پل پر  
 صبح یوں روز مسکراتی تھی شام اس طرح گنگناتی تھی  
 ہوک سی اک اُنھے کی سینے میں دل سے پنکس کی خون کی بوندیں  
 نہ تو جا گے گی، اور نہ سوئے گی

دیر تک سر جھکا کے روئے گی!

## موج عرفان

ہوائے سرد سے سرشار ہے زمین ویا  
 کھڑا ہوا ہوں میں خاموش اک پہاڑی پر  
 غروبِ اہلِ دُور جیسے چشمِ شاعر میں  
 نہیں حکمتی ہے رہ رہ کے ابر میں کبلی  
 بلند و پست چلتی ہوئی چٹانوں پر  
 ہوائے غم کے تھپیڑے، ارے معاذ اللہ  
 باطنِ منظرِ ہستی لپٹی جاتی ہے  
 زباں ہو جن کے تصور سے ریشہ بر اندام  
 فضا ئے چرخ پہ چھایا ہوا ہے ابر بہار  
 مچل ہی ہے تنہا، کہ پڑ رہی ہے پھوار  
 پہاڑیوں کے نظر آ رہے ہیں یوں مینا  
 تڑپ رہی ہے یہ تھم تھم کے رُوحِ ابر بہار  
 کھنک رہی ہیں یہ بوندیں، کنج رکھتا  
 دماغ گنگ ہے اور ہور ہا ہے دل بیدار  
 کہ اٹھ رہا ہے بتدریج پردہ اسرار  
 تڑپ رہے ہیں مناظر میں وہ لطیف اشعار  
 بس اے ندیم! کچھ اب جوش کہہ نہیں سکتا  
 کہ حُسنِ شاہدِ معنی سے ہے نگاہ دوچار

حلقوں میں جو دوڑا بادل کے، کہسار کا سر چکرانے لگا  
 پردہ جو اٹھایا بادل کا، دریا پہ تبسم دوڑ گیا  
 چلن جو گرائی بدلی کی، میدان کا دل گھبرانے لگا  
 اُبھرا، تو سجتی دوڑ گئی، ڈوبا تو فلک بے نور ہوا  
 اُلجھا، تو سیاہی دوڑا دی، سلجھا تو ضیا برسانے لگا  
 کیا کاوش نور و ظلمت ہے، کیا قید ہے، کیا آزادی ہے  
 انساں کی تڑپتی فطرت کا مفہوم سمجھ میں آنے لگا



## دعائے سحری

علی الصُّباح کہ سَنُو لا چلا تھا چہرہ ماہ  
 بساطِ ارض و فضا ئے سما ہستی نِرم و رقیق  
 رواقِ منظرِ گل تھا، نشینِ فردوس  
 جبینِ ذرہ خاکی تھی جلوہ گاہِ عقیق  
 صبا کے رقص میں تھا لجنِ مطربانِ چمن  
 چمن کے صحن میں تھی بُوئے دوستانِ رفیق  
 اُفقِ پستی فطرت کی جاں فروز شراب  
 چمن میں لالہ اُسم کا زرفشاں ابریق  
 صدائے نئے سے پریشاں تھے شہروانِ جہاں  
 لوائے مہر سے لرزاں تھے قاطعانِ طریق

## گاتی ہوئی راہیں

چھاؤں میں تاروں کی مٹی میں مجھے گاتی ہوئی      راہیں کھیتوں کے کنارے، ہیچ و خم کھاتی ہوئی  
 کوہ و صحرا کو سناتی ہیں حدیثِ رنگ و بُو      پتلی پتلی ٹہنیوں پر مُتسریاں گاتی ہوئی  
 اُوس میں ڈوبی ہوئی چلتی ہے متوالی ہوا      کُنج میں چھپتی ہوئی عُنجوں کو چٹکاتی ہوئی  
 پھوٹتی ہے عشوہ ترکانہ سے پہلی کرن      نبضِ خار و خس میں خونِ گرم دوڑاتی ہوئی  
 چرخ سے آتی ہے رہ رہ کر صدا "روشن نگاہ"      خواب سے اُٹھتی ہیں کلیاں ناز فرماتی ہوئی

پھوٹتی ہے یوں کرن جیسے کوئی کمینِ عروس

آہی ہو کھیلتی کنگن سے شرماتی ہوئی

## گرمی اور دیہاتی بازار

دوپہر، بازار کا دن، گاؤں کی خلقت کا شور  
 خون کی پیاسی شعاں، رُوحِ فرساؤ کا زور  
 آگ کی رو، کاروبارِ زندگی کا بیچ و تاب  
 تندرستے، سُرخِ ذرّے، گرم جھونکے، آفتاب  
 شور، بچل، غلغلہ، ہیجان، ٹو، گرمی، غنبار  
 بیل، گھوڑے، بکریاں، بھیڑیں قطار اندر قطار  
 مکھیوں کی بھنبھناہٹ، گڑ کی بو، مریچوں کی دھانس  
 خرپڑے، آٹو، کھلی گیہوں، کدو، تر بوز، گھانس  
 دُھوپ کی شدت، ہوا کی ٹوڑشیں، گرمی کی رو  
 مکلیوں پر سُرخ چانول، ٹاٹ کے ٹکڑوں پہ جو

تجلیات میں تھی دفنِ شورشِ حکمت  
 تخیلات میں تھا مردہ فیتنہ تحقیق  
 ہجومِ نور سے سوزاں تھا دیدہ تکذیب  
 نسیمِ صبح سے روشن تھی مشعلِ تصدیق  
 بلند و پست کا ہر زیر و بم تھا ہم آہنگ  
 حیات و موت کے ہر سلسلے میں تھی تطبیق !  
 تڑپ رہی تھی فضاؤں پہ گادشِ ایجاد  
 رواں دواں تھا ہواؤں میں جاذبِ تخلیق  
 فلک کے دوش پہ غلطیدہ تھے رموزِ خفی  
 صبا کی موج میں رقصاں تھے نکلتے ہائے دقیق  
 یہ رنگ دیکھ کے بے ساختہ پکارا دل  
 کہ کاش جلوہ جاناں میں ہو نہ اب تعویق  
 نزاکتِ دل اہل جنوں کا پاس کریں  
 بہتانِ زہرہ جہیں کو خدا یہ دے توفیق !



آسماں پر ابر کے بھٹکے ہوئے ٹکڑوں کا رم  
 نشے میں مُسک کا جیسے وعدہ جو دو کرم  
 ہر روش پر چڑچڑاپن، ہر صدا میں بے رخی  
 ہر جگہ بھبھکتا ہوا، ہر کھوپڑی پکتی ہوئی  
 سر پہ کافر دھوپ، جیسے روح پر عکس گناہ  
 تیز کرنیں، جیسے بوڑھے سود خاروں کی نگاہ!



گرم ذروں کے شہزادے، جھکڑوں کی سختیاں  
 جھکڑوں میں کھانستے بوڑھوں کی چلوں کا دھول  
 ناؤں کے کاندھوں پہ بچے گرونیں ڈالے ہوئے  
 بھوک کی آنکھوں کے تارے، پیاس کے پالے ہوئے  
 بام و در لرزے ہوئے، خورشید کے آفات سے  
 ہر نفس اک آنچ سی اٹھتی ہوئی ذرات سے  
 مرد و زن گردش میں چلوں کی صدا سنتے ہوئے  
 چلچلاتی دھوپ کی رو میں خنے بھٹتے ہوئے  
 میان سے موسم کی تیغ بے آماں نکلی ہوئی  
 پیاس سے انسان و حیوان کی زباں نکلی ہوئی  
 لو کے مارے بام و در کی رُوح گھبراہٹی ہوئی  
 دوستوں کی شکل پر بیگانگی چھپائی ہوئی  
 یوں شعاعیں سایہ اشجار سے چھنتی ہوئی  
 بے مروت کی سپاٹ آنکھوں کی جیسے روشنی

# قریب سے

صبح کے تارے سے تھی گلزنگ گردوں کی حبس  
 مست تھی موجِ صبا، کلیاں ابھی چٹکی نہ بھتیں  
 آسمان پر کیف طاری تھا، زمیں پر بے خودی  
 جھک چلا تھا چاند بھکی پڑ چلی تھی چاندنی  
 ایک ہلکا سا تبسم تھا، درو دیوار پر  
 جیسے میٹھی نیند کا جاؤ درخ گلزار پر  
 گر رہے تھے گنبدِ افلاک سے بے اختیار  
 خاک پر سیال چاندی کے ہزاروں آبشار  
 آ رہی تھی نغمہ قدموں سے نسیمِ دل نواز  
 سرنگوں تھے بوستاں، کلیاں تھیں محوِ خوابِ ناز

## اُکتارے کا جادو

برق پرور زندگی وابستہ صدر پہنچ و تاب  
 حاشیے پر شہر کے، اک باغ، ویران و تباہ  
 گامزن اُس راستے پر ایک پیر ناتواں  
 تند روجھونکوں کے شانے پر حرارت کا دُبا  
 لرزشوں سے تاری کی پھکی فضا میں اک لک  
 دے تو دوں تشبیہ، لیکن کس کو آئے گالقیں  
 اِس منے کے ساتھ جاں افروز تانیں مُضحل  
 یوں لرزتے ساز کے جھن شعبے دلنشین  
 اُستروں میں، جھٹپے کے وقت کی سی آجُو  
 راگنی کی نرم لہریں، جاگتی سوتی ہوئی  
 ذرہ ذرہ اک نئے سانچے میں دھسنے کے قریب

ابری باریک چادر، دو پہر کا آفتاب  
 باغ کے دامن میں اک اُجڑی ہوئی سُسی شاہراہ  
 بات میں "اُکتارہ" لب پر راگنی کی کسکیلا  
 جن میں "اُکتارے" کی آوازوں کا بے پڑا ہوا  
 ابتداء عشق میں جس طرح نبضوں کی دھمک  
 آنسوؤں کی راگنی سے انجمن واقف نہیں  
 کر دیں سینے میں لے جس کرکب شاعر کا دل  
 پینگ لے جس طرح کوئی فتنہ دُنیا و دیں  
 زیر و بم کے لوج میں رفتارِ نبض آرزو  
 بہہ رہی میں پر وہ بٹے دل سے سُن ہوتی ہوئی  
 عالم اسباب ہے گویا گھٹنے کے قریب

## آئنا حِمال

ابر کے لگے نہیں، سبزے کی زیبائی؟ نہیں  
 وہ مناظر، خوش ہو جس سے عام بینائی؟ نہیں  
 خشک، چٹیل، کھڑو را میدان، تاحِ رِنگا ہ  
 سرور، محزون، مضحل، لب خشک، بے رونق، تباہ  
 ہر طرف اک منظرِ انسردگی، کلیاں، نہ پھول  
 چند سوکھی جھاڑیاں، اک آدھ بے پروا ببول  
 بجائے اجڑے ہوئے پامال کھیتوں کے نشان  
 کھپ چکی ہیں عارضِ عالم میں جن کی سُرخیاں  
 خون تھا جن کا، نقوشِ مدعا کے واسطے  
 مٹ چکے تھے جو تمدن کی بقا کے واسطے  
 گاؤں کے شیشوں سے اڑ کر جن کے جلوؤں کی شراب

صبح کے چہرے پہ تھی ہلکے دُھندلکے کی نقاب  
 گارہا تھا بھیر دیں، میٹھے سُروں میں ماہتاب  
 آرہی تھی آسمانوں سے فرشتوں کی صدا "کیا سہانا وقت ہے صلّ علی صلّ علی"  
 اِن صداؤں سے مگر میں کھا رہا تھا پیچ و تاب  
 اور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ابھرا آفتاب  
 شکر کے سجدے کئے میں نے، کہ دشمن پہ گئے  
 خیریت گزری، کہ قصے بڑھتے بڑھتے رہ گئے  
 میری معشوقہ پہ یہ بے عقل مرنے آئے تھے  
 کیا سمجھ کر صبح کی تعریف کرنے آئے تھے؟  
 میں تھا جب موجود، پھر یہ گانے والے کون تھے؟  
 میری سرحدیں فرشتے آنے والے کون تھے؟



## ذی حیات مناظر

خاموشی دشت پہ جس وقت کہ چھا جاتی ہے  
 بھینسی بھینسی سی مچھلتی ہے فضا میں خوشبو  
 دشت خاموش کی اجڑی ہوئی راہوں کے مجھے  
 پاس آکر مے لگاتی ہے کوئی زہرہ جمال  
 آنکھ اٹھاتا ہوں تو خوش چشم نظر آتے ہیں  
 دشنہ رکھ دیتا ہے گھبرا کے رگِ جان پہ کوئی  
 مسکراتی ہے جو رہ رہ کے گھٹنا میں سجدی  
 کرنے لگتے ہیں نظائے سے جو بادل یوں  
 جھاڑیوں کو جو ہلاتے ہیں ہوا کے جھونکے  
 مجھ سے کرتے ہیں گھنے باغ کے سائے تہیں  
 لنگھاتے ہوئے میدان کے سناٹے میں  
 عمر بھر جو نہ سنی ہو وہ صد آتی ہے  
 ٹھنڈی ٹھنڈی لبِ ساحل سے ہو آتی ہے  
 جادہ پیاؤں کے قدموں کی صدا آتی ہے  
 اور گاتی ہوئی پھر دُور نکل جاتی ہے  
 سانس لیتا ہوں تو احباب کی بو آتی ہے  
 جب کلی خاک پہ دم توڑ کے گر جاتی ہے  
 آنکھ سی کوہ و بیاباں کی جھپک جاتی ہے  
 برق آہستہ سے کچھ کان میں کہہ جاتی ہے  
 دلِ شبنم کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے  
 ایسی باتیں کہ مری جان پہ بن جاتی ہے  
 آپ ہی آپ طبیعت مری بھر آتی ہے

بن چکی ہے دخترانِ شہر کے چہروں پر آب  
 ہو چکی ہیں ختم، گو، اس خاک کی رنگینیاں چشمِ شاعر پر مگر اب بھی ہیں کچھ صلیبے عیاں  
 اب بھی غلطاں ہے یہاں، دیکھ اے نگاہِ نکتہ یاب!  
 پھول چنے والیوں کا شند، متوالا شباب  
 گیت کھیتوں کی منڈیروں پر کبھی گائے ہوئے  
 پھر رہے ہیں صحنِ خاموشی میں گھبرائے ہوئے  
 جذب ہے اس خارخوس میں موسمِ گل کا گداز  
 دفنِ ان ذروں میں ہیں نوخیز چرواہوں کے راز  
 کیتی تانوں کے یہاں منڈلا رہے ہیں زیرِ وبم  
 سو رہے ہیں کس قدر اس خاک میں نقشِ قدم  
 دخترانِ دشت کی رنگینیاں ہیں جلوہ گر  
 کھیتوں کے، آنکھ جھپکاتے ہوئے آثار پر  
 اس فضا میں، ابر کی ہے جس کو یاد آئی ہوئی  
 پھر رہی ہے غنچگی کی رُوح گھبرائی ہوئی  
 رنگ و بو ہے عہدِ رنگیں کے گز جانے کے بعد کہہ رہے ہیں خارخوس، افسانہ، افسانے کے بعد



# گھٹا

اُنھی گھٹاؤہ رنگ و بو کا کاررواں لئے ہوئے  
 لئے ہوئے پیام جاں ہر ایک رس کی بوندیں  
 لئے ہوئے ہوا کے نرم بازوؤں پہ بوستاں  
 دھواں دھواں لئے ہوئے بندیلوں پر چرخ کی  
 زمین تشنہ کام کی جگاہیوں کے سامنے  
 دفترِ رموز و ساز میں ہجوم پہنچ و تار سے  
 ہر ایک سوراخ و داں کبھی یہاں کبھی ہاں  
 صدائے برق و رعد میں، ہوئے تند و تیز میں  
 ہوا میں ایندھنی ہوئی فضا میں جھومتی ہوئی  
 بہشتِ حسن و عشق کو، جہانِ قفس و کیف کو  
 حرمِ کیف و سرخوشی میں پیر و ہائے رنگ میں  
 جلو میں کائنات کی، جوانیاں لئے ہوئے  
 ہر ایک رس کی بوندیں پیا جاں لئے ہوئے  
 ہوا کے نرم بازوؤں پہ بوستاں لئے ہوئے  
 بندیلوں پہ چرخ کی دھواں دھواں لئے ہوئے  
 شرابِ لالہ رنگ کی گلابیاں لئے ہوئے  
 رقیق و نرم دامنوں میں چکیاں لئے ہوئے  
 بتانِ شمع و شنگ کی شہریاں لئے ہوئے  
 نزارِ عشق و ہوش کی کہانیاں لئے ہوئے  
 تحل و شکیب کی تباہیاں لئے ہوئے  
 فضاے آب و رنگ میں کشاں لئے ہوئے  
 سُبُود و شُمنگوں کی مستیاں لئے ہوئے

یوں نباتات کو چھوٹی ہوئی آتی ہے ہوا      دل میں ہر سانس سے اک پھانسی سی چھب جاتی  
جب ہری دُوب کے مڑ جاتے ہیں نازک ریشے      شیشہ قلب میں اک ٹھیس سی لگ جاتی ہے  
بانسری جیسے بجاتا ہو کہیں دُور کوئی      یوں بے پاؤں بیاباں سے ہوا آتی ہے  
حسرتیں خاک کی غنچوں سے اُبل پڑتی ہیں      رُوح میدان کی پھولوں سے نکل آتی ہے  
طبع شاعر کو روانی کا اشارہ کر کے      بہر شاخوں کے گھنے سائے میں سوجاتی ہے

ان مناظر کو میں بیجان سمجھ لوں کیوں کر؟

جوش! کچھ عقل میں یہ بات نہیں آتی ہے



## موجوم آواز

فلک پر رات کو چھائی ہوئی تھیں بدلیاں ہم دم  
 ہوا نناک تھی، میدان تھا نگیں، چاندنی مدھم  
 مہتاباں کی کشتی، آسماں تھم تھم کے کھیلتا تھا  
 ہجوم دروئے رُک رُک کے میدان سانس لیتا تھا  
 گھٹائیں چاند کو سپہ جلاتی تھیں، مجھباتی تھیں  
 تمناؤں کی شمعیں طاقِ دل میں جھللاتی تھیں  
 بلا کی لہجہیں تھیں، مضمحل میدان پر طاری  
 تجلی سے کبھی ہلکا، سیاہی سے کبھی بھاری  
 رواں مشرق سے مغرب کی طرف اُمدے ہوئے بادل  
 ہوا کی سنناہٹ، دل کی جُنش، چاند کی ٹھپل !  
 ہجوم تیرگی سے تھی وہ حالت ماہ و پروں کی

آوا ناز و دلبری کی رنگ بیز چھاؤں میں      نئی نئی جوانیوں کی جھلکیاں لئے ہوئے  
 لیئے ہوئے ہواؤں پر سیاہ و سرخ کشتیاں      ہوائے تندرستیوں کے بادباں لئے ہوئے  
 لیئے ہوئے بلند یوں پہ و لو لے حیات کے      حیات بخش و لو لے بندیاں لئے ہوئے  
 سیاہیوں کے سلسلے میں، تیرگی کی موج میں      جنوں فروش کاکلوں کی دٹاں لئے ہوئے  
 رگدھر ہے جوش؛ بدلیاں رواں ہیں کئے میکہ  
 سیاہیوں کے حاشیے پہ سرخیاں لئے ہوئے



# جذباتِ فطرت

پہاڑ کی صدا

مرے وادی میں ہے ٹھوہلوں کی دُنیا  
اُبلتا ہے مرے پہلو سے چشما  
مرے دامن میں ہے شفاف دریا  
مری چوٹی پہ قدرت کا تماشا  
ادھر آ، اے مرے شاعر ادھر آ

دریا کی صدا

مری لہروں میں بجلی کا خزانہ  
مری رُو میں محبت کا فسانہ  
مرے دھارے میں عظمت کا ترانہ  
مرے گرداب میں جنگ و چٹانہ  
ادھر آ، اے مرے شاعر ادھر آ

رُخِ رنگیں پہ جیسے جھلکیاں سی خوابِ نوشیں کی  
 گھٹاؤں میں تھے شرمائے ہوئے یوں چاند کے عشق سے  
 دلِ توبہ شکن میں ، ذوقِ استغفار ہو جیسے  
 نظر آتا تھا گھبرا یا ہوا ، یوں چاندِ بادل میں  
 کوئی سہمی ہوئی دوشیزہ جیسے شرب کو خجل میں  
 ہجومِ ابر سے مجروح تھی یوں چاند کی شوخی  
 کہ جیسے عظمتِ شاعر کے حق میں زندگی اُس کی  
 گھٹائیں ، اور گھٹاؤں کے شگافوں سے صنم کاری  
 تلاطمِ نیند کا ، اور نیند میں ہلکی سی بیداری  
 تگ و دو کا ہوا ، جب حکم دیتی تھی اشاروں سے  
 گھٹا ، شانہ لڑا دیتی تھی جھک کر کوہساروں سے  
 جنوں انگیز و نامعلوم ، ان لمحوں کی طغیا نی  
 نہ پوچھائے ہم نشیں ! اُس وقت کی آشفۃ ساما نی  
 قیامت خیز سناٹا ، کسی کا نام لیتا تھا کوئی رہ رہ کے دل کو دُور سے آواز دیتا تھا

## ستارہ سحری کی صدا

پُجاری ہیں مرے "فطرت کے عاشق  
مری خُنو، وقتِ نازک کے مطابق  
مرا ہلکا سا پرتو، جانِ مشرق  
حسین مجھ سے جبینِ صبح صادق  
ادھر آ، اے مرے شاعر ادھر آ



## شفق کی صدا

مرے عارض میں گُندن کی دُکا ہے  
مری چادر میں کوندے کی لپکا ہے  
مرے سینے میں عرفاں کی جھلکا ہے  
مرے آغوش میں تارِ نکاح کا ہے  
ادھر آ، اے مرے شاعر ادھر آ

## طلوعِ سحر کی صدا

مرے آنسو میں تصویرِ حبا ناں  
 مرے دربار میں حویریں غزلِ نوحان  
 مرے رخسار میں انوارِ امیاں  
 مرے اوراق میں اسرارِ عرفاں  
 ادھر آئے مرے شاعر ادھر

## غروبِ آفتاب کی صدا

مری تاریکیوں میں یاس و حرماں  
 گدا زِ دل کے مجھ میں ساز و ساماں  
 مری سُرخچہ میں سوزِ برق، پہناں  
 خموشی سے مری سنسان میداں  
 ادھر آئے مرے شاعر ادھر



## آدھی رات کی صدا

مرے تاروں کی گردش سازِ عشرت  
 مری خاموشیوں میں عقل و حکمت  
 تصورِ دوست کا، میری بدولت  
 قلمروے مری خارج ہے محنت  
 ادھر آ، اے مرے شاعر ادھر آ



## فصلِ گل کی صدا

مری محفل میں بلبل کا ترانہ  
 دلوں کی زندگی، میرا فسانہ  
 ہوائیں میری، خوشبو کا خزانہ  
 محبت خیز ہے میرا زمانہ  
 ادھر آ، اے میرے شاعر ادھر آ

## چاند کی صدا

زمین و آسمان مجھ سے منور  
 بجھی ہے نور کی ہلکی سی چادر  
 خنک مجھ سے گل انداموں کے بستر  
 مری منو سے جھلکتا ہے سمندر  
 ادھر آ اے مرے شاعر ادھر آ



## آفتاب کی صدا

فلک پر دائرہ مسیرا مزمین  
 سحر کے ہاتھ میں سونے کا کنگن  
 کرن میری نگاہ شوق و پُرفن  
 مرے آتے ہی جاگ اٹھتے ہیں گلشن  
 ادھر آ اے مرے شاعر ادھر آ

# گریہ مہسرت

آج تڑکے، الحفیظ والا ماں  
 دیدنی تھی نرم پودوں کی لچک  
 ظلمتیں تھیں نور سے گرم ستیز  
 سامنے تھیں پتھروں کی حسرتیں  
 جزر و مد میں تھی بغیر طاعنطراب  
 رُوح طوفاں در بغل، کف در دہاں  
 جھاگ اڑاتی، پچاندتی، اڑتی ہوئی  
 چلبلی، ابھری ہوئی، نکبھری ہوئی  
 بجلیاں دامن میں چمکاتی ہوئی  
 اس طرف سے اُس طرف ہوتی ہوئی  
 گرتی پڑتی ہست، سر دھنتی ہوئی  
 دوستو! عثمان ساگر کا سماں  
 بدلیاں چھائی ہوئی تھیں دُور تک  
 دلولوں پرستی ہو اے تند و تیز  
 نرم و نازک جھاڑیوں کی شکل میں  
 ساغر عثمان ساگر کی شراب  
 لُونُو، کس طرح تھیں موجیں رواں  
 کپکپاتی، لوٹتی، مڑتی ہوئی  
 چختی، سر پھوڑتی، ابھری ہوئی  
 دم بدم آتی ہوئی، جاتی ہوئی  
 پتھروں کو چھانٹتی، دھوتی ہوئی  
 مرعش قالین سبُستی ہوئی

## سمندر کی صدا

مری موجوں میں مضطرب روح طوفاں  
 مرے سینے میں جوشِ ابر باراں  
 مری تہ میں ہزاروں رازِ پنہاں  
 مری تشریح میں ہر عقل حیراں  
 ادھر آ، اے مرے شاعر ادھر آ



## پھول کی صدا

چمن کا حُسن ہوں گلشن کا زیور  
 مرا عاشق ہے جوشِ رُوح پرور  
 مری ہر پیکھڑی نغمہ و معطر  
 مرے کالوں میں ہیں شبنم کے گوہر  
 ادھر آ، اے مرے شاعر ادھر آ

# اسلامیات

کفر چو منہ گزاف آسان نہ شود  
محکم از ایمان من ایماں نہ شود  
درد ہر چو من یکے و آنہم کافر  
پس درد و جہان یکے مسلمان نہ شود

(خیام)

زیرِ دم کا تار دکھلاتی ہوئی      اٹھ کے بڑھتی، گر کے چکراتی ہوئی  
 لنگھاتی، صاف بصف آتی ہوئی      لڑتی بھڑتی، گونجتی، گاتی ہوئی  
 مچھلیوں کو درسِ غم دیتی ہوئی      ہچکیوں پر ہچکیاں لیتی ہوئی  
 ساحلِ رنگیں سے ٹکراتی ہوئی      اینٹتی، اٹھلاتی، بل کھاتی ہوئی  
 دسمدم تنہی ہوئی، روتی ہوئی      ہلتی، کتراتی، جدا ہوتی ہوئی  
 جابجا دلدل میں کا جل پارتی      چوڑی بھرتی چھلانگیں مارتی  
 پے بہ پے غاروں کے اندر گھومتی      ناچتی حلقے بناتی جھومتی  
 بلبلائی، بھاگتی منہ موڑتی      مڑ کے پھر ساحل پہ موتی توڑتی  
 گاتی، لہراتی، گرجتی، ہانپتی      دوڑتی، بڑھتی، سمٹتی، کانپتی

تو کہے دریا میں تھا غرقِ منو

یار کی کڑیل جوانی کا ہو

یہ سماں تھا، اور اک رنگیں پرند      رُوحِ شاعر کی طرح بے قید و بند  
 بے خودی کے جام چھلکاتا ہوا      گزرا میرے پاس سے گاتا ہوا

نغمہ سُن کر اس قدر جی خوش ہوا

ہچکیاں لے لے کے میں رونے لگا

# ان خدا

اے خدا! سینہٴ مسلم کو عطا ہو وہ گداز      تھا کبھی حمزہٴ وحید رکا جو سرمایہٴ ناز  
پھر فضا میں تری تکبیر کی گونجے آواز      پھر اس انجام کو دے گرمی روح آغاز

نقشِ اسلام ابھر جائے، جلی ہو جائے

بہرِ مسلمان حسینؑ ابنِ علیؑ ہو جائے

دشتِ اسلام کے کانٹوں کو گلستاں کرے      پھر ہمیں شیفۃٴ جلوۂ ایماں کر دے

دل میں پیدا پیشِ بوذر و سماں کرے      اپنے محبوب کی سو گند، مسلمان کر دے

رُوحِ شبِ تار کا سینہ ہو جائے

آگینے کو وہ چمکا کہ نگینہ ہو جائے

دے ہمیں بارِ خدا! جرات و بہت کے صفا      دل کو یوں چھڑ کہ پھر جاگ اٹھیں احساسات

پھر سے ہوں تازہ رسولِ عربی کے غرِ نوا      درسِ مومن کو یہ دے موت ہے تکمیل حیات

جاوہِ پیاؤں کو چھوٹا ہوا صحرا دیدے

قیس کو پھر خلشِ ناقہ لیلے دیدے

ہاں خود وزرہ بھی تو ہے اسلام کا زیور  
باندھے گا فقط جامہ احرام کہاں تک  
(جوش)



# ذاکر سے خطاب

ہوشیار اے ذاکر! فطرۃ فطرت! ہوشیار مروتی اندیشہ، اور باطل سے ہوزار و نزار  
ضعف کا احساس، اور مومن کو یہ کیا خلفشار لا فتی، الا علی، لا سیف الا ذو الفقار

جو حسینی ہے، کسی قوت سے ڈر سکتا نہیں

موت سے ٹکرا کے بھی ساوت مر سکتا نہیں

تو نہیں روح شہید کر بلا سے بہرہ مند تیرے شانوں پر تو زلفِ بزدلی کی ہے کند  
سخت استعجاب ہے اے پیشہ ور ماتم پسند پیرِ ضعیف کے سینے میں ہو قلبِ گو سفند

۱۔ ذاکر! پرچخت اور غلامِ ہند و سان کا جو خود اپنی وصیت سے برباد اور اپنے ہی بوجھ کے نیچے کچلا ہوا ہے، ایک ایسا سست رگہ اور زہریلا  
فطرتِ فرد ہے، جو (۱) واقعات کو بلا کر، صحت و عدمِ صحت سے بے نیاز ہو کر اور روحِ شہادتِ امام سے بیگانہ رہتے ہوئے، ماہِ محرم کی محسوسات  
میں محض اس لئے بیان کرتا ہے کہ سامعین روتے روتے بے ہوش ہو جائیں۔

۲۔ اس شدت کے ساتھ ٹرانے کی، اچھی طرح مول تول کر کے، نفیس بھی لیتا ہے۔

۳۔ نفیس کے ساتھ ساتھ "انعام و تحائف" کے واسطے بھی غیر مفعولاً طور سے مقرر ہوتا ہے۔

۴۔ اس ناجائز نفیس اور ان نام و اتحائف کو شرمناک جمود اور عبرت انگیز جے جی کے ساتھ اپنے ہی نفس کی خاطر دوسرے محرم تک صرف  
کرتا رہتا ہے۔

۵۔ بہت کو میدان کرنے کے عوض چھٹکتا اور رویاں دیتا ہے، اور فاحش و مجنونانے کے بدلے بزدل و مظلومانے کی سعی میں سرگرم رہتا ہے۔

۶۔ شہیدِ باغی کی قربانی کے مغز اور روح کو خلعت کی قطروں سے بعد ہزار اہتمام غفلت رہتا ہے۔

۷۔ حق کی طرف شفقت نہیں ہوتا اور باطل سے بید ڈرتا ہے۔

۸۔ اور اپنے ان خدمات کا صلہ پانے کے لئے آستانِ حکومت پر بھی تاحصیہ فرمائی کرتا ہوا دکھایا جاتا ہے۔

پھر بہا آئے، مے ناب پری ہو جائے      پھر جہاں محشر صد جلوہ گری ہو جائے  
دے وہ چھینٹے کہ ہر اک شاخ ہری ہو جائے      زور آندھی کا نسیم سحری ہو جائے

طبعِ افسردہ کو پھر ذوقِ روانی دیدے

اس زلیخا کو بھی معبود جوانی دیدے

ہم کو سمجھا کہ تلامطم میں ٹہرنا کیسا؟      نشہ بادۂ جرات کا اُترنا کیسا؟  
موت کیا شے ہے، بھلا موت ڈرنا کیسا؟      کوئی اس راہ میں مرنے بھی ہو مرنے کیسا؟

مُر کے بھی خون میں یوں موج بٹا آتی ہے

کہ اہل سامنے آتے ہوئے شرماتی ہے

صبحِ اسلام پہ ہے تیرہ شبی کا پر تو      لبِ سلم سے ہٹا تیشہ لبی کا پر تو  
کانپ کر ماند ہو راحت طلبی کا پر تو      ڈال سینوں پہ رسولِ عربی کا پر تو

غل ہو وہ حوصلہ شوق دوبارا نکلا

وہ چمکتا ہوا اسلام کا تارا نکلا

زندہ کس طور سے رہتے ہیں بتا دے ہم کو      عقل حیراں ہو وہ دیوانہ بنا دے ہم کو  
سوئے میخانہ تو حیدرِ صدا دے ہم کو      عشق کا ساغر لب سیز پلا دے ہم کو

کچھ ہوں اُس وقتِ بحرِ شرک میں اپنی  
جب یلین ساقی کو شر سے نگاہیں اپنی

چشمہ دولت ہے تیرا سیلِ مشکِ بے قلق      خون کی چادر سے سونے کے بنا تا ہے ورق

خانہ یرباد ہے دولتِ سرا تیرے لئے

اک دُفینہ ہے زمینِ کربلا تیرے لئے

کیا بتاؤں، کیا تصور تو نے پیدا کر دیا      غیرتِ حق کو بھلا کر، حق کو رسوا کر دیا

کربلا و خونِ مولیٰ کو متاسا کر دیا      ”آبِ رُکنا باد“ دُستانِ ”مُصلّے“ کر دیا

مشقِ گریہ، عیش کی تہید ہے تیرے لئے

عشرہ ماہِ محرم، عید ہے تیرے لئے

سوچ تو کچھ جی میں اے مُشتاقِ راہِ مستقیم      مومنوں کے دل ہوں اور دامادہ اُمیدِ دیم

شدتِ آہ و بکا سے دل ہوں سینوں میں دُفینم      کیوں، یہی لے دے کے تھا کیا مقصدِ فوجِ عظیم؟

خوف ہے قربانیِ اعظمِ نظر سے گرنے جائے

ابنِ حیدر کے لہو پر دیکھ، پانی پھر نہ جائے

سازِ عشرت ہے تجھے ذکرِ امامِ مشرقین      دُعا تا ہے تیرے سکے، بستگانِ غم کا بین

تیری دارِ الضرب ہے اہلِ عزاکا شور و دُشمن      سر جھکالے شرم سے اے تاجرِ خونِ حُسن

ذہن میں آتا ہو جس کا نام تلواروں کے ستارے

اُس کا ماتم اور ہر سیکوں کی جھنکاروں کے ستارے

ننگ کا موجب ہے یہ اہل وفا کے واسطے

یوں نہ ماتم کر شہید کر بلا کے واسطے

مانع شیون نہیں میرا پیام مستقل گریہ فطری شے ہے، شمن پر بھی بھرتا ہر دل  
دل نہیں پتھر ہے ہوئی پر نہ ہو جو متصل گریہ مومن سے ہے، ترسین بزم آب و گل

کون کہتا ہے کہ دل کے حق میں غم اچھا نہیں

پھر بھی شغل گریہ نصب العین بن سکتا نہیں

ہاں میں واقف ہوں کہ آنسو ہے وہ تیغِ ابداء سنگِ آہن میں اتر جاتی ہے جس کی نرم دھما  
ہے مگر مردانگی کو اُن خنک آشکوں سے عا جن کے شیشوں میں نہ غلطاں ہوں شجاعت کچھ نثر

اشک، بے سوز دروں پانی ہے، ایام کی قسم

قلبِ بنم پر شعاعِ ہر تاباں کی قسم

سوچ تو اے ذاکرِ افسردہ طبع و نرم خو آہ تو نیلام کرتا ہے شہیدوں کا لہو  
تاجرانہ مشق ہے مجلس میں تیری ہاؤ ہو فیس کا دریوزہ ہے منبر پر تیری گفتگو

عالمِ اخلاق کو زیر و زبر کرتا ہے تو

خونِ اہلبیت میں لقمے کو تر کرتا ہے تو

حرص نے شجھو کھایا ہے دنارت کا سبق کر بلا کے ذکر میں لیتا نہیں کیوں نامِ حق

کر بلا! تو آج بھی قائم ہے اپنی بات پر

مہر اب بھی سجدہ کرتا ہے ترے ذرات پر

اے چراغِ دُردمانِ مصطفیٰ کی خواب گاہ تیرے خار و خس پہ ہے تلبندہ خونِ بے گناہ  
تیری جانب اٹھ رہی ہے اب بھی یزداں کی گناہ آ رہی ہے ذرے ذرے سے صدائے لالائے

اے زمیں! خوش ہو کہ تیری زیب و زینت ہے حسینؑ

تیرے سنائے میں محو خوابِ احت ہے حسینؑ

جو دکھتی آگ کے شعلوں پہ سویا، وہ حسینؑ جس نے اپنے خون سے عالم کو دھویا، وہ حسینؑ

جو حواں بیٹے کی میت پر نہ رویا، وہ حسینؑ جس نے سب کچھ کھو کے، پھر کچھ بھی نہ کھویا، وہ حسینؑ

مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا

خون نے جس کے دو عالم میں اُجالا کر دیا

فُطرت جس کا نغمہ سازِ پیمر، وہ حسینؑ تھا جو شرحِ مصطفیٰ، تفسیرِ حبیبِ دروہ حسینؑ

تشنگی جس کی جوابِ موجِ کوثر، وہ حسینؑ لاکھ پر بھاری رہے جس کے بہتر، وہ حسینؑ

جو محافظ تھا خدا کے آخری پیغام کا

جس کی بنفوں میں مچلتا تھا اُلوِ اسلام کا

ہنس کے جس نے پی لیا جامِ شہادت وہ حسینؑ مر گیا، لیکن نہ کی فاقہ کی بیعت، وہ حسینؑ

غم کے سکے، بہرِ زرتا کے جھائے جائیں گے؟ کب تک آخر ہم بے عشرت رُلائے جائیں گے؟  
دام پر تا چند یوں دانے گرائے جائیں گے؟ آنسوؤں سے تاکجا، موتی، بنائے جائیں گے؟

بہرِ لقمہ تاب کے منبر پہ منہ کھولے گا تو؟  
تاکجا پانی کے کانٹے پر ہو تو لے گا تو؟

کر بلا میں اور تجھ میں اتنا بُعدِ المشرقین اُس طرف شور، رجز خوانی، ادھرے دیکے میں  
اُس طرف تکبیر، ادھر بنگا ہمارے شور و شین اِس طرف اشکوں کا پانی، اُس طرف خونِ حسین  
وہ تھی کس منزل میں، اور تو کون سی منزل میں؟

شرم سے گز جا، اگر احساسِ تیرے دل میں؟

کر بلا سے واقفیت بھی ہے مرِ مُنفعیل؟ کر بلا در پر وہ بشارت، اور بہ ظاہرِ مُضحیل  
جس کی رفعت سے بلندی آسمانوں کی خجل جس کے دروں میں ڈھڑکتے ہیں اُل مرد و دل  
خندہ زن ہے جس کی رفعت گنبدِ افلاک پر

بہرِ تکمیلِ نبوتِ ثبوت ہے جس خاک پر

جس کے ہر ذرے میں غلطاں ہیں ہزاروں آفتاں خار کی نبضوں میں جاری ہے جہاں خونِ گلاب  
جس کے خارِ نخس میں ہے خوشبوئے آلِ بو تراب کر بلا، تاریخِ عالم میں نہیں تیرا جواب

آہ تو اور سازِ برگِ عافیت کا اہتمام کیوں نہیں کہتا کہ باطل کی حکومت ہو حرام  
مُجھ کو اور زندان کا ڈر کیوں لے غلامِ ننگِ فنام جانتا ہے رہ چکے ہیں قید میں کتنے امام ؟

تو مثالِ اہل بیتِ پاک مر سکتا نہیں  
عشق کا دعویٰ ہے، اور تقلید کر سکتا نہیں

دیکھ، مُجھ کو دیکھ، میں ہوں ایک زندِ یادہ خواہ رسمِ تقویٰ ہی سے واقف ہوں نہ طاعتِ چار  
سر پہ ہے شملہ نہ کا ندھے پر عبا نے رز نگار موت کو لیکن سمجھتا ہوں حیاتِ پائدار ؟

رسمِ درازِ رہد و تقویٰ کو سبک کرتا ہے تو  
قتل سے ڈرتا نہیں میں، قید سے ڈرتا ہی تو

خوف کا جن ہے زمانے سے تھے سر پر خوار خوف ہے اک نامبارک طا کرِ مُردار خوار  
باغ و بیستان سے نہیں ہوتی نظر جس کی دو چار روز و شبِ لاشوں پہ منڈلاتا ہی جو دیوانہ وار

تیرے سر پر اس کا منڈلانا تماشا تو نہیں ؟

غور کر تو اک عفونتِ خیر لاشا تو نہیں ؟

خلق میں محشرِ بپا ہے اور تو مصروفِ خواب خون میں ذلت کی سوجھ بکھ رہی ہیں بیچ و تاب  
تیری غیرت کو خبر بھی ہے کہ دشمن کا عتاب تیری ماں بہنوں کی راہوں میں لٹتا ہی نقاب

ہے رسالت کی پسر جس کی امامت، وہ حسینؑ جس نے رکھ لی نوع انسانی کی عزت، وہ حسینؑ

وہ کہ سوزِ غم کو، سانچے میں خوشی کے ڈھال کر

مُسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

اے حسینؑ: اب تک گل افشاں ہو تری بہت کا باغ آندھیوں سے لڑ رہا ہے آج بھی تیرا چراغ

تُو نے دھو ڈالے جبینِ بِلتِ بیضا کے داغ تیرے دل کے سامنے لہزاں ہو باطل کا داغ

فخر کا دل میں دریچہ باز کرنا چاہیے

جس کا تو آقا ہو، اُس کو ناز کرنا چاہیے

کھول آنکھیں اے اسیرِ کاملِ زِشت و نیکو آہ کن سوہوم موجوں پر بہا جاتا ہے تو

ختم ہے آنسو بہانے ہی پہ تیری آرزو اور شہیدِ کربلا نے تو بہا یا ہمتا ہو

بات ہے ماتم میں تیرا سینہ افکار پر

اور حسینؑ ابنِ علیؑ کا ہات تھا تلوار پر

تھیں بہتر خوں چکاں تیغیں حسینیؑ فوج کی اور صرف اک سیدِ سجادؑ کی زنجیر تھی

اتنی تیغوں کی رہی دل میں نہ تیرے یاد بھی حانظے میں صرف اک زنجیر باقی رہ گئی

ذہن کو بچا رگی سے اُس پیدا ہو گیا

اشجع عالم کے پیروا یہ تجھے کیا ہو گیا؟



تیرے حضورِ ذوقِ قدرت لیے ہوئے

قدسی کھڑے ہیں شیعِ امامت لیے ہوئے

آئینِ رزم و بزم کی ہے تجھ سے آبرو ہر بات برمل ہے، مناسب ہر ایک نحو  
سختی کہیں رجز کی، کہیں نرم گفتگو برسا رہا ہے بھول کہیں، اور کہیں آہو

نوحِ ادب پر ہلک، نسیم پہا رہے

میدان میں جھسکتی، ہونی ذوالفقار ہے

اے تیری شان، قلندہِ خیبر سے آشکار رحلت کی شبِ رسول کے بستر سے آشکار  
خونِ گلوے مر حجب و عنتر سے آشکار گردوں پہ جبرئیل کے شہپر سے آشکار

چرچا یہاں بھی تیغ کا تیری دہاں بھی ہے

رطبِ اللسان زمین ہی نہیں آسماں بھی ہے

اے مرتضیٰ! اراکِ زمان، شیرِ کردگار عرفان کی سلطنت میں نہیں تجھساتا جدار  
تیری ادائے حرب کا اللہ رے وقار اک ضرب پر عبادتِ ثقلین ہونٹا رہا

تُو خذہ زن ہے فتنہ بدر و حُنین پر

پنچیری کونا رہے تیرے حُنین پر

اے تیری فکر و روحِ دو عالم سے پہکلام اے تیری ذات، توتِ پیغمبرِ انام

اب تو زخمی شیر کی صورت بہرنا چاہتے  
 یہ اگر ٹہٹ نہیں تو ڈوب مرننا چاہتے  
 دیکھ تو کتنی مکدر ہے نفسائے روزگار کس طرح چھایا ہوا ہے حق پہ باطل کا غبار  
 نرم نریوانی میں روحِ آہرمن ہے گرم کار میان سے باہر ابل پڑے علی کی ذوالفقار  
 نقش حق کو اب بھی ادغافل ابل کرتا نہیں  
 اب بھی تقلیدِ حسینؑ ابن علیؑ نہ کرتا نہیں!

## اے مرقضیٰ!

اے مرقضیٰ! مدینہٴ علم خدا کے باب، اسرارِ حق ہیں تیری نگاہوں پہ بے نقاب  
 اے تیری چشمِ فیض سے اسلام کامیاب ہر سانس ہے مکارمِ احلاق کا شباب  
 نقشِ سجود میں وہ ترے سوز و ساز ہے  
 فرشِ حرم کو چس کی تختی پہ ناز ہے  
 اے نورِ سرمدی سحرِ خشاں ترا چہ سراغ ہنکے ہوئے ہیں تیرے نفسِ دلوں کے باغ  
 حاصل ہے ماسویٰ سے تجھے کس قدر فراغ تو معرفت کا دل ہے تو حکمت کا ہے دماغ

# سلام

کر چکا سیر، اعلیٰ مرکز پر اب آنا چاہتے  
 پڑھ چکے ہیں سیکڑوں روح شہادت پر حجاب  
 استعاروں میں بیاں کرنے کے دن باقی نہیں  
 یہ چھپ چکا تھی نہیں اسے سوگوارانِ حسین !  
 آج جب آنے لگے حق پر تو بہرِ زندگی  
 تیغ کے دامن کی جب آنے لگے زن سے ہوا  
 غور سے سن، غور سے، اسے ناز بردارِ حیات  
 تیری بالو سی کو خم ہے کب سے ثبوتِ آسمان  
 یوں ابھرنے سے رہا نقشِ حیاتِ جاوداں  
 انیس اسے ہمتِ مردانہ ابنِ رسول !  
 خیرِ سطحِ ہر دمہ تک تو گوارا ہے زوال  
 بسترِ احمد، شبِ ہجرت، یہ دیتا ہے صدا  
 اس زمیں پر اک نئی بستی بسانا چاہتے  
 مومنینو! اب ان حجابوں کو اٹھانا چاہتے  
 داستاں! اب صاف لفظوں میں سُنانا چاہتے  
 باندھ کر سر سے کفن، میدان میں آنا چاہتے  
 موت کو بڑھ کر نیکی سے لگانا چاہتے  
 مرد کو اُنگوٹائی لے کر مسکراتا چاہتے  
 مرد کو جینے کے دھوکے میں نہ آنا چاہتے  
 اے مسلمان! خاک سے اب سر اٹھانا چاہتے  
 زندگی پر خون کی ہسرتیں لگانا چاہتے  
 صاحبِ غیرت کو یونہی موت آنا چاہتے  
 اس سے نیچے مردِ مومن کو نہ جانا چاہتے  
 اے علی! مردوں کو یونہی زندہ آنا چاہتے!

اے فلسفی پاکِ دل، اے اولینِ امام تیرے قدم کا دوشِ نبوت پہ ہے مقام

اُڑتا ہے تجکو دیکھ کے زنگِ آفتاب کا

روشن ہے تجھے طورِ رسالتِ مآب کا

خطرِ دُش سے ہو سکا نہ کبھی دل میں تو لُکول کانٹوں کو تیرے غم نے سمجھا ہمیشہ بھول

ہجرت کی شبِ بلا جو تجھے بسترِ رسولؐ کیا نفسِ مطمئن تھا کہ ہنس کر کیا قبول

ایمانے ایزدی کی ادا بھاگتی تھے

پُربہول خوابِ گاہ میں نیند آگئی تھے

اے جوشِ دیکھ سیرتِ مولائے شیخ و شاب ہر فعل بے نظیر ہے، ہر قولِ لا جواب

یاں جنبشِ نظر سے ہمارے دوش میں آفتاب سُن گوشِ حقِ نبوت سے اک قولِ بُو تراب

یہ قول ہے کلیدِ درِ کائنات کی

یعنی اجل ہے خود ہی محضِ نطقِ حیات کی

دُنیا کینز اُس کی ہے سمجھایہ جس نے راز کس نیند میں ہے اُمتِ شاہنشاہِ حجاز ؟

ٹھنڈی پُری ہے رُوح میں کیوں آتشِ گداز؟ کیوں مُضمحل ہے دل میں شجاعت کا سوز و ساز ؟

جب مرگ، زندگی کی جھٹ نطت کا نام ہے

اے اہلِ دہر! موت سے ڈرنا حرام ہے!

لہن سے تیرے منتظم کسبت و بلند کائنات  
 چین ستم سے بے خبر تیری جبینِ دل کشی  
 تیری پیہری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے  
 بھٹکے ہوؤں پہ کی نظر رشکِ خضر بنا دیا  
 سلجھا ہوا تھا کس قدر تیرا دماغِ حق رسی  
 چشمہ تیرے بیان کا غارِ حرا کی خاموشی  
 رزمہ تیرے ساز کا لہنِ بلالِ روضہ حق نوا  
 آئینہ تیرے خلق کا طبعِ حسن کی سادگی  
 جھلکیاں تیرے ناز کی جنبش کا کلِ حسین  
 شان تیرے ثبات کی عزمِ شہید کر بلا  
 رنگ تیرے شباب کا جلوہ اکبرِ قلیل  
 تیرا لباسِ فاخرہ چادرِ کُشتہ بٹول  
 تیرے گدائے بے نوا تیرے حضور آئے ہیں  
 تیرے تیرے منصفِ مگر دُشِ چنبری  
 حرفِ وفا سے تابناک تیری بیاضِ دلبری  
 بخشا گدائے راہ کو ٹوٹے رشکوہِ قیصری  
 راہزنوں کو دی بدابن گئے شمعِ سبیری  
 پگھلا ہوا تھا کس قدر تیرا دلِ پیہری  
 نعمت تیرے سکوت کا نعرہٴ فتحِ خیبری  
 صاعقہ تیرے آبر کا لرزشِ رُوحِ بوذرئی  
 جذبہ تیرے عروج کا آلِ عبا کی برتری  
 رنگ تیرے نیاز کا گردشِ چشمِ جعفری  
 شرح تیرے جلال کی ضربتِ دستِ حمیری  
 نقش تیرے شکیب کا خونِ گلوئےِ اصغری  
 تیری غذا سے خوش مزاناںِ شیرِ حمیری  
 تجھ پہ نثارِ جان و دل، مڑ کے ذرا یہ دیکھ لے  
 دیکھ رہی ہے کس طرح ہم کو نگاہِ کافر  
 چہرہ پہ رنگِ خشکی، سینوں میں درو پے پری

کچھ سنا لیکہ رہا ہوں جویش ! اکبر کا شباب ؟  
 یتھیں تیروں کے جوانی کو نہانا چاہتے

.....\*).....

## شمعِ ہدایت

اے کہ ترے جلال سے ہل گئی نرم کاندھری  
 خشک عرب کی ریگ سے لہراٹھی، نیاز کی  
 اے کہ ترے غبارِ راقۃِ تابشِ رُوئے ماہتاب  
 اے کہ ترے بیان میں نغمہِ مصلح و آشتی  
 اے کہ ترے دماغ پر جنبشِ پرتوِ صفا،  
 پھین لیں تُو نے مجلسِ شرک و خودی سوزِ گرمیاں  
 تیرے قدم پہ جبہِ ساروم و عجم کی نخوتیں  
 تیرے کرم نے ڈال دی طرِ خلوص و بندگی  
 تیرے سُخن سے دَب گئے ملافِ کُزافِ کفر کے  
 رُخشہِ خوفِ بَن گیا رقصِ بُستانِ آذری  
 قُزومِ نازِ حُسن میں اُف ری تری شناوری  
 اے کہ ترے نشانِ پانا نریشِ مہرِ خاوری  
 اے کہ ترے شکوت میں خندہِ بندہ پروری  
 اے کہ ترے خمیر میں کاوشِ نورِ گُستری  
 ڈال دی تُو نے پیکرِ لات و ہبل میں تھر تھری  
 تیرے حضورِ سجدہ ریزِ ہمیں و عرب کی خود سری  
 تیرے غصَب نے بست کی رسمِ درہِ شگرمی  
 تیرے نفس سے بج گئی آتشِ سحرِ سامری

گدگداتا ہے شگوفوں کو ہنسانے کے لئے خاک سے شبنم کے قطروں کو اٹھانے کے لئے

دیکھ کر چھوڑوں کی ناداری ٹپ جاتا ہے تو

رنگ بنکر عارض گلشن میں کھپ جاتا ہے تو

اے کہ تو ہے جملہ موجوداتِ عالم کی مُراد ہات میں تیری شمعوں کے ہے نبضِ ابرہہ

دُشمنانِ زندگی سے تو ہے مصروفِ جہاد تیری کرنیں ہیں عناصر میں نظامِ اتحاد

حُسنِ لیلائے جہاں پر در تری محفل میں ہے

تیرے دم سے ولولہ نشوونما کے دل میں ہے

وَجَد کرتی ہے زمیں، تیری ادائے ناز پر بحرِ سر دھنتے ہیں تیرے شعلہ آواز پر

ثابت و سیار مہفتوں ہیں تیرے انداز پر رقص کرتا ہے نظامِ دہر تیرے ساز پر

سوزِ بیداریِ عالم کا تری تانوں میں ہے

زمزمہ روئیدگی کا تیرے افسانوں میں ہے

ہاں دئے جاتاں یونہیں، مُطربِ بزمِ حیات! وَجَد میں دن ہے تیرے نعوش اور غش میں ہے رات

مایہِ صدِ فخر ہے فانی جہاں کو تیری ذات سُرُخِ رُورہ باقیامت لے غرورِ کائنات!

گرم تیرے جام سے ہستی کا میحسانہ رہے

رہتی دُنیا تک ترا گردش میں پیمانہ رہے

آج ہوائے دہر سے اُن کے سرِ دقِ خاک ہو      رکھی تھی جن کے فرق پر تو نے کلاہِ سروری  
 تیرے فیقرِ اور دیں کو چسپہ کفر میں صدا      تیرے غلام اور کریں اہلِ جفا کی چاکری  
 طرفِ کلمہ میں جن کے تھے لعل و گہر لکے ہوئے      حیف اب اُن سرور میں دردِ شکستہ خاطر  
 جتنی بلند یاں تھیں سب ہم سے فلک نے چھین لین      اب نہ وہ تیغِ غزنوی، اب نہ وہ تاجِ اکبری  
 اٹھ کہ تیرے دیار میں چسپم کفر کھل گیا      دیر نہ کر کہ گڑبگئی صحنِ حرم میں اُبتہری  
 خیز و دلِ شکستہ را دولتِ سوز و سازدہ  
 مُسلمِ خستہ حال را مخصدِ تَرکتا زدہ

## آفتاب سے خطاب

آفتاب، اے نعرِ دسِ صبح کے آئینہ وار      اے کہ قبضے میں تیرے سرِ شستہ لیل و نہار  
 اے کہ تیری ہر نظر، اطرافِ عالم سے دوچار      اے کہ تیرے سازِ پرستہ کی کُنموں کا مدار  
 ذرے ذرے کو بجلی کا پتا دیتا ہے تُو ۛ  
 پتھروں کو چوم کر ہیرا بنا دیتا ہے تُو ۛ  
 دُور سے آتا ہے تُو ہم کو جگانے کے لئے      نامِ غفلت کا زمانے سے مٹانے کے لئے



جاگ اٹھے گی سلطنتِ غرناطہ و بغداد کی؟

مسلم خوابیدہ اب بیدار بھی ہو گا کبھی؟ کھارہا ہے ٹھوکریں، خود دار بھی ہو گا کبھی؟  
بزدلی کے نام سے سینہ اڑھی ہو گا کبھی؟ جان دینے کے لئے طیار بھی ہو گا کبھی؟

طُور سے کیا پھر صدائے نُن ترانی آئے گی؟

سچ بتا کیا پھر زنجبار جوانی آئے گی؟

مرحباے آفتابِ نوح پر در! مَر حبا کیا دیا تُو نے جواب اُسید میں دُوبا ہوا  
تُو نے پھر سے مُردہ اَرمٰنوں کو زندہ کر دیا تیرے قربان، پھر تو دُہرا دے یہ تُو نے کیا کہا؟

”چھٹ رہی ہیں ظلمتیں شب کی سحر ہونے کو ہے

آفتابِ تاجِ مسلم جلوہ گر ہونے کو ہے“

مُردہ اے مسلم! کہ تو ہر رنگ میں پائیدہ ہے زندگی کے گونہیں آٹار، پھر بھی زندہ ہے

اک تبسمِ سائبِ تقدیر پر خشنود ہے ایک چنگاری ضمیر حق میں پھر تابندہ ہے

زندگانی کی سہرُ تربت ہوا آنے کو ہے

چرخ سے پھر ”قُم بہ اذنی“ کی صدائے کو ہے

تجکوا کیا پروا، ہوائے دُہر اگر ناساز ہے تجکوا وِج لامکاں تک رخصتِ پرواز ہے

اُٹھ، کہ سینے میں ترے ارض و سما کا راز ہے بربطِ جبریل کی تو آنسو می آواز ہے

چھیڑ کچھ باتیں ہمارے نامور اجدادی تو تو ہے چھانے ہوئے گلیاں جہان آباد کی  
کچھ تو کیفیت بیان کر ملتِ برباد کی، تیری شطروں میں تو ہونگی رونقین بغداد کی؟  
کیستے سکے تو نے دیکھے ہیں ہمارے نام کے؟

اے مورخِ سطوتِ پارسِ اسلام کے

اپنے نقشِ پائیں تھی شانِ کواہِ قیصری خانہ زادوں میں تھی اپنے صولتِ اسکندری  
اپنی آنکھوں سے برستا تھا جلالِ حیدری ٹھوکروں کی زد پہ رہتا تھا مذاقِ آذری

ڈنگ تھا ہر زمزمہ بانگِ آذان کے سامنے

کوہ جھک جاتے تھے اپنے کارواں کے سامنے

یا تو ہونگے تجھے وہ دن بھی اگر دروں حشم؟ اہل حق جس دور میں تھے صاحبِ تاج و علم  
سادگی پر کس قدر مغفٹوں تھے خدامِ حرم بستہ نانِ جویں تھا خوانِ اربابِ کرم  
چتر شاہی تھے سروں پر، دلقِ زیبِ دوش تھے

آہ جب "فقر و آمارت" دونوں ہم آغوش تھے

آفتابِ اے نیلگوں دریا کے رشتہ گہر اے کہ اڑ جاتا ہے تجھے خوابِ غفلت کا اثر  
سچ بتا، پھر بھی کبھی آئیگی کیا ایسی حسرت جگمگاتا ہوگا تاجِ زرجب اپنے فسق پر  
آنکھ کھل جائیگی غفلت سے جہان آباد کی؟

شنبِ ختم ہوئی انجمن آرائِ نکل آیا  
 وہ صبح کا گردوں پہ ستارا نکل آیا  
 دشوار تھا اُلجھی ہوئی زلفوں کا ستونا کچھ کھیل نہ تھا راہِ صُعبت سے گزرنا  
 اعجاز ہے دُوبی ہوئی بَنفُضوں کا ابھڑنا اسلام! مبارک ہو تجھے منہجِ سَمَرِنا  
 جب تک کہ طلسمِ محرومِ شام رہے گا  
 واللہ زمانے میں تیرا نام رہے گا،  
 احسار نے کیا فوجِ سیہ کار کو روکا شیرانہ بڑھے، شکرِ کُشتار کو روکا  
 اسلام کی گرتی ہوئی دیوار کو روکا کس شان سے تلوار پہ تلوار کو روکا  
 ہنگامِ دُعا ہو دمِ سرود ہوں ایسے  
 جب جنگ ہو ایسی تو جواں مرد ہوں ایسے  
 ہاں، یونہیں ترقی پہ رہے ہمتِ عالی ہر خطہٴ اسلام ہو آغیار سے خالی  
 تکمیل کرے قوتِ بازوئے کمالی دشمن پہ چپکتی رہے شمشیرِ ہلالی  
 کھل جائے کہ اس زمر میں کوئی میل نہیں ہو  
 اسلام ہے اسلام ہنسی کھیل نہیں ہے

ہو چکا ہے ختم تجھ پر سلسلہ الہام کا :  
 فقرہ آخر ہے تو اللہ کے پیغام کا  
 سبزہ خواہید وہ انگڑائیاں لیکر اٹھا صبح ہونے کو ہے ، تہ کر غفلتیں ، بستر اٹھا  
 بحر ہے بے چین ، کشتی ڈال دے لنگر اٹھا تاج شاہی منتظر ہے ، اے مسلمان ! سر اٹھا  
 دیکھ رحمت کی گھٹائیں ماہی بے آب میں  
 تیری کھیتی پر برسنے کے لئے بیاب ہیں  
 ❦ ❦ ❦

## فتح سمرنا

اے قوم ! مبارک ہو کہ ساحل نظر آیا غربت میں چراغِ سر منزل نظر آیا  
 گردوں پہ جمالِ مسر کا مل نظر آیا محفل میں کوئی رونقِ محفل نظر آیا  
 یہ دن بھی بڑے فخر و مباہات کا دن ہے  
 معشوق سے عاشق کی ملاقات کا دن ہے  
 اعجاز ہے اسلام کی جادو نظری کا زایل ہے اثرِ روح سے بے بالِ پری کا  
 صد شکر کہ وہ دور گیا بے خبری کا بیدار ہے پھر غم جو انانِ جری کا

تیری سیرت میں تھی منضمِ صولتِ پیغمبریؐ  
تیری فطرت میں تھی نہیاں سطوتِ پروردگار  
قوم کو بخشا ہے تیری موت نے وہ بانگِ بین  
کچ ہوئی جاتی ہے ماتھے پر کُلاؤِ افتخارا

## شاہنشاہِ ہمایوں کا مقبرہ

اے شہنشاہِ ہمایوں کی مُتدّس خواب گاہ! دیکھتی ہے تجھ میں اک دُنیاۓ غم میری بنگاہ  
آنسوؤں سے تیرے ستف و بامِ دھونے کے لیے تجھ میں آیا تھا کوئی پوشیدہ ہونے کے لیے  
بھللائی تھی تیری محراب میں قسبِ دلِ شاہ موت کے دامن میں لی تھی زندگانی نے پناہ  
اُس طرف اغیار کی فوجیں قطار اندر قطار  
اس طرف گنبد میں اک بیمار بوڑھا تاجدار  
بارادھر فرقِ جہانِ بانی پہ تاجِ سروری  
چُست اُدھر ٹھوکر لگانے کے لئے ”سوداگری“  
آسمان تھا زلزلے میں، اور تلاءِ طم میں زیریں  
اس کے آگے کیا ہوا؟ مجھے کس جاتا نہیں

۱۰ دہلی کے آخری تاجدار کی گرفتاری ہمیں عمل میں آئی تھی۔

## رحلت محمد علیؑ

اے متاعِ بردہ ہندوستان وایشیا !  
 غش تھا کاوش پر تری اندازہ صبح و سہا  
 اے غرورِ ملک و ملت ! تو وہاں لیتا تھا سنا  
 وقت کے سیلاب سے تیرا سفینہ ہے بکنا  
 تجکو بخشی تھی مشیت نے اک ایسی زندگی  
 تیرے آگے لرزہ بر اندام تھی روحِ فرنگ  
 طغیان سے تیری ہیبت آفریں آواز کے  
 دُوب جاتی تھی دلِ باطل میں لہراتی ہوئی  
 موڑ کر رکھ دی تھی تو نے جنگ کے میدان میں  
 تجھ سے آتا تھا پسینہ انسر و اورنگ کو  
 خون میں تیرے نہاں تھی جنبشِ تیغِ علیؑ

اے کہ تھا ناخن پہ تیرے عقدہ حق کا مدار  
 خم تھی قدموں پر ترے نیرنگی لیل و نہار  
 موت جس منزل پہ پہنچی ہے حیاتِ پایدار  
 سیرتِ پیغمبرِ اسلام کے آئینہ دار !  
 جس ہب اور زندگی کو موت پر آتا ہی پیار  
 اے دلِ ہندوستان کے عزیمت مند و استوار !  
 تھی حسینؑ ابنِ علیؑ کی استقامت آشکار  
 تیرے لیجے میں لکھتی تھی وہ تیغِ آبِ دار  
 اہل بدعت کی کلائی، خنجرِ باطل کی دھار  
 اے کہ بہت تھی تری قوتِ شکنِ سلطانِ شکار  
 خاک میں تیری ودیعت تھا مزاجِ ذوالفقار

ہوسکتے ہیں کہ وہ اپنے ہندوستانی لباس کو ترک کر کے انگریزی لباس میں آئیں۔



مُن سکو تو چنڈنا لے ہیں دلِ غمناک کے  
اے گرامی ممبر و! وقفِ حُسنِ آباد کے  
مُشعلوں کی جگہ کاہٹ کی ہوا کرتی ہے "شو"  
ہر محرم کی توں اور آٹھویں تاریخ کو  
وہ اُداس اور زُشتہ دورِ ایں سرِ جھٹے بُرا  
جن کے سناتے کے اندر گم تھی رُوحِ کائنات  
جن کی رو میں درہم و برہم تھا دنیا کا نظام  
جن کی ٹپیل سے تلاطم تھا دلِ آساق میں  
جن کی غلٹ کو مُنور کر رہے تھے دل کے داغ  
جن کی خاموشی میں غلطاں تھا شہادت کا پیام  
جھللائی تھی دُست کی شمع جن کے طاق میں  
گل ہوا تھا جن کی آندھی میں مدینے کا چراغ

پُرفشاں تھے جن کے سناتے جُرس کے واسطے

سُنے اُن راتوں کو چھانٹا ہے ہوس کے واسطے

مُشعلوں میں جس جگہ خونِ شہیداں کا ہونگ  
سیر کرنے کو بلاے جائیں واں اہلِ فرنگ  
کیا حمیت ہے کہ اپنوں کے لئے ہو روک تھا  
رُپ میں بھی غیر کے آئے کوئی تو اذنِ عام،  
یہ تعلق، یہ خوشامد، یہ زبوں اندیشیاں  
غمِ کدہِ مُسلم کا ہو نصرا نیوں کا بوستان  
دیدہ ناہید ہو جس بزم میں افسانہ گو  
اُس جگہ دی جائے دعوتِ چشمکِ مزین کو

لے نالش۔

اس ترے گنبد کے نیچے لے جہاں اضطراب ایسی دو قبریں ہیں، دُنیا میں نہیں جن کا جواب  
 اک مزارِ کج کلمہ، اک کج کلمہ ہی کا مسزاد شاہ کی تربیت کے پہلو میں ہے شاہی کامزار  
 اُن بھرے آتے ہیں آنسو دیدہ غمناک میں  
 دفن ہے تاتاریوں کا تاج تیری حناک میں

## مُتَوَلِّیانِ وَقْفِ حُسینِ آباد سے خطاب

لکھنؤ میں وقفِ حُسن آباد ایک شاہی وقف ہے جس کے غیور متولی حُسن آباد اور آصف اللہ  
 بہادر کے معجزوں میں محرم کی آٹھویں اور نویں کو بہت بڑے پیانے پر چراغان کا اہتمام کرتے ہیں۔  
 محرم! اور چراغاں!!!  
 آٹھویں کے چراغاں کی یہ ایک شرمناک و غلامانہ خصوصیت ہے کہ اس شب کا کھیل تاشا  
 صرف ”صاحب لوگوں“ کے لئے مخصوص ہوتا ہے، جو اپنے اپنے محبوبوں کے ہاتوں میں ہاتھ ڈالے  
 ادھر سے ادھر تہقہ مارتے پھرتے ہیں۔

اس دن کسی ہندوستانی کو امام باڑوں میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے، صرف بعض ممتاز  
 ہندوستانیوں کو پاسوں سے سرفراز کیا جاتا ہے البتہ صرف ہندوستانی اس شرط سے داخل



## آنسو، اور تلوار

کربلا کا گرم میدان، تہمتا آفتاب  
 صورِ اسرافیل سے بٹا ہوا غوغائے جنگ  
 غازیوں کا طنطنہ، بانگِ حربہ کا دبدبہ  
 آگ کی لپٹیں، شعاعوں کی تپش، گرمی کا زور  
 جنگِ جومبِ دان میں تیغِ دودم توڑے ہوئے  
 محفلِ باطل میں حق کی داستاں کہتا ہوا  
 قلبِ اعداء پر حسینؑ ابنِ علیؑ کا رعبِ داب  
 رسمِ وراہِ حق سے ربطِ آئینِ باطل سے عناد  
 کشمکش، پلجھل، تلاطم، شور، غوغا اضطراب  
 برپھیاں، نیزے، گٹاریں، تیز تلواریں، ٹفنگ  
 طبل کی دُوں دُوں، کمانوں کے کڑکنے کی صدا  
 اسلحہ کی کھڑکھڑاہٹ، لو کی رُو قزاقا شور  
 اہلِ بہتِ دُصوہ میں کانے علم کھولے ہوئے  
 سرخِ دُڑوں پر جو انوں کا لہو بہتا ہوا  
 قطرہ بے مایہ شبنم پر گویا آفتاب  
 عہدِ جاں بازی، سرِ مردانگی، عزمِ جہاد

شوقِ آزادی، خیالِ سرِ فروشی، ذوقِ مرگ

یہ تھے انصارِ حسینؑ ابنِ علیؑ کے ساز و برگ!

تم بھی ہو منجملہ انصارِ شاہِ کربلا  
 "چند اشکوں کے لطائفِ چند شیون کے نکات؟"  
 اے عزیزو! اس بلا کی بے حسی کا کیا علاج  
 سچ کہو! ان میں سے تم کو کیا وراثت میں ملا؟  
 کیوں یہی لے دے کے ہی مایو! تمھاری کائنات؟  
 چند آہیں، ادروہ بھی بستہ رسمِ درواج

داغہائے دل میں کھولا جائے میخانے کا باب  
 بزمِ عصمت میں، ستر آنکھوں پر لیا جائے گناہ  
 دعوتِ حرف و حکایت، زلزلے کی رات میں  
 بامِ شیون پر کھلے موجِ تبسم کا علم  
 کشتیِ صہبا چلے اہلِ وفا کے خون میں  
 شکرِ شادی سے زدندی بجا غنائے کی خاک  
 چنگِ دبرِ بط کا تسلط ہو دیا رِآہ میں  
 دید کا عشرت اٹھے صد پارہ لا شاد بکھنے  
 جوئے خون، اور اُس پہ تیرا کی کا میلا اَلْخِذِر  
 قہقہے ہوں آنسوؤں کی انجمن میں بارِ یاب  
 مقبرے کو اور بنائے آسماں تصنیعِ گاہ  
 مُنقدرِ ہوشن، آشکوں کی بھری برسات میں  
 خون کے قطروں پہ اور اربابِ عشرتِ کدم  
 آخری پچکی بھری جائے گراؤ فون میں  
 غارِ خواباں بنائی جائے پردانے کی خاک  
 اہلِ ماتم لاش کو رکھیں نمائش گاہ میں  
 ہنسنے والے آئیں رونے کا تماشا دیکھنے  
 غیرتِ اسلام! تمکو کھا گئی کس کی نظر؟

روحِ مومن کو عطا، بارِ خدا! ادراک ہو

یہ نہیں تو صورتِ بھنک جائے کہ قصہ پاک ہوا

کون میدان میں سنبھالے گا بصد شان و وقار      سُور ماعتاس کا پرچم، علم کی ذوالفقار  
 مومنو! حق کی تھیں سو گندایاں کی قسم  
 یہ صدا سن کر بڑھون کہتے ہوئے ”حاضر ہیں ہم“  
 محکم دو تاریخ کو دہرائے اپنی داستان      یہ نہیں ہمت، تو باتوں میں چین لو چڑیاں  
 مرد وہ کب ہے بھنڈر سے جو ابھر سکتا نہیں  
 حق ہی جینے کا نہیں اُس کو جو مر سکتا نہیں

## مسلمان کو کیا ہوا

اے دل! جنونِ عشق کے سامان کو کیا ہوا؟      ہوتا نہیں ہے جاک، گریباں کو کیا ہوا؟  
 فکرِ سخن کا نور کہاں جا کے چھپ گیا؟      تخیل کے تبسم پہناں کو کیا ہوا؟  
 رسم و منا کی کاہشِ پیہم کد ہر گئی؟      ذوقِ نظر کی کاوشِ پہناں کو کیا ہوا؟  
 گلشن ہیں زرو، پھول کہاں جا کے لیس گئے؟      کانیں ہیں سرو، لیلِ بدخشاں کو کیا ہوا؟  
 ہے خاکِ نخبِ برف میں گویا بھلی ہوئی      اے قیسِ عامری! دلِ سوزاں کو کیا ہوا؟

ہاں ازل سے ہے یہ تقسیم وراثت کا اصول

مرد کو دیتے ہیں شلوں کی لپک عورت کو پھول

مرد کو ملتی ہے تر کے میں مھلکتی ذوالفقار عورتوں کو شاخ گل کا لوچ، شبنم کا نکھار

مرد کو ہوتا ہے حاصل و ناتحانہ تہمت عورتوں کو ہچکچوں کی گونج، شیون کی صدا

اے کہ تم پوشاکِ حربی کے عوض پیئے ہو ”گوئی“

دل میں خود سو جو تم اس تقسیم سے ہوتے ہو کون؟

خیر اب تک جو بھی ہوتا تھا عزت و بڑھکا لیکن اب حق اہل جرات کو یہ دیتا ہے صدا

جذبہ مردانگی سے روٹھ کر مست ہے کون؟ حاملِ عزمِ شہیدِ کربلا بتا ہے کون؟

ناؤ اپنی خون کے دریا میں کھینے کے لئے کون بڑھتا ہے علی کی تیغ لینے کے لئے

آج وہ سادنت آئے سامنے، جس کا شباب دے سکے شیبِ حبیب ابنِ مظاہر کا جواب

کون ہے تم میں سے عبدِ خاصِ بَ مشرقین کس کی نبضوں کو عطا ہوا آتشِ خونِ حسین؟

کون خون اپنا بہا سکتا ہے پانی کی طرح؟ کون مٹ سکتا ہے اکبر کی جوانی کی طرح؟

کون سینے میں جلاتا ہے چراغِ احساس کا؟ کون کا ندھے پر اٹھاتا ہے علمِ عباس کا؟

آئے، تقلیدِ حسین ابنِ علی کرتا ہے کون؟ کابلِ آزادی سے جینے کے لیے مرتا ہے کون؟

شانِ دُعائے حمزہ و حمید رکھ گئی      رُوحِ دُعائے بوذرجمہ و سلمان کو کیا ہوا؟  
 عزمِ حسینؑ ہے، نہ ثباتِ ابوتراب      صبرِ جمیل و ضبطِ فیرِ اداں کو کیا ہوا؟  
 دُنکے بجا رہے ہیں شجاعت کے گوسفد      کوئی بتاؤ، شیرِ نیستان کو کیا ہوا؟  
 تنِ کرمِ صدمہ پر بیٹھے ہیں زینتِ رُ      اے بزمِ ناز! خسر و خواں کو کیا ہوا؟  
 پھر ابرِ سامری سے برستے ہیں اتر رہے      یارو! عصائے موسیٰ عمراں کو کیا ہوا؟  
 آنکھیں دکھا رہے ہیں ستارے خدا کی شان      اے آسمان! مہرِ درخشاں کو کیا ہوا؟

اے جوش! دیکھ منہ تو گریباں میں ڈال کر  
 کیا پوچھتا ہے، "مردِ مسلمان کو کیا ہوا"

چھائی ہوئی ہے چہرہ ہستی پہ مُردنی  
 وہ جو ہری رہے، نہ وہ گوہر نظرِ منسرب  
 شاخوں میں وہ لچک ہے، نہ ٹخنوں میں تازگی  
 اگلی سی وہ چمک نہیں اب آشیاں کے گرد  
 کب سے ہیں بے نواؤں کے دستِ طلبِ دراز  
 ہر اک صدف ہے آنکھ میں آنسو کھمے ہوئے  
 آنکھیں ہیں بند، دید کی حسرت پہ کیا بستی؟  
 موجِ صبا میں اب نہیں افسانِ عیسویؑ  
 سُونی ہیں ایک عُمسے راتیں شباب کی  
 اَلطافِ خضر و چشمہٴ حَیواں کو کیا ہوا؟  
 بازارِ مصر و یوسفِ کیناں کو کیا ہوا؟  
 طبعِ نسیم و فطرتِ بُستاں کو کیا ہوا؟  
 گنجِ قفس میں مُرغِ پَر افشاں کو کیا ہوا؟  
 اے رُوحِ فیضِ اہمیتِ سلطان کو کیا ہوا؟  
 یارب! نزولِ قطرۂ نیاں کو کیا ہوا؟  
 دل ہے خجل، تصورِ جاناں کو کیا ہوا؟  
 گوہرِ فِشاں لبِ خُوباں کو کیا ہوا؟  
 بزمِ آفرینی مسرتاں کو کیا ہوا؟

نَافِخ سے اپنے چھیڑ رہا ہے کوئی بنگار

اس پر بھی سُن پڑی ہے، رگِ جاں کو کیا ہوا

کعبے میں بارِ پاگئے اَصنامِ آذری  
 اب آستانِ کُفر پہ ہیں سجدہ ریزیاں  
 سینے میں اس گروہ کے کیوں اڑ رہی چو خاک  
 قبضوں پہ ہاتھ ہیں، نہ جینیں ہیں خاک پر  
 کاشانہٴ تخلیل کے درباں کو کیا ہوا؟  
 اے کردگارِ مردِ مُلماں کو کیا ہوا؟  
 گنجِ حدیث و دولتِ قرآن کو کیا ہوا؟  
 ذوقِ جہاد و جذبہٴ عرفاں کو کیا ہوا؟

ہوشیار، اسے ساکت و خاموش کونے بہوشیار (۳) آرہے ہیں دیکھ وہ اعدا قطار اندر قطار  
ہونے والی ہے کشاکش درمیان نور و نار اپنے وعدوں پر پہاڑوں کی طرح رہا ستوار  
صبح قبضہ کر کے رہتی ہے اندھیری رات پر

جو پہاڑ ہیں اُڑے رہتے ہیں اپنی بات پر  
لوکے جھک چل رہے ہیں غلطی میں ہے آفتاب (۴) سُرخ ذروں کا سمندر کھار ہا ہی بیچ و تاب  
تشنگی، گرمی، تلاطم، آگ، دہشت، اضطراب کیوں مسلمانو! یہ منزل، امدادِ آلِ بو تراب  
کس خطا پر پہنچے بدلے ان سے گن گن کے لیے  
فاطمہؑ نے ان کو پالتھا اسی دن کے لیے؟  
(۵)

وہ مقتل کا سماں ہے، وہ حریفوں کی قطار بہ رہی ہے نہر لوہ سانسے بیگانہ دار  
وہ ہوا اسلام کا ستراج مرکب پر سوار دُھوپ میں وہ برق سی چمکی وہ نکلی تو انفقار  
آگنی رن میں اجل تیغ دو دم تو لے ہوئے  
جانبِ اعدا بڑھاد زخ وہ منہ کھولے ہوئے

دور تک پہنچے لگی گھوڑوں کی ٹاپوں سوزنیں کوہ تھرانے لگے، تیور گنتی فوجِ لیسین :  
زرد پر آکر کوئی بچ جائے، نہیں، ممکن نہیں  
لوحِ حسین ابنِ علیؑ نے وہ چڑھالی آتیں

# سُوگوارانِ حُسَین سے خطاب

انقلابِ بند خو جس وقت اُٹھائے گا نظر (۱) کروٹیں لیگی زمین، ہوگا فلک زیر و زبر  
 کانپ کر ہونٹوں پر آجائے گی رُوحِ بھر و بر وقت کا پیرائہ سالی سے بھڑک اُٹھیں گاسر  
 موت کے سیلاب میں ہر خشک و تر بہ جائیگا  
 ہاں مگر نامِ حُسَینؑ ابنِ عَمَلیؑ رہ جائے گا

کون؟ جو ہستی کے دھوکے میں نہ آیا وہ حُسَینؑ سرکٹا کر بھی نہ جس نے سر جھکا یا دِ حُسَینؑ  
 جس نے مر کر غیرتِ حق کو چلا یا وہ حُسَینؑ موت کا منہ دیکھ کر جو سُکرا یا وہ حُسَینؑ  
 کا نبی ہے جس کی پیری کو جوانی دیکھ کر  
 ہنس دیا جو تیغِ قاتل کی روانی دیکھ کر

(۲)

ہاں نگاہِ غور سے دیکھ اسے گروہِ مومنین! جارہا ہے کہ بلاخیر البشر کا جانشین  
 آسمان ہے لرزہ بر اندامِ جُنُبش میں زمیں فرق پر ہے سایہ انگن شہیدِ رُوحِ الامین  
 اے شُکوفہٗ السَّلام! اے خفۃ کلبِ اَلْوَداع  
 اے مدینہ کی نظرِ اسیرِ زنگیہ اَلْوَداع



یہ شہادتِ اک سبق ہے حق پرستی کے لئے  
اک سُتونِ روشنی ہے بحرِ ہستی کے لئے

(۹)

تُم سے کچھ کہنا ہے اب اے سوگوارِ انِ حُسنؑ      یاد بھی ہے تم کو تسلیمِ امامِ مشرقینؑ؟  
تا کجا بھولے رہو گے غمِ وہ بدر و حُسنؑ؟      کب تک آخرِ ذاکروں کے تاجِ رازِ شور و شینؑ؟

ذاکروں نے موت کے سانچے میں دل ڈھالے نہیں

یہ شہیدِ کر بلا کے چپاٹے والے نہیں

کہہ چکا ہوں بار بار، اور اب بھی کہتا ہوں یہی      مانعِ شیرِ نہیں میرا پیامِ زندگی  
لیکن اتنی عسرس ہے لے لو اسیرِ بُزدلی      اپنی مَنصُوفوں میں رواں کر خونِ سرخوشِ علیؑ

ابنِ کوثر! پہلے اپنی تلخ کامی کو تو دیکھ

اپنے ماتھے کی ذرا مُہرِ غلامی کو تو دیکھ

جس کو زلّت کا نہوا حساس وہ نامرد ہے      تنگ پہلو ہے وہ دل جو بے نیازِ درد ہے  
حق نہیں جینے کا اُس کو جس کا چہرہ زرد ہے      خودکشی ہے فرضِ اُس پر، خونِ جکاسرد ہے

وقتِ بیداری نہ غالب ہو سکے جو نوم پر

لعنت ایسی خُصّہ ملت پر، تَف ایسی نوم پر!

آستیں چڑھتے ہی خونِ ہاشمی گرنا گسیا  
ناخدا! ہشیار، دریا میں تلاطم آگیا

(۶)

ظہر کے ہنگام کچھ جھکنے لگا جب آفتاب      ذوق طاعت نے دلِ مولیٰ میں کھایا سچا  
آسمان کے خمیے سے کسی نے دُور کر تھامی رکاب      ہو گئی نبرم رسالت میں اِمامت باریاب  
ترشہ لبِ ذروں پہ خونِ مشکبویں لگا  
خاک پر اسلام کے دل کا ہموں لگا

(۷)

آفرینِ چشم و چراغِ دودانِ مصطفیٰ!      آفرینِ صد آفرینِ مہربا صد مہربا  
مَرتبہ انساں کا تو نے دو بالا کر دیا      جان دیکر اہلِ دل کو تُو سبق یہ دے گیا  
کشتیِ ایمان کو خونِ دل میں کھینا چاہئے  
حق پہ جب آج آئے تو یوں جان دینا چاہئے

(۸)

اے محیطِ کر بلا! اے ارضِ بے آبِ گیاہ      جُراتِ مردانہ شہید کی رہنا گواہ!  
حشر تک گونجیے پُچھ میں نعرہ ہے لا الہ      کچ رہے گی فخر سے فرقِ رسالت پر کُلاہ

صاف کہنا کون ہے ان ذیل کے غیبوں میں طاق؟  
 کذب، غیبت، افتراء، اسراف، بدعتی، بے لفاق  
 آج کتر اتا ہوا وحدانیت کی راہ سے؟  
 یہ مرادیں مانگتا ہے کون غیر اللہ سے؟  
 کون یہ عرسوں میں پہروں ناچتا ہو دھول پر؟  
 کون اولادِ پیسہ بیچتا پھرتا ہے کون؟  
 بن کے ”ذاکو“ سیم و زر کے ڈھیر پر گرتا ہے کون؟  
 جنگ کے میدان میں کس نے پھینک دی وہ لاف؟  
 پشتِ مرکب چھوڑ کر، تکیوں پہ ہو کس کا مدار؟  
 فرہی کی کشمکش سے کون نہیں سکتا جہاد؟  
 حجابِ عشرت میں کی ہوئی خدا کی کس نے یاد؟  
 کون چلوں کی مشقت سے ہوئیوں زار و خیز؟  
 جسم گئی ہے برف کس کے شعلہ چالاک پر؟  
 گر گیا ہے آسمان سے کس کا پرچم خاک پر؟  
 ریل چکا ہے کس کے انگاروں کو شبنم کا خطا؟  
 بن چکا ہے کس کا خود آہنی رشکِ جباب؟  
 محکوم تو سیسہ وہم ہوتا ہے کہیں تم تو نہیں  
 کون ہیں یہ لوگ؟ کچھ سمجھے بھی اے طفلِ دیں؟

تم نہیں، تو پھر جینے کے عوض مرتا ہے کون؟

روز و شب آیاتِ حق سے دل لگی کرنا ہے کون؟

جب یہ عالم ہے تو البتہ رہوا صنم سے  
 تم کو بھڑکیا واسطہ سنمیں اسلام سے  
 حق کے دشمن، نفس کے پابند، باطل کے غلام  
 تم کو کیا حق ہے کہ تم میلاد سے ہو شاد کام  
 تم نے ٹھکرایا ہے حق کے آخری پیغام کو؟  
 تم کو کیا افسردگانِ حسام کو؟

زندہ رہنا ہے تو میرا کاررواں بن کر رہو      اس زمیں کی بستیوں میں آسماں بن کر رہو  
 دورِ حق ہو تو نسیم بوستان بن کر رہو      عہدِ باطل ہو تو تیغِ بے اماں بن کر رہو  
 دوستوں کے پاس آؤ نور پھیلاتے ہوئے  
 دشمنوں کی صفِ گزرو آگ برساتے ہوئے  
 دورِ محکومی میں راحتِ کفر، عشرت ہے حرام      مہوشوں کی چاہِ ساقی کی محبت ہے حرام  
 علم ناجائز ہے دستارِ فضیلت ہے حرام      انتہا یہ ہے علماموں کی عبادت ہے حرام  
 کوئے ذلت میں، ٹھہرنا کیا، گرز نا بھی حرام  
 صرف جینا ہی نہیں، اس طرح مرنا بھی حرام!

## کافرِ نعمتِ مسلمان

(یہ نظم حیدر آباد کی ایک مصلیٰ سیلا کے واسطے قلم برداشتہ لکھی گئی تھی)

تم نہ بگڑو، تو میں پوچھوں ڈرتے ڈرتے ایک بات      سچ بتاؤ کون ہے اس وقت ننگِ کائنات؟  
 ہٹ گیا ہے کون ابرِ زندگی کی چھاؤں سے      کس نے اپنا تاجِ روندا ہی خود اپنے پاؤں سے؟  
 اس زمین و آسماں کی شہرِ یاری چھوڑ کر      کون بھاگا ہے غلامی کی طرف مُنہ موڑ کر؟

ہاں اسی دن ہو گیا تھا سنگِ حق سے جو رچورچ  
 آگینے کی طرح مٹھوٹے خداؤں کا غرور  
 ہاں اسی دن قلبِ انسانی کی جانب دُور سے  
 سر ہوا تھا آخری ناکِ کمانِ نور سے  
 ہاں اسی دن حق نے بہرِ رفعتِ نوعِ بشر  
 ہر آخرِ ثبوت کی تھی سہری منشور پر  
 ہاں یہ وہ دن ہے کہ درسِ حریت دیتی ہوئی  
 چونک اٹھی تھی زندگی انگڑائیاں لیتی ہوئی  
 ہاں اسی دن نطقِ یزداں نے کیا تھا یوں کلام  
 آج سے منسوخ ہے فتانوں آقاؤ غلام  
 ہاں اسی دن نے سنایا تھا یہ روحانی پیام  
 ابنِ آدم! ماسوئی اللہ کی عبادت ہے حرام

ہاں نہ سہمے نوعِ انسان ماسوا کے سامنے

اب کھکے بندہ تو صرف اپنے خدا کے سامنے

آج بھی کیا تم اسی فتانوں کے پابند ہو؟ چپ ہو کیوں؟ اپنے خداؤں کی مجھے نہرت دو

مومنو! اسلام کی تائید کی تم کو قسم  
 صاحبِ قرآن بنو، تعلیمِ مدرّان کی قسم  
 شاہِ بحر و بر بنو، تخلیقِ آدم کی قسم  
 باندھ لو سر سے کفن، شمشیرِ غریاں کی قسم  
 اس کرے کے آخری قانون کی تم کو قسم  
 بٹ پرستی چھوڑ دو، توحید کی تم کو قسم  
 اہرمن سے توڑ دو ہر عہد، یزداں کی قسم  
 اپنے دل کی قوتِ تسخیرِ عالم کی قسم  
 موت کا دھڑکا مٹا دو، آبِ حیوان کی قسم  
 چونک اٹھو سبطِ نبی کے خون کی تم کو قسم

کب تلون کو پتا چلتا ہے استقلال کا ؟  
 زاغ کو حق ہی نہیں بلبل کے استقبال کا

دل میں دم بھرنے کے لئے لٹھ سوچو تو ذرا  
 حق نے چھیڑا تھا زمین پر نغمہ اُمّ الکتاب  
 حق نے بخشا تھا تھیں جوش و خروش مجھے اب  
 حق نے تم کو نوعِ انسان کا بنایا تھا امام  
 حق نے چھانٹا تھا تھیں دنیا کی شاہی سیے  
 ”مومن“ و ”مسلم“ کا بخشا تھا تھیں اس نے خطاب  
 اُس نے رکھا تھا ہتیلی پر بٹھاری آفتاب  
 بندگی اصنام کی ٹھہرائی تھی اُس نے حرام  
 دل میں شرمناؤ ذرا یہ کیا غضب کرتے ہو تم  
 حق نے تم سے کیا کیا ؟ اور تم نے حق سے کیا کیا ؟  
 تم نے برپا کر دیا ہنگامہ جنگ و رباب  
 بن گئے تم رفتہ رفتہ صرف اک نقشِ سراب  
 بن گئے تم لعنتِ کوتاہ بینی سے غلام  
 تم نے پیہم کروٹیں بدلیں تباہی کے لئے  
 ”شیعہ“ و ”سنی“ کا نازل کر لیا تم نے عذاب  
 تم نے پہنا کر دیا اُس کو سحاب اندر سحاب  
 اور تم ہر مقبرے کو جھک کے کرتے ہو سلام  
 زندگی کا زود مر دلوں سے طلب کرتے ہو تم

مجھے آنکھیں تو بلاؤ، نو اسیرانِ لفاق ؟

اس مہینے کو سمجھ رکھا ہے تم نے کیا مذاق ؟

یہ تو ہے اے ناشناسانِ عیارِ کفر و دیں  
 ہاں اسی دن کام لے کر قوتِ دراک سے  
 رُوحِ انسانی کی آزادی کا یومِ اولیں  
 اک انوکھی باتِ قدرِ تے ہی تھی خاک سے

خسر و خاور نے پہنچا دیں شعاعیں دُور دُور      دل کھلے، شائیں ہیں شبنم اُرمی بھایا سُور  
آسماں روشن ہوا، کاپنی زمیں پر موج نُر      پو پھٹی، دریا بہے، سسکی ہوا، چکے طیور  
نور حق و نار ان کی جوٹی کو جھلکانے لگا

دلبری سے پرچمِ اسلام لہرانے لگا  
گردِ بیٹھی کُفر کی، اُٹھی رسالت کی نگاہ      گر گئے طاقتوں سے بُت، خُم ہو گئی بُشتِ گناہ  
چرخ سے آنے لگی پیہمِ سداے لا الہ      ناز سے کج ہو گئی آدم کے ماتھے پر کُلاہ  
آتے ہی ساقی کے سناغ اُگیا، خُم اُگیا  
رحمتِ یزداں کے ہونٹوں پر شبنم آگیا

آگیا، جس کا نہیں ہے کوئی ثانی وہ رسولؐ      رُدیحِ فطرتِ چہر جس کی حکمرانی وہ رسولؐ  
جس کا ہر تیور ہے حکمِ آسمانی، وہ رسولؐ      موت کو جس نے بنایا زندگانی، وہ رسولؐ  
محفلِ شفا کی، وحشت کو بھسم کر دیا

جس نے خونِ آشامِ تلواروں کو مرہم کر دیا  
فقر کو جس کے تھی حاصل کج کُلاہی، وہ رسولؐ      گتہ بانوں کو عطا کی جس نے شاہی وہ رسولؐ  
زندگی بھر جو رہا بسکر سیاہی، وہ رسولؐ      جس کی ہر اک سانس قانونِ الہی، وہ رسولؐ  
جس نے قلبِ تیسرگی سے نور پیدا کر دیا

سُسر اٹھاؤ، کشتگانِ عشق کے سر کی قسم  
رن میں آؤ تو تِ بازوئے حریفِ ر کی قسم  
نیند سے بیدار ہو، احساسِ کامل کی قسم  
جاگ اٹھو پیغمبرِ اسلام کے دل کی قسم

## وِلَادَتِ رَسُوْل

(یہ نظم بھی حیدر آباد کی ایک مغلِ میلاد کے لئے نہایت عجلت میں عین وقت پر کہی گئی تھی)

اے مسلمانو! مبارک ہو تویدِ فتحِ باب  
لو وہ نازل ہو رہی ہے چرخ سے اُمُّ الکتاب  
وہ اٹھے تاریکیوں کے باہر گردوں سے حجاب  
وہ عرب کے مطلعِ روشن سے ابھرا آفتاب

گم ضیائے صبح میں شب کا اندھیرا ہو گیا  
وہ کلی جگلی، کرن چھوٹی، سویرا ہو گیا

زلف کا پیغام پھر بادِ صبا دینے لگی  
پھر زبانِ گلِ صدا سے مہربان دینے لگی  
شہرِ جبریل کی جنبش ہو دینے لگی  
صبح ہر اکر چلی، شب راستہ دینے لگی

ہر کا زرینِ سفینہ آسمان کھینے لگا  
چرخ پر دریائے نور انگڑائیاں لینے لگا



زیرِ لب فرما رہے ہیں واسے برجانِ خویں کوئی بھی راتوں میں میرا چاہنے والا نہیں

ذکرِ بدیں ہونٹوں پہ ہے دنیا کی گھاتیں دل میں ہیں

صبحیں چہرہ پر ہیں طلحہ اور راتیں دل میں ہیں

اے مرے معبود! انھیں محسوس ہو سکتا یہ کاش شدتِ در ماندگی سے کتنے دل میں پائش

آہ کیتوں کو ہے اک روٹی کے ٹکڑے کی تلاش کتنے معصوموں کے چہروں پر ہوا شکوے خواش

شمع کی حاجت نہیں ہے محفلوں کے واسطے

کچھ چراغوں کی ضرورت ہے دلوں کے واسطے

کاش میرے اُمّی قُرآن کا دستِ دیکھتے یہ سرتِ مقدس و مسلمان و ابو ذر دیکھتے

قصہِ حسنین سنتے، ضربِ حیدر دیکھتے کس طرح مرتے نہیں یہ بات مر کر دیکھتے

کاش ان کی عقل میں آتا یہ آسانی کے ساتھ

نعمتِ کوئین کا رشتہ ہے قربانی کے ساتھ

علم سے نا آشنا محکوم، حاکمِ سرد و خام روز و شب آویزشیں ہیں درمیانِ خاصِ عالم

صفا بطہ جینے کا ہے ان میں، نہ مرنے کا نظام حیف تیری حقپیش پر اے گروہِ بے امام

جادہ ہے پُریچ، منزل کا نشان، کوئی نہیں

کارواں ہے، اور مسیرِ کارواں کوئی نہیں

جس کی جان بخشی نے مُردوں کو مسیحا کر دیا  
 واہ کیا کہنترا اے آخری پیامبر حشر تک طالع رہے گی تیرے جلوؤں کی سحر  
 تُو نے ثابت کر دیا، اے ہادی نورِ بشر مردیوں مہر میں لگاتے ہیں جبینِ وقت پر  
 کروٹیں دُنیا کی تیرا قصہ ڈھا سکتی نہیں  
 آندھیاں تیرے چرخوں کو بھجھا سکتی نہیں  
 تیری پہناں تُو توں سے آج بھی دُنیا ہو دنگ کس طرح تُو نے مٹایا استیا ز نسل و رنگ  
 ڈال دی تُو نے بنائے ارتباطِ جام و رنگ بن گیا دُنیا میں "تحتیلِ اُخوت" ذوقِ جنگ  
 تیرگی کو روکشیں ہر درخشاں کر دیا  
 تُو نے جس کاٹے کو چمکا یا گلستاں کر دیا

یہ مسرت کا فعل ہے، اے عزیزِ کامگار! تلخیِ گفتار اس موقع پر ہوگی ناگوار  
 قہر ہے بزمِ طرب میں، نالہِ حبانِ محگار لیکن اس کو کیا کروں دل پر نہیں اختیار  
 آگ سی روشن ہے اک قلب و چکر کے سامنے  
 لے کپے دیتا ہوں جو کچھ ہے نظر کے سامنے  
 اِس ترے اُتبوہ میں اے مُسلم اندوہ گیں! دیر سے موجود ہیں خودِ رحمتہ اللعالمین

## آوازِ حق

کیوں کرنے کروں شکرِ خدائے دو چہاں کا      بخشا ہے مرے دل کو مزا سو نہاں کا  
یکساں ہے ہر سرت کا محل ہو کہ نغساں کا      ہونا بہ جہنم بھی تو لطف آئے جناں کا  
ہوتی ہے خوشیِ صحت و آزار سے مجھ کو

خلعت یہ بلا ہے تری سرکار سے مجھ کو  
سینے میں چھپائے ہوں جو انوار کسی کے      دل میں نہیں آتے ہیں خیالاتِ دوئی کے  
رونے کے ہوں اسباب کہ سامانِ نبی کے      جو چیز ہے وصل جاتی ہے سانچے میں غشی کے

یلمائے شبِ تار ہے، یا حورِ سحر ہے

جس حال میں ہوں حسنِ مرے پیشِ نظر ہے  
اغیار کی فوجیں ہوں کہ احباب کی نخل      گرمی کے بگولے ہوں کہ لیلیٰ کی جھول  
راہوں کی صعوبت ہو کہ خوابِ ہر منزل      ہوتا ہے ہر اک چیز سے بے شاش ہر دل

صد شکر مے دل پہ حقیقت یہ عیاں ہے

ہر آئینے میں دورت کی تصویر نہاں ہے

# سلام

طبع میں کیا تیغِ مجازان میں روانی چاہئے،  
 بستہ زنجیرِ محکومی! خبر بھی ہے تجھے؟  
 مرقدِ شہزادہ اکبر سے آتی ہے صدا  
 شاہِ فرماتے ہیں ”وہ“ لائے جا خدا کے نام“  
 سُنئے جس کا نام نبضیں چھوٹ جائیں موت کی  
 عمرِ فانی سے تو بگایا کاہل ہے بہرہ مند  
 کون بڑھتا ہے لہوِ دھوڑا سادینے کے لئے؟  
 جن کے سینوں میں ہو سوزِ تنگناں کربلا،  
 اُن جواں مردوں کی تلواروں میں پانی چاہئے  
 گلِ فشانِ تاجِ کُجا، اب خونِ فشانِ چاہئے  
 بہرِ دمہ پر تجھ کو عزمِ حکمرانی چاہئے  
 حق پہ جو منٹ جائے ایسی نوجوانی چاہئے  
 موت جب کہتی ہے ”اکبر کی جوانی چاہئے“  
 دین کے سادنت کو وہ زندگانی چاہئے  
 مرد کو ذوقِ حیاتِ حبا و دانی چاہئے  
 اسے عزیز و ابرین کی کھیتی کو پانی چاہئے  
 اُن جواں مردوں کی تلواروں میں پانی چاہئے

تجوش، ذکرِ جراتِ مولیٰ پہ شیون کے عوض

سُرخ پریشانِ فخر و نازِ کامرانی چاہئے

سب اپنے مقامات پہ تصویرِ خُدا ہیں

پیشانی تشویش میں ہے جلد و تمکین      تنگی میں بھی پوشیدہ ہیں کچھ جو ہر شہری  
ہر درو کی ایدائیں ہے اک پہلو تسکین      جو داغ ہے وہ دل کے لئے تاجِ جزیریں

یہ دل جو دھڑکتا ہے تو اک قسم کی گت ہے

ہر زہر میں سُنتے ہیں کہ تریاق کاست ہے

جن کی یہ تمنا ہے کہ دائم رہیں سُروز      ہیں فلسفہ طرزِ تمدن سے بہت دُور  
افراطِ خوشی، غم ہے، یہ فطرت کا ہے دستور      صدیوں میں رُخِ راحت و آرام ہے مستور

ضوِ لطف کی ہے پردہ آفات کے پیچھے

پہاں ہے سپیدائے سُحرت کے پیچھے

دُوب جاتے ہیں غم سے جو خیالات ہیں اُغل      ہو جاتے ہیں انسان کے اخلاق کُمل  
غمِ نفس کا قاتل ہے، تو باطن کی ہے عقیل      مر جاتا ہے جب سانپ، نکل جاتے ہیں سبیل

جی کھول کے رونا ہے علاج آنکھ کے تل کا

بہر آہ سے کچھ زہر نکل جاتا ہے دل کا

تکلیف کو تفریح بنالینے کی صنعت      حاصل ہے اُغصیں، جو ہیں پرستارِ حقیقت  
آئینہ ہے اُسرار کا ہر منظرِ قدرت      وہ چاند کی خُشکی ہو کہ سورج کی حرارت

ہر بات میں اک حُسن ہے، ہر شے میں نفیست      بد شکل کوئی چیز نہیں، ہو جو بصارت  
 رونا بھی ہے اک راگ، جو کابل ہے عمت      ہر اشک کے ساغرے اُلتی ہو بشارت  
 آنکھیں ہوں اگر، نار میں ہے نور کا جلوہ

ہر ڈوڑھ ناچسینہ میں ہے طور کا جلوہ  
 ہو ریگ کا انبار کہ برسات کا دریا      وہ جھپٹ کی ہو ڈھوپ کہ بادل کا ہو پردا  
 وہ لو کے تھیڑے ہوں، کہ ہو لوچ صبا کا      وہ خال سیہ ہو کہ چمکتا ہو اتارا  
 اے حُسن کے صانع! ترے اسرار نہاں ہیں

ہر شے میں کم و بیش کچھ انوار نہاں ہیں  
 شاد مٹی و الم رنج و خوشی، مدح و مذمت      اشتغلی و عیش و طرب، درد و مصیبت  
 آشوبِ جہاں، شامِ بلا، صبحِ مسرت      سب ایک نظر آئیں، جو ہو روح میں قسرت  
 ہم دل کا اگر ساز ستاروں سے بلا دیں

گو تار بہت سے ہیں، مگر ایک صدا دیں  
 نالے میں ہے جو نغمہ، مُبل میں نہیں ہے      جو زلفِ پریشاں میں ہے سنبُل میں نہیں ہے  
 اکثر جو ہے اجر، ابریں کشش، کُل میں نہیں ہے      کانٹے میں بھی اک شان ہے جو گل میں نہیں ہے  
 در پردہ یہ رب ایک میں ظاہر میں جدا ہیں

سرسبز اگر ہو، تو مسترت کے چلیں جامِ ناکام جو ہو تو بھی پیٹے بادۂ گلِ فام

یہ درودہ دوائیں ہیں جو کیاں ہیں اثر میں

جو یاس میں لذت ہے، وہی فتح و ظفر میں

اے دوست! بتاتا ہوں تجھے رُوح کے اُترارِ صدموں سے اگر چور ہے تیرا دل بیمار

آنکھیں تو اٹھا، دیکھ ذرا اُحسن کے الوارِ یہ چاند، یہ سورج، یہ نباتات، یہ کہسار

کیوں تیرے خیالات پریشاں ہیں برادر

اک غم ہے، تو سو عیش کے سماں ہیں برادر

غنجوں کی حیا، گل کی منہسی، اُدس کے گوہرِ زرتارِ شفق، سرد ہوا، باغِ مُعطر

رنگین گھسا، تو سِ قسزج، ہسبِ منورِ نفیے یہ پرندوں کے پہاڑوں کے یہ منظر

ہے کون سی خوبی جو مہ تو میں نہیں ہے

کیا باغِ اِرم صُبح کے پر تو میں نہیں ہے؟

یہ غم ہے، وہ راحت ہے، یہ عقیقی ہے، یہ دُنیا ان تنگ خیالات کے سائے سے نکل آ

ہر فکر سے مُنہ پھیرے، ہر رنج کو کھٹکرا او نچا ہو، بلند ی پہ جھلک رُوح کو چمکا

محفل میں تصوف کی تجھے بار ملے گا

ہر سانس میں اک مصرعہ کا بازار ملے گا

بہل ہیں یقیناً یہ بُرا ہے، وہ بھلا ہے۔

جو کچھ ہے، وہ صرف ایک تہم کی ضیا ہے

ہو دوست کے پہلو میں نشین تو مسرت مل جائے اگر راہ میں دشمن تو مسرت

ہو زیر قدم سبز گلشن تو مسرت کانٹوں میں الجھ جائے جو دہن تو مسرت

تدبیر اگر وصل کی ہو، رقص کی جا ہے

اور ہجر کی شب ہو تو تڑپنے کا مزا ہے

مونیخس و خاشاک ہے، دامن کو ہٹا لے نازک ہے بہت دل غم، ہستی سے بچا لے

اشکوں کے بُجارات میں رُخِ دل کو سنبھالے دانا ہے جو ہر غم میں خوشی ڈھونڈ نکالے

کب شیشہ دل، گر دنگدُر کے لئے ہے

ہر رنج میں آرام بہادر کے لئے ہے

پَر دے کو تعین کے درِ دل سے اٹھا دے کثرت نہیں وحدت ہے، یہ آنکھوں دکھا دے

ہاں بڑھ کے حجابِ رُخِ جانانہ ہٹا دے میدان کو حدیں توڑ کے سموار بنا دے

چوٹی سے چلے کوہ کی خورشید کا جلوہ

ہستی کی رگ و پے میں ہو توحید کا جلوہ

جو سعی میں سرگرم ہے دواؤں کے ہیں انجام سرسبز ہو، یا شومی قسمت سے ہونا کام



کچھ بحث یہاں مومن و کافر سے نہیں ہے  
 کیا خوب میں اس انجمنِ خاص کے دستور بے قدر ہے، جب تک کہ نہ ہوشیہ دل چور  
 آتا نہیں کچھ عقل میں، ہوتے ہیں وہ مذکور دوزخ میں وہی شے ہے، جو حکمی تھی سر طور  
 ذرے میں جو ہے، ہر درخشاں میں وہی ہے  
 جو کفر کے سینے میں ہے ایماں میں وہی ہے  
 اس بزم کے آداب ہیں سرِ پستہ حکمت آدم سے وحشت ہے، تو لذات سے نفرت  
 پھر جائے جو، جستی سے نظر، عین سعادت دل پچھلے پہ رات سے دھڑکے تو عبادت  
 ہر دن جو گذرتا ہے یہاں ایک صدی ہے  
 اس دائرے میں "موت" حیاتِ ابدی ہے  
 صحت میں نہیں جس کی یہاں نقص، وہ بیمار کاموں میں جو دنیا کے ہے مشغول، وہ بیکار  
 آنے نہیں پاتے کبھی اس بزم میں زردار زردار کے معنی ہیں کہ محتاج ہے نادار  
 دولت کی حقیقت کوئی سمجھی نہیں جاتی  
 منعم کی یہاں بات بھی پوچھی نہیں جاتی  
 اس راہ میں جو یاد کرے درست کو، غافل اس سے یہ نکلتا ہے ابھی دُور ہے منزل  
 معشوق سے ہر وقت جھنیں قُرب ہے حاصل کس کو وہ کریں یاد؟ بتائے کوئی عاقل

اُترے گی ترے دل میں مینائے رُخِ جاناں      کانٹوں میں بھی تجھ کو نظر آئیں گے گلستاں  
 ہنکھیں، ترے تلوؤں سے ملیں گے جنِ دانِ      جنت سے ہوا دے گا تجھے حور کا داماں

غلِ حشر میں ہو گا ہے یہ حیدر کا شرابی

آتا ہے وہ میخانہ کو تر کا شرابی

آزاد بھی ہو کشمکشِ سود و زیاں سے      ہاں دل کو بچا تیر گی آہِ دفناں سے  
 لمحے جو گزرتے ہیں، پھر آئیں گے کہاں سے      باہر تو نکل وہم کے تاریک مکاں سے

پھیلی ہے جہاں میں رُخِ جاناں کی تجلی

وہ دیکھ! بلند می پہ ہے عرفاں کی تجلی

اِس راہِ ہمایت میں آ، گر ہے جواں مُرد      یہ راہ ہے جس میں نہیں اڑتی ہے کبھی گرد  
 چہرے کبھی اس راہ میں ہوتے ہی نہیں دُرد      پھولوں کی ہنک آتی ہے چلتی ہے ہوا سُر

دُنیا ہے یہ وہ جس میں فلک ہے، نہ زمیں ہے

دُڑے میں یہاں وہ ہے جو سورج میں نہیں ہے

طے ہوتی ہے یاں دل کے دھڑکنے سے ہفت      سائے کی نہ حاجت ہے نہ ساماں کی ضرورت

اِس راہ میں آنکھیں بھی اٹھاؤ تو نحوست      اِس بزم میں گر سانس بھی تلجے تو کثافت

نسبت کچھ اسے عالمِ ظاہر سے نہیں ہے

معلوم تھا باطل کے مٹانے کا تجھے گرو کرتا ہے تری ذات پہ اسلام نفساخر

سُوکھے ہوئے ہونٹوں پہ صداقت کا سبق تھا

تلوار کے نیچے بھی وہی نعرہ حق تھا

شعلے کو سیاہی سے ملایا نہیں تُو نے سرِ کفر کی چو کھٹ پہ جھکایا نہیں تُو نے

وہ کو نساغم تھا جو اٹھایا نہیں تُو نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا نہیں تُو نے

دامانِ وفا، گھر کے شریروں میں نہ چھوڑا

جو راستہ سیدھا تھا وہ تیرے دل میں نہ چھوڑا

ہر چند کہ ایوب بھی اس فن میں تھے یکتا یونس نے بھی اک حد تک اُسے خوب نبھایا

یعقوب نے بھی زور تحمل کا دکھایا پر سب سے رہا بڑھکے محمد کا نواسا

خیرت میں پمیر ہوئے وہ کر کے دکھایا

مرتے نہیں کس طرح، اُسے مر کے دکھایا

کرتا ہوں رقمِ معرکہ اب کرب و بلا کا طوفان تھا، سیلاب تھا، اربابِ جفا کا

سینوں میں تلاطم ہو، وہ سماں تھا دغا کا بشاش مگر دل تھا امامِ دوسرا کا

ماتھے پیشکن بھتی، نہ بدن غرقِ عرق تھا

رُخ پر وہ صباحت تھی کہ سونے کا درق تھا

دل، آہ کبھی وصل میں بھرتا ہو تو کہہ دو

اپنے کو کوئی یاد جو کرتا ہو تو کہہ دو

جس کا یہ عقیدہ ہے کہ میں عبد، وہ معبود اس بزم کا قانون یہ کہتا ہے "وہ مردود"

سب ایک حقیقت میں ہیں، ساجد ہو کہ مسجود ہے کفر یہ کہتا ہے "یہ ایاز اور وہ محمود"

یاں لفظ "اَنَا الْحَقُّ" میں اَنَا باعثِ شر ہے

اس سے یہ ٹپکتا ہے خودی پیشِ نظر ہے

ہر دل کو یہاں کام ہے تسلیم و رضا سے ہر لب کو یہاں عید ہے تسبیحِ خدا سے

کیا اس سے سروکار ہے، بھوکے بول کہ پیاسے پر ہیز بڑا یہ ہے کہ نفرت ہو دوا سے

دعوت میں یہاں بھوک ہے خلعت میں کفن ہے

انعام یہاں سب سے بڑا دار و رسن ہے

اک روز ہوا شوقِ مرے دل میں یہ پیدا اس راہ سے گزرے ہیں جو نام آور دیکتا

حالات بھی کچھ اُن کے میں دیکھوں کہ وہ تھے کیا اس شوق میں تاریخ کے اوراق کو اُلٹا

فہرست میں اک نام تھا جو سب سے جلی تھا

مژدہ ہو کہ وہ نام حسین ابن علیؑ تھا

قربان ترے نام کے اے میرے پیار تو جان سیاست تھا، تو ایمان تدبیر

بے توڑے ہوئے قلعہ خبیبر کو نہ چھوڑا

جس روز مدینے کو بے دھائے تھے تمپیہ  
اُس روز برادر کی جگہ پر ہوتا برادر  
ہر چند کہ تیغوں کی چمک تھی سربستر  
سوتا تھا بڑے لطف سے تانے ہوئے چادر

دُنیا میں کوئی ایسا جری ہو نہیں سکتا

جس طرح وہ سوئے تھے، کوئی سو نہیں سکتا

یوں سامنے آ کے اگر ٹا نہیں اچھا ایمان سے اس طرح بگڑنا نہیں اچھا  
نادان! بُری بات پر اڑنا نہیں اچھا دُنیا کے لئے دین سے لڑنا نہیں اچھا

ناپاک نہ بن دولتِ ناپاک کے بدے

اکسیر کو ٹھکراتا ہے کیوں خاک کے بدے

شروت جو زیادہ ہو تو امیاں نہیں رہتا انسان، یہ وہ شے ہے کہ انساں نہیں رہتا

آسودگی رُوح کا سماں نہیں رہتا دلِ انجمنِ حُسن کے شایاں نہیں رہتا

دولت کو بہت لوگ یہ کہتے ہیں خدا ہے

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ زُر ایک وِبا ہے

ہوئے خواہشیں محدود تو اپنا نہیں ہوتی ارمان جو ہوں کم، زُر کی تمنا نہیں ہوتی

قانع کو کبھی چیز کی پروا نہیں ہوتی مومنِ مُسطَّح کبھی دُنیا نہیں ہوتی

فرماتے تھے سب قتل ہوئے پھر کے بانی      قاسم کہ تھا ستم خوردہ برادر کی نشانی  
اور حُسن میں اکبر تھا مرا یوسف ثانی      عباس تھا اسلام کی بھرپور جوانی  
سینے میں غلش، لب پہ مے آہ نہیں ہے

ہر چناب ان میں کوئی ہمراہ نہیں ہے  
شکر کی طرف دیکھ کے کہتے تھے یہ ہر بار      یہ طفل و علم ہیچ، یہ ابنوہ ہے بے کار  
انجام پہ کر غور ذرا شمر بد اطوار      کس شے نے کیا ہے تجھے اس جو رہ طیار  
فاسق کے لئے جنگِ امام دوسرا سے

بندہ کہیں منہ پھیر کے چلتا ہے خدا سے؟  
اے شمر! کوئی چیز ہے، یہ فوج گنہگار      دُنیا بھی اُمڈائے تو پروا نہیں زہنار  
مرعوب مجھے کر نہیں سکتے یہ سیہ کار      باطل سے بھی دیتے ہیں کہیں حق کے طرفدار

نازاں ہے کہ سردار ہوں میں فوجِ ستم کا  
سرِ رشتہ مے ہاتھ میں ہے لوحِ دستم کا  
اُس باپ کا بیٹا ہوں جو تھا اشجِ عالم      جس فرق پہ تھا سایہ فگنِ فتح کا پرچم  
جس ذات سے اسلام کی بُنیا دتھی حُکم      تھا اصل میں جو قوتِ ستمِ براکرم  
طفلی میں بھی سادنت نے اثر در کو نہ چھوڑا

جھوٹی یہ اُمیدیں ہیں پریشان ہیں افکار کس نشے میں بدست ہے دُنیا کے طلبگار

یہ شاخ ہے وہ، جو کبھی پھولی نہ پھلی ہے

دُنیا تجھے نادان کہہ سہلے کے چلی ہے

کھینچے لئے جاتا ہے کہاں تجھ کو زمانہ نئے کے سرِ اوار نہیں ہے یہ فِسانہ

دولت ہی کوئی اصل میں شے ہے نہ خزانہ دھوکا ہے یہ دھوکا ہے، پہانہ ہے پہانہ

واللہ کہ تُو جِرس کے سانچے میں ڈھلا ہے

حق چھوڑ کے باطل کی پرستش کو چلا ہے

مُنیاجے کہتے ہیں کثافت کا ہے انبار خنزیر کی ہڈی سے بھی کچھ بڑھ کے ہے مُردا

ناپاک ہے بد اہل ہے، کم ظرف ہے، بدکار مُردا رشکِ اس کا، تو پشت اُس کی ہے بیمار

مُبرُوص کے داغوں سے عفونت میں سوا ہے

ذلت کا یہ لُقمہ ہے، سگوں کی یہ غمزا ہے

تُو فخر سے کہتا ہے، جسے عیشِ تغُصُّم وہ خواب کی جنت ہے، وہ فردوسِ تُو

نالے ہی کی روداد ہیں، لغزہ کہ تر تُو ہے مہرِ فغاںِ روشنیِ ماہِ تَبُّم

تُو جس کو سمجھتا ہے کہ فردوسِ بریں ہے

دُھندلی سی سرت کا وہ سایہ بھی نہیں ہے

سلطان بھی جو ہو صاحب حاجت تو گدا ہے  
 جس کو کوئی حاجت ہی نہیں ہے وہ خدا ہے  
 اے بندہ زرا چونک، مناسب نہیں غفلت      معلوم نہیں کیا تجھے دنیا کی حقیقت؟  
 کس نیند میں ہے؟ چھوڑ بھی باطل کی محبت      آحت کی طرف، دیکھ یہ خوریں ہیں یہ جنت  
 خوریں ہوں کہ فردوس، یہ ادنیٰ سا صلا ہے  
 خود حق میں وہ لذت ہے جو ان سب سے بڑا ہے  
 دنیا ہے دنی، بیچ ہے دنیا کا زر و مال      تذلیل کی بنیاد ہیں حشمت و اجلال  
 ادبار کوئی چیز ہے دراصل نہ اقبال      وہ سر بھی کوئی سر ہے جو ہونے کو ہے پامال  
 بیدار ہیں دل جن کے وہ دنیا سے خفا ہیں  
 جو بھول کے طالب ہیں وہ کانٹوں سے جڑا ہیں  
 تکلیف کے اسباب کو راحت نہیں کہتے      جو چند نفس ہو، اُسے لذت نہیں کہتے  
 طوفانِ مصائب کو مسرت نہیں کہتے      جس شے کو فنا ہو، اُسے نعمت نہیں کہتے  
 آرام کی خواہش نہ کر دو قوتِ زر سے  
 لیریز کر و روح کو اللہ کے ڈر سے  
 غدار زمانے کی لگاوٹ سے خبردار      بیدار ہو، بیدار، ہشیار ہو ہشیار



کر وٹ ابھی بدلی سخی کہ پھر سو گئے ظالم  
 دُنیا کے تماشے سے ہوئے اہل جفا کو ر      تلواریں کھنچیں میان سے، قرنا کا اٹھا شور  
 گھوڑوں کو بچانے لگے میدان میں شہ زور      ڈھالیں جو اٹھیں رن میں گٹھا چھائی گنگھو

سایہ کیا پر کھول کے ہیبت نے نضا پر  
 چوٹیں وہ تو اترے پڑیں طبل و غا پر  
 حضرت نے کہا، شکر ہے کامل ہوئی حُجّت      ہو جائے گی اب اُمتِ بیمار کو صحت  
 اے خالقِ کونین یہ بندے پہ عنایت      بخششی ہے مجھے خدمتِ تکمیلِ نبوت  
 دُر تاہوں خوشی کی کہیں تکمیل نہ ہو جائے

اشکوں میں لہو جسم کا تبدیل نہ ہو جائے  
 ہر چند بظاہر یہ مصیبت کے ہیں ساماں      جب دیکھتا ہوں غور سے، کچھ راز ہیں نہاں  
 ظاہر میں جو کانٹے ہیں وہ در پردہ گلستاں      یہ گرد نہیں، حضرت یوسف کا ہے داماں  
 ہاتھوں پہ لے تاجِ صداقت نکل آئی  
 جب چاک ہوا، عیش کی صورت نکل آئی

بس اتنے میں ناگاہ برسے جو لگے تیر      خیمے کی طرف دیکھ کے چپ ہوئے شبیر  
 گھوڑے کو بڑھا کر یہ پکارے شہِ دلگیر      مجبور ہوں، اب کھینچتا ہوں میان سے شیر

جاگو غسریاں پہ نظر ڈال یہ عبرت کھل جائے گی تجھ پر تری دنیا کی حقیقت  
عبرت کے لئے ڈھونڈ کہی شاہ کی تربت اور پوچھ کہہ صربے وہ تری شان حکومت؟  
کل شجہ میں بھرا تھا جو غسہ در آج کہاں ہے؟

اے کاسہ سر! بول تر آج کہاں ہے؟

یہ کہہ کے جو موئی نے نظر کی سونے کفار تھامہ کو جھکائے ہوئے ہر ایک سیہ کار  
ہر شخص کے چہرے پہ خجالت کے تھے آثار یہ رنگ جو دیکھا تو کہا شمر نے "بیدار  
ہشیار! مرا تب کے طلب گار جوانو!

ہو جاؤ بس اب جنگ پتیار جوانو!

تقریر میں کامل ہیں بہت حضرت شبیر ہو جاؤ گے گمراہ اگر ہو گئی تاثیر  
کیا دیر ہے؟ میداں میں بڑھو تول کے شیر یہ زربے، یہ دولت ہے یہ منصب ہے یہ جاگیر  
ہو جاؤ گے بشاش وہ انعام ملے گا

کہتا ہوں کئی پشت تک آرام ملے گا

کفار کو یہ شمر نے لالچ جو دلائی دنیا نے بصد ناز جھک اپنی دکھائی  
جھنکار میں تیغوں کی بڑے ناز سے آئی سینوں میں در آئی تو کلیجوں میں سمائی  
سب بھول کے دنیا کی طرف ہو گئے ظالم

ہرگز نہ ڈرو کفر سے ایساں کا سبق ہے  
 اُن کی یہ شجاعت نہیں، یہ قوتِ حق ہے  
 بُزدل میں بھی جب قوتِ حق بھرتی ہو جرتِ اتنی بھی نہ حق کیا مجھے بخشے گا جلالت  
 دکھلا دُوں میں تم کو کہ یہ ہوتی ہے شجاعتِ حاصل ہے مجھے قوتِ حق زورِ امامت  
 یہ جنگ کا طوفان ہے کچھ سیر نہیں ہے  
 میدان سے ہٹ جاؤ کہ اُتب سیر نہیں ہے  
 مولیٰ کا مزاج اتنا جو ہر دم نظر آیا شکر پہ عجب خوف کا عالم نظر آیا  
 سامانِ جفا درہم و برہم نظر آیا کی جس سرخیرہ پہ نظرِ خرم نظر آیا  
 خاموش صفیں یاس کے عالم میں کھڑی تھیں  
 مَرْدہ تھیں نگاہیں کہ زمینوں میں گر دی تھیں  
 لکھا ہے اُدھر تھابنِ قطبہ کوئی سرداُ مرحب بھی کچھ بڑھ کے شجاعت میں منو دار  
 بدست کئی من کا بجے جسم پہ ہتھیار نعرہ تھا کہ خالی نہیں جاتا ہے مرا دار  
 دو تئو تھے زِرہ پوشِ ستمگار کے پیچھے  
 جس طرح کہ بل کھاتی ہے دُوم مار کے پیچھے  
 آیا عجب انداز سے میدان میں ستمگر دُوبا ہوا فلا د کے ساماں میں سر اسر

ہنگام و غابرق ہوں، طوفان ہوں، غضب ہوں

ہشدار کہ میں رُوح شجاعانِ عرب ہوں

وہ سامنے آئے جسے مرنا ہو گوارا رہتا نظر آئے گا یہاں خون کا دھارا

گھٹ جائے گا دم بھر میں ابھی زور تھارا رہتا ہے سدا حق کا بلندی پہ ستارا

جنگاہ میں باطل کے قدم گڑ نہیں سکتے

دیکھو کہے دیتا ہوں کہ تم گڑ نہیں سکتے

جو سخت ہے، جرأت کبھی اُس دل میں نہیں ہے حق، حق نہ رہے، زور یہ باطل میں نہیں ہے

سیطوت کی صفت، فرقہ و غافل میں نہیں ہے ہمت کا نشان، فطرتِ جاہل میں نہیں ہے

نام و کبھی تاب جفا الٰہ نہیں سکتا

کافر کبھی مومن پہ ظفر پا نہیں سکتا

جس قلب میں ہے کفر، وہ دوزخ کا دھواں جس دل میں معارف ہیں، وہ اک برقِ تپان ہے

باطل کا جو حامی ہے، وہ بے نام و نشان ہے جو حق کا طرِ فدا رہے، اک شیرِ زیاں ہے

سچائی کے قدموں پہ سرِ فتح و ظفر ہے

جرأت بھی اُسی بکرت ہے، ایمان جدھر ہے

جو لوگ کہ دُر جاتے ہیں بادل کی صدا سے کانپ اُٹھتے ہیں بچوں کی طرح ذکرِ و غا سے

جب ہوتی ہے مذہب کی کششِ فضلِ خدا سے لڑ جاتے ہیں، دبتے نہیں اربابِ جفا سے

شرمایا تو نامرد بڑھسا تول کے تلوار      تا دیر شہر دیں پہ تو اتر سے کئے وار  
بھینے کی طرح ہانپ رہا تھا وہ بداطوار      حضرت نے کہا اب مری باری ہے خبر دا

اتنی تو خستہ تھی کہ چلی فسق لعیں پر

دیکھا تو اتر آئی تھی مرکب سے زمیں پر

خوں پونچھ کے حضرت نے کیا نعرہ تکبیر      تلوار سے ہنس کر یہ کہا واہ رشی شیر  
چلتی ہے تو کرتی نہیں دم بھر کی بھی تاخیر      کس حُسن سے تو کھینچتی ہے موت کی تصویر

تو موت کا سیلاب ہے تو برق فنا ہے

پیغام اجل کا ترے دامن کی ہوا ہے

مارا گیا اس طرح جو لشکر کا نمودار      چہروں سے اڑے رنگ وہ گھبرا گئے کفار  
حضرت نے ڈپٹ کر یہ کہا فوجِ بداطوار      بڑھتا نہیں تم میں سے کوئی کھینچ کے تلوار

سردار کے مرنے کا نہیں درد نہیں ہے

کیا اتنے جوانوں میں کوئی مرد نہیں ہے

یہ فوج کا انبوہ، یہ میں یکہ و تنہا      مارا ہوا صدموں کا کئی روز کا پیاسا  
یہ کیا ہے کہ لاکھوں کو نہیں جنگ کا یارا؟      تُو لے سپہ شام اشجاعت وہ ہونی کیا؟

تم لرزہ بر اندام ہو عزت گئی سب کی

گفت منہ میں، لہو جوش میں، غصہ سے جبیں تر ہتھیاروں کی آواز، تو وہ زین کی چرمر

دل میں تھا غصہ، نشہ پندار تھا سر میں

اک تیغ تو تھی ہاتھ میں اور ایک کمر میں

اس طرح جو آیا وہ قریب شبہ ابرار مولانے کہا، "ناچر چشم" کے طلب گار

اب دیر مناسب نہیں، ہاں واریں ابرار جو ہر جو دکھانا ہوں تو بڑھ تول کے تلوار

ہم وہ ہیں کہ دشمن پہ بھی شدت نہیں کرتے

جو حق کے پرستار ہیں سبقت نہیں کرتے

یہ سن کے بڑھاتوں کے نیزہ جو وہ گمراہ رستم کی صدا آئی کہ "اَلْعَظَمْتُ لِلّٰہِ"

نیزے کو ابھی اُس نے گمنا یا تھا کہ ناگنا ترجمہ ہوئی اس شان سے شمشیر یہ اللہ

کلم بخت کے نیزے کے لئے ضربِ فنا تھی

اس حُسن سے کاٹا تھا کہ ہر پوئے رجبِ اسحقی

غصے میں کہاں لے کے بڑھتا تب وہ بنگار بے رحم نے چلتے سے بڑھایا لبِ سُو فار

شبیر نے یہ دیکھ کے چمکایا جو رہوار نیزے پہ اڑا لائے کہاں سیدِ ابرار

ظالم نے کہاں دیکھی جو نیزے کی آئی پر

اک تیر سا گویا کہ لگا قلبِ شقی پر

تلوار تھی یا ساز، کہ لغتہ تھا عسم اُس کا  
 تھا مر کر آوازِ فنا زیر و بم اُس کا  
 مُصروف ابھی جنگ میں تھے حضرت شبیرؑ      آواز اک آئی کہ بس اب روک لے شمشیر  
 لازم ہے کچھ اُمت کی شفاعت کی بھی تدبیر      پی جامِ شہادت کہ بڑھے عزت و توقیر  
 طوفان سے بچا حق کو لہو اپنا بہا دے  
 اُمت کو بہادر ہے، تو اب مگر جلا دے  
 جھنکار سے میدانِ دغا گونج رہا تھا      ناگاہ پئے صبر و رضا حکم جو پہنچا  
 یوں میان میں چلتی، ہوئی تلوار کو رکھا      غلِ جن و ملائک میں اٹھا صلِ علی کا  
 ایمان کی ڈوبی ہوئی نبضیں ابھر آئیں  
 خدمت کے لئے چرخ سے حُوریں اُتر آئیں  
 ذروں پہ جو سجدے میں جھکے حضرت شبیرؑ      چلنے لگے ہر سمت سے تیغ و تبر و تبر  
 بے کس پہ چکے لگی شمشیرِ شمشیر      سرِ پیٹ کے کہنے لگی یہ زینبِ دل گیر  
 چھوٹوں کی نہ اس غم میں کبھی نوحہ گری سے  
 اندھی کا تصادم ہے چراغِ سحر سے  
 ہے بے کوئی عباسؑ دلا در کو پکارو      بابا پہ بُرا وقت ہے اکبرؑ کو پکارو

تکلیف میں رُوحیں ہیں شجاعانِ عرب کی

یہ سن کے بھی جب کوئی نہ میدان میں آیا      خود اُن کی طرف آپ نے گھوٹے کو بڑھایا  
تلوار چکنے لگی، گرنے لگے اعدا      دو ہو گیا کوئی، کوئی ترپا، کوئی بھاگا

آنکھوں میں چکا چونڈ تھی حیراں تھے ستلگر

آپس میں مگر دمت و گریباں تھے ستلگر

جس سمت چھپتا تھا وہ شیر صفِ جنگاہ      گر گر کے فنا ہوتے تھے گھوڑوں سے روپاہ  
گُفّار میں تھا شور کہ اَلْعَظْمُ لِلّٰہ      آتی بھی ہیں شیروں کے مقابل کہیں روپاہ

ترتیب صفوں میں تھی، نہ وہ شانِ پروں کی

پرست کا طوفان تھا بارش تھی سردوں کی

کیا جو ہر شیر تھا، کیا زورِ شجاعت      نزدیک کوئی آئے، نہ پڑتی تھی یہ بہت

تابندہ خط و خال میں تھی برقِ امامت      حمید رُکی جو سطوت تھی تو حمزہ کی جلالت

شمشیر نہ تھی، فوج پہ سبکی کی چمک تھی

یا ابرِ سیہ تاب میں کوندے کی لپاک تھی

جس سر پہ چلی پیکرِ بے جاں نظر آیا      جس سمت گئی، خون کا طوفان نظر آیا

اونچی جو ہوئی، برق کا داماں نظر آیا      نیچی جو ہوئی، قبر کا ساماں نظر آیا

تلوار تھی، یا ساز، کہ نغمہ تھا غم اُس کا



ناشا دتری بے کسی و یاس کے قربان      نازک یہ ترا بسم، یہ تپتا ہوا میدان  
لکڑے یہ بدن کے، یہ ردا خون میں غلطان      فوروں پہ ہیں قرآن کے ادراقی پریشان  
بے کس تے اکبر کی جوانی کے تصدق

مظلوم اتری تشنہ وہانی کے تصدق

تُو اور سرِ خاک، امرے گیسوؤں والے      یہ دل یہ بکائیں، یہ زباں اور یہ چھالے  
اس پیاس میں گردن پہ چھری حیم پہ بچالے      افسوس ہے اے فاطمہ کے ناز کے پالے  
عبرت کا وہ منظر ہے کہ خود ظلم خجل ہے

یہ لاش نہیں خاک پر اسلام کا دل ہے

یہ شام کا ہنگام، یہ اندوہ، یہ سیدان      یہ ہو کا سماں، اور یہ سنسان بیابان  
رائدوں میں تلاطم ہے، اُداسی کے ہیں سامان      سوتے ہیں ٹٹے شام سے خیمے کے نگہبان  
غم اتنے ہیں، اور ایک بھی غم خوار نہیں ہے

جُز ذاتِ خدا، کوئی مسد و گار نہیں ہے

سیدانوں کے بیچ ہیں عابدِ مضطر      منہ دیکھتی ہے سب کا سکینہ ہے و پشتِ سر  
ہاتھوں سے جگر تھام کے کہتے ہیں پیمر      بیٹا! یہ ستمگر کی اُنی اور ترا سر  
آئنا ابھی تک مری اُفت کے عیاں ہیں

اکبر نہیں مٹتے ہیں تو اصغر کو پکارو بیٹے یہ چھری چلتی ہے حیدر کو پکارو

زہرا کی دُہائی ہے ہمیشہ کی دُہائی

چھتا ہے جگر خالق اکبر کی دُہائی

حضرت نے جو زینب کی سُننی گریہ دزاری چُپ ہو گئے وہ قلب پہ حالت ہوئی طاری

تلواریں لگانے لگے بڑھ بڑھ کے جو ناری مولانا کہا شکر ہے اے ایزدِ باری

کُتا ہے گلا بھائی کا ہشیر کے آگے

تدبیر سرِ خاک ہے تقدیر کے آگے

ترپے جو کئی بار زمیں پر شہِ والا سمجھے یہ ملائک کہ قیامت ہوئی برپا

خیمے کو بڑی یاس سے مظلوم نے دیکھا اتنے میں کسی سبت سے اک تیرہ سر وہ آیا

پامال صفِ شکرِ غم ہو گئے موئے

دل میں وہ اٹھا دردِ کُھم ہو گئے موئے

رُک رُک کے جو تلوار چلی شُک گلے پر زہرا کی صدا آئی کہ "آہستہ سہتمگر"

حیدر نے بڑے پیار سے زانو پہ لیا سر گر دوں کی طرف دیکھ کے بولے یہ پیر

شکوہ نہیں نکلا مرے پیاسے کے لبوں سے

نکلی ہے مرنی رُوحِ نوا سے کے لبوں سے

وہ تخت ہے کس قبر میں وہ تاج کہاں ہے  
 اے خاک بتا، زور یرید آج کہاں ہے  
 احساس نہیں جس میں وہ تاریک ہے سینہ      دوزخ میں اترتا ہے سدِ ظلم کا زینہ  
 پستی کے علامات ہیں، انصاف سے کیونہ      جو حق سے لڑا ڈوب گیا اُس کا سفینہ  
 ہاں پیرو باطل کو ابھرتے نہیں دیکھ  
 جب زلف یہ بگڑی تو سنو تے نہیں دیکھ  
 اے قوم! وہی پھر ہے تباہی کا زمانہ      اسلام ہے پھر تیرا حادث کا نشانہ  
 کیوں چپ ہے؟ اسی شان سے پھر چھڑتا نہ      تاریخ میں رہ جائے گا مردوں کا فسانہ  
 مٹتے ہوئے اسلام کا پھر نام حبلی ہو  
 لازم ہے کہ ہر فرد حسینؑ ابن علیؑ ہو

یہ نظم ۱۹۱۸ء کی ہے جو غالباً ۱۹۲۰ء میں طبع ہوئی تھی۔

اس نظم کو صرف اس نظر سے پڑھا جاسکتا ہے کہ یہ آج سے اٹھارہ برس پیشتر کی چیز ہے۔

اس حلق پر اب تک مے بوسوں کے نشان ہیں  
 مصروفِ پیسہ تھے بھی آہ و بکا میں      آہستہ سے جنبش سی ہوئی موجِ ہوا میں  
 آواز اک آئی نہ ٹپ دشتِ بلا میں      سر رکھا ہے شبیر کا حوروں کی ردائیں  
 اس خونِ گہر خون سے ممتاز کیا ہے  
 ہم نے ترے بچے کو سرفراز کیا ہے  
 اے جوش یہ اب تک ہے اسی خون کی تاثیر      ہوتی ہے بالا اعلانِ بڑی شان سے تیکر  
 اب بھی جنہیں ملتی ہے رُو عشق میں تعزیر      صد شکر کہ خوش ہو کے پہن لیتے ہیں زنجیر  
 ڈرتے ہی نہیں دیکھ کے جلاؤ کی صورت  
 زنداں میں چلے جاتے ہیں سجاد کی صورت  
 اک کھیل ہے اُن کے لئے شاہوں کی جہلات      سینوں میں ہے ایمان زبانوں پہ صداقت  
 کوشش ہے کہ آزاد ہوں پابندِ مصیبت      سر جائے تو جائے نہ گرتے تاجِ خلافت  
 تقدیر سے جس قلب میں ایمان کی بو ہے  
 پنجاب کے ناکردہ گناہوں کا لہو ہے  
 بیدار کی حسرت کو نکلتے نہیں دیکھا      کاغذ کی کبھی ناؤ کو چلتے نہیں دیکھا  
 ظالم کو کبھی پھوٹتے پھلتے نہیں دیکھا      ٹھوکر ہے یہ وہ جس سے سنبھلتے نہیں دیکھا

# پینمبر اسلام

نگاہِ فطرت کی صنوبر سے یوں تو ہر ایک نے جھٹک لیا ہے  
 دیے ہیں ذرات کی تہوں میں ہزار اسرار کے خزانے  
 ہر ایک قوت اُبھر رہی ہے، ہر ایک پودا پھٹک رہا ہے  
 ازل سے آغوشِ خارخوس میں کھلے ہیں پھولوں کے کارخانے  
 ہر ایک خوش ہے مجوزِ نیت، ہر اک شکوفہ سنور رہا ہے  
 چل رہا ہے رگ جہاں میں اُسی طرح خونِ زندگانی  
 مگر زمانے کے خالِ دخط سے ٹپک رہا ہے شبابِ اب تک  
 زمانہ ہے رحمتوں کی تازہ نوازشوں سے دوچا ابھی  
 جسین لیلائے شب ہے روشن رو پہلی قدیلِ سحر کی

عطا و انعام کے فرشتے یہاں سدا پیش و پس رہے ہیں

زمین پر صبحِ ازل سے اب تک کرم کے بادل برس رہے ہیں

مگر یہ سب بشمارِ تحفے، زمیں کو فطرتِ بخشش ہی ہے  
 کوئی حقیقتی ہے ان میں نعمت تو وہ اک آزاد آدمی ہے  
 وہ آدمی، موجِ زندگی سے نگاہِ جس کی دھلی ہوئی ہے  
 وہ آدمی جس کے نفس میں کتابِ حکمت کھلی ہوئی ہے

# اے مومن! لکھو

آج پھر شاعر کی آنکھوں سے ٹپکتا ہے ہوا  
 یہ نہیں کہتا کہ شاہنشاہ پر تم روئے کیوں  
 دل پہ حالت کیوں ہوئی طاری غم اور قوم کی  
 سخت حیراں ہوں مگر اے امت بدرِ جنین  
 پختگی ایساں کی ہو مجروح، دہم خام سے  
 رفتیں منستی ہیں جس کی گنبدِ افلاک پر  
 حق پرستوں کی طرف سے اور یہ تو ہیں حق  
 ممبرِ سبطِ نبیؐ پر اور سیاسی شور و شین  
 اے محبانِ علیؑ، اے مومن! لکھو  
 آنسوؤں سے نامہ اعمال تم نے دھوئے کیوں  
 چوڑیاں کیوں لگیں ٹھنڈی عرویس قوم کی  
 دنیوی تصویرِ غم کا شیشہ ہو خونِ حسینؑ  
 خون کی بوندیں ٹپکتی ہیں دلِ اسلام سے  
 تاج کا سایہ پڑے اُس کر بلا کی خاک پر  
 غیرتِ بخت کے ماتھے سے ٹپکتا ہے عرق  
 مجھ سے آنکھیں تو ملاؤ سو گوارا حسینؑ

دین بھی اب کا پتا ہے عسکری قانون سے

تیج کا پانی ہے بھاری کر بلا کے خون سے

وہ خوشہ سمار جو نہ جانے کہ فنِ تعمیر کیا بنا ہے محل کا کیا ذکر، اک گھر وند ایسی زندگی میں بنا سکا؟

بنا سکے گا بھی وہ اگر کچھ، نہ رہ سکے گا نشان اُس کا

رہے گا مٹی کا ڈھیر ہو کر ضرور اک دن مکان اُس کا

ایسی طرح وہ، جو دوسروں کی بہارِ حرکت کا خوشہ چین اسی طرح وہ، جو کہہ رہا ہے نبی ہوں، لیکن نبی نہیں

وہ ایک پودا ہے باغِ عالم میں مجلسِ نہ پھل سکے گا

کبھی اُس آشفۃ سر کا مذہب جہاں میں یوں نہ چل سکیگا

معبلا یہ ممکن ہے کذب پر ہمدرد ارک دینِ مستقل کا؟ گراں بہا وقت کی جہیں پر نشاں ہوا کہ پلے مغل کا

دروغ، اور یہ فروغ پائے دلوں پہ حاصل ہو یا شاہی اور اُس کی حقانیت پہ صدیوں کرو روں انسان گویا!

یہ ہم نے مانا کہ جھوٹ کو بھی فروغ ہوتا ہے لیکن اتنا سُبک شگوفوں سے چھیر کر تاگز گیا اک ہوا کا جھونکا

مگر وہ کبھی، جو آج لاکھوں خدا کے بندوں کی حوزِ جانا

وہ محض اک شعبہ ہوا، ناداں، بتا فرست تری کہاں؟

سراب کو لاکھ کوئی پوچھے، پر ایک قطرہ نہ پی سکے گا یہ یاد رکھو دروغ صدیوں نہ جی سکا ہے، نہ جی سکیگا

خدا کے وہ بشارت بندے کہ مستحق ہیں نوازشوں کے رہیں وہ صیدِ ربوں مسلسل ذلیل و ناپاک سازشوں کے

اگر یہ ہم مان لیں کہ دنیا ظلم خانہ پیشِ طینت کا مذاق اڑانا پڑے گا ہم کو خدا کے ذوقِ ربوبیت کا

دروغ میں رہے ہو جو بڑھک، وہی خدائی کا ہنسا ہے اگر یہ سچ ہے تو پھر خدا کا جلال محض اک ڈھکڑا ہے!

وہ آدمی جس کی تیز نظریں، مزاجِ عالم کی راز دانی ہیں  
وہ آدمی جس کا جامِ اُلفت، خشک ستارے پیئے ہوئے ہیں  
وہ آدمی جس کے پاک دل میں پیامِ فطرت چھپا ہوا ہے  
وہ آدمی جس کا گرم ناخن ربابِ ہستی کو چھو رہا ہے  
وہ آدمی جو ہوا کی رو میں خدا کا پیغام سن رہا ہے

اگر نقشِ قدم پر اُس کے ازل سے سجے میں آسمان ہیں

مگر غضب تو یہ ہے جہاں میں اُسی سے بے اعتنائیاں ہیں

بہت گزرے ہیں یوں تو انسانِ خرد کی شمعیں جلانے والے  
بتوں کی ہیبت اُٹھانے والے، خدا کا سکہ بٹھانے والے

مگر عجب خموش اُنق سے کرن وہ پھوٹی رسول بن کر

کہ جس نے ظلمت کے خاروں سے دہک اُٹھے سرخ پھول بن کر

ابھی تک انکار پر مصر ہے، دماغ منتحل ہے کافری کا  
کوئی فلاحت کا ہے وہ ماہر، کہ یہ حقیقت کسے ہویدا

کوئی نظیر اس کی بل سکے گی؟ کہ آگ پانی سے جل سکے ہے  
زمین چھٹکا سکی ہے تارے؟ چٹان موتی اُگل سکی ہے؟

کبھی کوئی جنس اپنی ضد کی طرف تباہ و اگر پھری ہے؟  
کھلی سے شعلے کبھی اُٹھے ہیں؟ شر سے شبنم کبھی گری ہے؟

دیارِ باطل کے کاررواں کو سراسرِ دین و بل بلائے؟  
کسی کو خشتی کا بیج بو کر کبھی سندر کا پھل ملا ہے؟

سرشتِ جو خشت کی نہ سمجھے، مزاجِ جو رنگ کا نہ جانے؟  
زبان اُس کی سن سکے گی ستون و محراب کے فسانے؟



اگر یہ بے جان مسند ہے تو زندگی کا یہ جوش کیوں ہے؟

اگر یہ تکذیب کا ہے شایاں، زبانِ فطرتِ خوش کیوں ہے؟

جو جانچنا ہے تو کیوں نہ پھر ہم ہر ایک پہلو کو کھینچ لیں؟

ثبوتِ پیغمبری کی خاطر، عرب پر آؤ نگاہ ڈالیں!

عرب، وہ ریگِ رواں کا عالم، سراب کی ہر لٹاکُ نیا!

وہ سُرخِ ذرات کا مسندِ ریش کا وہ خوفناک صحرا!

وہ مسندِ بوقیس و فاراں، وہ مسندِ تختِ شاہِ خاؤ

جہاں جنگ و جدال و غارت، مقامِ تیغ و نالِ خونِ خنجر

حد و دامن و اماں باہر، لباسِ شائستگی سے عاری

گرچہ سے افلاک زلزلے میں، کرٹک سے لرزاں زمین ساری

سفید، اندیشہ و غما سے سیاہ، گر و مبادرت سے

برادری سے جہاں کی خارج، الگ شعاعِ معاشرت

زمینِ فتنہ، دیا رُشورِش، مقامِ گریہ، محلِ ناری

نہ ظلمِ ظاہر، نہ قُودِ باطن، نہ حُسنِ انساں، نہ خوفِ باری

وہ گرمِ سہت و بندِ ٹیلے، وہ بولِ بادِ سموم و طوفان

وہ عجبِ جبروتِ شاہِ خاؤ، وہ بولِ اساکِ ابر و باران

دُروں میں وہ ایک بُدبے سے قطارِ استرِ قدمِ بجائے

ادھر ادھر وہ جہاں کُشِ غرور سے گردِ نیل اٹھائے

غضبِ آبادیوں کے باہر ادھر دکھتی ہوئی چٹانیں

سُتم ہے آبادیوں کے اندر ادھر کڑکتی ہوئی کمانیں

یہ ملک، اور اک یتیم بچہ، نہ کوئی وارث، نہ کوئی والی

سُرمائے اک پیرِ سالخوڑہ، اسیرِ صدِ ضعف و خستہ عالی

نہ باپ سر پر، نہ ماں کا سایہ، بلا نصیبِ ستم رسیدہ

مقامِ حیرت کا رہنے والا، نہ شاؤ و فرھاں، نہ آبدیدہ

کتاب سے نابالغِ مُعرا، فیوضِ تعلیم و تربیت سے

کھلیں جو آنکھیں تو بند پائی مدد کی ہر راہِ شہیت

سنو کہ جھوٹا کبھی نہ ہوگا جو دل میں رکھتا ہے کوئی جوہر

اگر ہے شک تو نگاہ ڈالو خصوصیات ہمیں بری پر

وہ رُوح، بُنیا دکھیں ہم جسے اک آئینِ مستقل کی ہمیشہ ڈوبی ہوئی ہے گی خوش گہرائیوں میں دل کی  
بقائے انسانیت کی خاطر جو قلب جو یائے راز ہوگا نظامِ تخلیق و رُوحِ عالم سے مجوز از دنیا ہوگا  
وہ پاک ہستی جو نوعِ انساں کی فکر میں بقرار ہوگی بشر کی پنہاں ترین جس سے نگاہ اُس کی دو چہرگی  
سُنتش ہیں اُس کے دلِ عظیم اشکالِ آسمانی ہمیشہ پیشِ نظر ہے اُس کے کش کشِ مرگ و زندگی کا  
جلتا رہتا ہے تازہ شمعیں وہ نفسِ بزمِ آب و گل میں سوالِ علم و عمل کا شعلہ لرزتا رہتا ہے اُس کے دل میں

جوانِ حقائق میں غرق ہوگا، بھلا وہ حد سے گزر سکیگا؟

جو رازِ فطرت سے آشنایا ہو وہ جھوٹ برداشت کر سکیگا؟

پس ان دلائل کی روشنی میں ضروریہ ماننا پڑے گا کہ ہے پیامِ خدائے برتر، پیامِ سنجیدہ عرب کا  
سُنئے ہوئے اس پیامِ حق کو اگرچہ صدیاں گزر چکی ہیں بہت سی قومیں ابھر کے ڈوبیں ہزاروں جی جی کے سرکشی  
مگر حروفِ اس کے ہیں کہ اب تک اسی طرح سے جھکات ہیں ہر ایک نقطے میں، زندگی کے ہزاروں شعلے بھڑک رہے ہیں  
کبھی تو کر غور اپنے جی میں کہ اس روش میں یہ بات کیوں؟ اگر یہ شے عینِ حق نہیں ہے تو پھر یہ رنگِ نبات کیوں؟  
اگر یہ مصحف نہیں تو ہاتھوں پہ کیوں مشیت لٹی ہو ہے؟ اگر غلط ہے تو کیا خدا کا جلال سازش کے لئے ہے؟

دریں زمانہ فریقتی کہ خالی از غزل است

صرحاً چوئے ناب و مفینہ غزل است

(حافظ)

# بادۂ سرچویش

ابواب

(۱)

جدید رنگ تمغزل

(۲)

قدیم رنگ تمغزل

پلا ہو بے باپ کا جو تجھے عرب میں، اور پھر اس اتہری سے

اگر کسمپرسی نہیں، تو واقف ہو اوہ کیوں کسمپرسی سے؟

پیام بگیا نہ تمدن، بنائے تہذیب ڈالتا ہے؟ دماغ پر وروہ بیا باں، جہاں کو سانچے میں ڈھالتا ہے؟

وہ طفل، پروان جو چڑھا ہو دیارِ اصنام آفریں صدائے توحید سے وہ ڈالے شگافِ محرابِ کافر میں!

اگر صدا اس نبیِ امی کی آسمانی صدا نہیں ہے

تو پھر کہاں سے یہ فیض پہنچا؟ جواب اس بات کا نہیں ہے

عرب کے ہیر و عجم کے سلطان، نظامِ ارض و سما والی زین پر لطفِ کرم کی تُو نے عجب بگیا لطیف ڈالی

چلا جو دوشِ صبا پہ تیرا پیام ابرہہ بن کر تمام باطل کے سنگریزے ہلکے ٹٹے برگ و بار بن کر

مشیتِ ایزدی کے دل سے بنا ہے شاید دماغ تیرا وگرنہ کیوں طاقِ بادِ صحرے میں ملتا ہے چراغ تیرا؟

بے میں سینے میں زندگی کے بہتے جو ہر اُبھرنے والے

ادھر بھی ہاں اک نظرِ خدارا، دلوں کے بیدار کرنے والے!!



صُبحِ بالیں پہ یہ کہتا ہوا غمِ خوار آیا  
 صُبحِ کا نور لے دولتِ بیدار آیا  
 بختِ خوابیدہ گیا غلّتِ شب کے ہمراہ  
 خیر سے باغ میں پھر غنچہ گلزنک کھلا  
 شکر ایزد کہ وہ سخیلِ سیحانِ فساں  
 رخصت لے شکوہِ قسمت: کہ سرِ بزمِ نشا  
 رُشدِ الحمد کہ گلزار میں ہنگامِ صبح  
 غنچہ بستہ: چٹاک، جاگ اُٹھی موجِ صبا  
 خوش ہوئے عشق کہ پھر حسنِ ہوا مائلِ ناز  
 لے نظر! شکر بجالا کہ کھلی زلفِ دراز  
 بادباں! ناز سے لہر کہ چلی با و مُراد  
 خوش ہوئے گوش! کہ جبریلِ ترنم چپکا  
 مرثدہ لے چشم! کہ پیغمبرِ انوار آیا  
 خوش ہوئے پیرِ مفاں! جوشِ ہوا نغمہِ فروش  
 مرثدہ لے دخترِ رزا! رندِ قدحِ خوار آیا

# جدید رنگ تغزل

دلِ ہم کے سانچے میں نہ ڈھالا ہم نے      اُسلوبِ سخنِ نیا نکالا ہم نے  
فِرات کو چھوڑ کر حرلیوں کیلئے      خورشید پہ بڑھ کے ہاتھ ڈالا ہم نے  
(مصنف)

صبر کر لے دل کہ پھر وہ شاہِ خُجُراں آئے گا  
یوں نہ آہیں بھر کہ پھر اس خلوتِ خاموش میں  
جان، لے ناعاقبت اندیش، رُور و کرنے  
دھو نہ بام و در کی نقاشی کہ پھر اس قصر میں  
شُل نہ کر شانوں کو ماتم سے کہ کل اس میں  
سر و سنبُل کی نگہ داری سے، غافل ہو شیار  
سبزہ خدایدہ کو سر سبز رکھ، لے باغبان  
سرنگوں میں گل تو کیا پروا کہ پھر وہ لالہ رُخ

تہ نہ کر لے جوش، فرشِ بادہ خوارِ تہ نہ کر

کل ہیں گردش میں پھر جامِ زرافشاں آئیگا



صد شکر کہ پھر زلیت کا سماں نظر آیا  
پھر در پہ کوئی فتنہ، دوراں نظر آیا  
پھر طبلِ گراں مست ہوا نکہتِ مے سے  
پھر ذوقِ طرب سلسلہ جُنبان نظر آیا  
پھر اکبر کے سائے میں گلستاں نظر آیا  
پھر کا کلِ نژادِ لیدہ سے جھلکا رُخِ نگین

اے حسن! اگر عشق خریدار نہ ہوتا      یہ غلغلہ گرمی بازار نہ ہوتا  
 نالوں سے مرے، چرخ اگر گونج نہ اٹھتا      یہ زمزمہ نطق گہر بار نہ ہوتا  
 غم سے مرے چہرے پر اگر خاک نہ اڑتی      یہ فتنہ رنگ لب و رخسار نہ ہوتا  
 انکار کو شاعر نہ سمجھتا اگر استمرار      اقرار میں یوں پہلوئے انکار نہ ہوتا  
 آتی نہ اگر مجھ کو جہاں ہی پہ جما ہی      یہ سیکدہ نرگس بیمار نہ ہوتا  
 میں آہ نہ بھرتا تو ترا بعل نگاریں      گل بیز گل افشان و گہر بار نہ ہوتا  
 میں شوق شہادت میں اگر سر نہ جھکاتا      یہ عہدہ چلتی ہوئی تلوار نہ ہوتا  
 یہ تاب و تابِ مشعل انداز نہ ہوتی      یہ لمطنہ طرہ طرار نہ ہوتا  
 یہ برہمی گیسوے شب رنگ نہوتی      یہ بیچ و خم کا کل خم دار نہ ہوتا  
 عشوؤں کو نہ ملتا کبھی میں نصبِ عالی      انداز بایں قیمت و مقدار نہ ہوتا  
 اس مستی رفتار سے، اس لغزشِ پائے      سویا ہوا فتنہ کوئی بیدار نہ ہوتا

دیتا نہ اگر تاج و کمر تجھ کو دل جوش

کو نین کا تو مالک و مختار نہ ہوتا



کل تھے اقرار کے پرے میں ہزاروں انگا آج انکار کے انداز سے اقرار ہوا  
 آرزو وجد میں ہے، دھوم ہے ارنالوں میں  
 کہ وہ پھر جوش کی تائید پہ طیار ہوا

محفلِ عشق میں وہ نازش و وراں آیا اے گداخواب سے بیدار کہ سلطان آیا  
 لے کلی، ناز سے کھل، بادۂ سر جوش اہل کہ نگارِ چین و شاہدِ مستان آیا  
 دُور لے زُہد، کہ وہ زہد شکن آپہنچا رخصت، ایمان، کہ وہ غارتگرِ ایمان آیا  
 خاطرِ جمع سے ہشیار کہ برہم ہوئی زلف کشتی دل سے خبردار کہ طوفان آیا  
 بوستان! وجد میں، عشق، اغواں بجا کہ گلِ سرسید و سر و خراماں آیا  
 لے چین، عیدِ منا، ابر ہوا گرم خرام لے صبا! ناز سے چل، موسمِ باران آیا  
 مژدہ لے کار گرہ بستہ، کہ ہمراہ نسیم یکِ مشکین نفس کا کل چپاں آیا  
 شاد باش لے سحرِ عید، کہ بالیں پری یار با سلسلہ زلف پریشان آیا

کچ کلا ہی کا سر و برگ مبارک لے جوش  
 لے، پیامِ شکن طرہ جاناں آیا

اشکوں کی جھڑی بند نہ ہوتی تھی کسی طرح صد شکر ترا گوشہ داماں نظر آیا  
 لو کا کل شب نگ کھلی، کھل گئیں آنکھیں اڑتا ہوا رنگ شب ہجر اں نظر آیا  
 بشتاش ہو جمیعت خاطر کی تمتا! لے، سلسلہ زلف پریشاں نظر آیا  
 اب تک نہ خبر تھی مجھے اچڑے ہوئے گھر کی تم آئے تو گھر بے سراں نظر آیا  
 انگڑائیاں لیتا کوئی اے جوش دم صبح  
 خورشید سے پھر درت دگر بیاں نظر آیا



گرم پھر، شکر ہے، اخلاص کا بازار ہوا پھر نیا عہد میانِ دل و دلدار ہوا  
 اللہ الحمد کہ گلشن میں پھر اک عمر کے بعد جشنِ گل پوشی رندانِ قدحِ خوار ہوا  
 طے ہوئی پھر غلشِ شام و سحر کی منزل عام پھر غلغلہ کا کل و رخسار ہوا  
 منصب ناز پہ فائز ہوئیوں رُوحِ نیاز عید کے دام میں صیا دگر رفتار ہوا  
 کارِ روانِ دلِ برباد کا، صد شکر کہ پھر غمزدہ ہوش رُباتا فائدہ سارا ہوا  
 اُفقِ ذوقِ سماعت پہ ہیں آتارِ طلوع کہ لبِ لعل پھر آمادہ گفتار ہوا  
 نرخ وہ چند کر لے حسرتِ شرحِ آلام! کہ وہ پھر حرف و حکایت کا خریدار ہوا

ایسر کر کے یہ کاکلوں کے حلقے میں      کندِ عقلِ تنک مایہ سے چھڑاتا جا  
 اٹھا کے عارضِ گلگوں سے دو گھڑی کو نقا      نظر سے ارض و سما کا حجاب اٹھاتا جا  
 مزاج پوچھ کے اے شاہِ عارض و کاکل      گدے راہ کی بھی آبرو بڑھاتا جا  
 اگر یہ لطف گوارا نہیں تو مستِ خرام!       
 جبینِ جوش پہ ٹھوکر ہی اک لگاتا جا



ارض و سما کو ساغر و مپیانہ کر دیا      رندوں نے کائنات کو میخانہ کر دیا  
 اے حسنِ ادا دے کہ تنائے عشق نے      تیری حیا کو عشوہِ ترکا نہ کر دیا  
 قرباں ترے کہ اک نگہ التفات نے      دل کی تھجک کو جزا ت زندانہ کر دیا  
 صد شکر و سرِ حکمتِ ناحق شناس کو      ہم نے رہنِ نعرہِ مستانہ کر دیا  
 کچھ روز تک تو نازشِ فرزا نگہی رہی      آخر ہجومِ عقل نے دیوانہ کر دیا  
 دُنیا نے ہر فسانہ "حقیقت" بنا دیا      ہم نے حقیقتوں کو بھی "افسانہ" کر دیا  
 آواز دو کہ جنسِ دو عالم کو جوش نے  
 قربانِ یک تبسمِ جانانہ کر دیا

برہم اے سلسلہ زلف پریشاں ہو جا      رنگِ طرفِ چین و ابریا باں ہو جا  
 کاررواں سُست قدم، ادبیا باں پیش      جس قافلہ بے سرو ساماں ہو جا  
 تجھ کو لبِ تنگی اہل وفا کی سوگند      اے لبِ عطرشاں؛ چشمہ حیاں ہو جا  
 اے مرے سرو پہی، موجِ نسیمِ سحری!      فتنہ گلشن و آشوبِ نیستاں ہو جا  
 کثرتِ زخم سے اک باغ ہے قلبِ انساں      تجھ کو اس باغ کی سوگند گستاں ہو جا  
 وقت ہے وقت گل افشانی و گلِ بیزی کا      آج گلشنِ کبف و خلدِ بد اماں ہو جا  
 اپنی رفتار پہ ہے کوثر و نسیم کو ناز      کاکلیں چھوڑ کے شانوں پہ خراماں ہو جا  
 جوش آیا ہے گلستاں میں پے ریش و رنگ  
 اے کلی؛ پھول بن، اے پھول؛ گلستاں ہو جا



گزر رہا ہے ادھر سے تو سُکراتا جا      چراغِ مجلسِ رُوحانیاں جلاتا جا  
 اٹھا کے ناز سے شبِ آفریں نگاہوں کو      کسی کی سوئی ہوئی رُوح کو جگاتا جا  
 نگاہِ مہر سے اے آفتابِ عالمِ پاک      حقیرِ خاک کے ذروں کو جگاتا جا  
 بلا کے مجھ سے نظرِ عزتِ جنوں کی قسم      چراغِ محفلِ عقل و خرد بجھاتا جا

جب دل نے مجھ کو شعلہ بد اماں بنا دیا  
 اُس پھلی رات کو جسے کہتے ہیں کسنی  
 اے حُسن! شاد ہو کہ تجھے چشم شوق نے  
 پہناں تھیں جس میں رُوح کی گہری خموشی  
 زلفوں کی ہر گرہ کو عطا کی مستعارِ دل  
 جلوؤں کو دینِ نظامِ دو عالم کی کُستیں  
 عشوؤں کی غمگنی کو عطا کی شگفتگی  
 غمِ غم کے اشتباہ کو بخشا، یقینِ نازہ  
 فیضِ نگاہِ عشق نے اے دفترِ جمال!  
 خالی سیر کو بخش کے مہرِ پیبری  
 اے ناز! داد دے کہ مرابِ جمال کو  
 اے حُسن! شکر کر کہ بلی تجھ کو خسروی  
 کج کر کلاہِ فخر کہ تیرے شباب کو  
 میں تے ہر ایک خار کو بُستاں بنا دیا  
 میری نظر نے صبح و خشاں بنا دیا  
 آشوبِ خلق و فتنہ دوراں بنا دیا  
 اُن جنبشِ نظر کو غمِ نوحاں بنا دیا  
 ابرو کی ہر شکن کو رگِ جاں بنا دیا  
 شوخی کو کائناتِ بد اماں بنا دیا  
 شبنم کی بوند کو دُرِ غلطاں بنا دیا  
 دہمِ شرر کو شعلہِ عسریاں بنا دیا  
 تیرے ہر ایک جزو کو کُترِ آں بنا دیا  
 زلفوں کی موجِ کُفر کو ایساں بنا دیا  
 میری نظر نے چشمہِ حیواں بنا دیا  
 اے جسمِ ناز کہ کُجھے جاں بنا دیا  
 میں نے خدائے عالم امکاں بنا دیا

لیکن یہ ایں ہمہ ترا احساں ہے جوشِ پُر  
 دل کو دئے وہ داغ کہ انساں بنا دیا

میں دین و دل عشق ہوں، ایمانِ تمنا      اُترا ہے مری رُوح پہ قرآنِ تمنا  
 کیوں کرنے کرے دعویٰ پیغمبری عشق      حاصل ہو جسے دولتِ عرفانِ تمنا  
 ہنسنا ہو اگر راہوں میں طوفانِ اجل سے      سینے میں لے چشمہ جیوانِ تمنا  
 اک حرف بھی دھویا نہ گیا وقتِ ابتک      کیا بات ہے اے کاتبِ دیوانِ تمنا  
 صرف ایک شکن میں ہے نہاں عزمِ کونین      اللہ ری لے دُستِ دایمانِ تمنا  
 جو باعثِ ایجاد ہے، اُس ذات کی سوگند      ناقابلِ تسلیم ہے پایاںِ تمنا  
 جب تک کہ محبت کی ہے دُنیا کو ضرورت      دستِ من دیوانہ دودایمانِ تمنا  
 ہر شب مری سرکاریں آتے ہیں فرشتے      ہاتھوں پہ لے شمعِ فسر و زانِ تمنا  
 کونین کے سینے میں تلاطم سا بپا ہے      اللہ ری پر افشائیِ مرثگانِ تمنا  
 ہاں پھیرا دھر بھی کہ ہوتا زہ مرا ایماں      یہ رُوسے کتابی کہ ہے قرآنِ تمنا  
 ممکن ہو تو، عرف ایک نظرِ حالِ گدا پر      اے شاہِ دلِ عالم و سلطانِ تمنا

اک جوش کا دل ہی نہیں، خود گوئے دو عالم  
 غلطیدہ ہے پیشِ خیمِ چوگانِ تمنا

اذا نین ابر پیا ہیں، تو سجدے آساں فرما

ذرا سجد میں بھی اے دشمن ایمان و دیں آجا

چلا ہے سُوئے حرم، دل سے ساز کرتا جا	ملوان کعبہ حسن محباز کرتا جا
ملے جو وقت تو لے رہرورہ اکیر	حقیر خاک سے بھی ساز باز کرتا جا
فراغ روزِ مسرت کے دھوٹنے والے	شہوں کو محرم سوز و گداز کرتا جا
بلند و پست وہاں کئے ارے معاذ اللہ	یہیں سے شیرِ شیب و فراز کرتا جا
تلاشِ جادو بے بیچ و خم سے قبل اے دوست	تجسسِ خمِ زلفِ دراز کرتا جا
اگر جس کو ہے ذوقِ حریم بے رنگی	بساطِ رنگ پر مشقِ نسا کرتا جا
چلا ہے خدمتِ یارِ درست پیمیاں میں	پر تشِ صنم حیلہ ساز کرتا جا
وہاں جمال کو فرصت نہیں توقف کی	یہیں سے دیدہ باطن کو باز کرتا جا

مثالِ جوشِ اسی آبِ وگل کے عالم سے

نظر کو نحوِ گزِ طغیانِ ناز کرتا جا



وفا شعار ہوں ترکِ وفا نہیں کرتا      کبھی نمازِ صُبحی قضا نہیں کرتا  
وہ کون عہدہ ٹھو ہے جو میرے دل کی تہ      حقوقِ ہر دمجت ادا نہیں کرتا  
وہ کون نظرِ قدرت ہے آج عالم میں      جو میرے واسطے آغوشِ اُ نہیں کرتا  
ہزار بار کیا عہد اُس نے مجھے وفا      جو ایک بار بھی وعدہ وفا نہیں کرتا  
خُدا کرے کبھی رندوں کے سامنے آئے      فقہ شہر کہ ترکِ ریا نہیں کرتا  
جزائے خیر کا اس بخود ہی پر طالب ہوں      کہ میں تصورِ یومِ جزا نہیں کرتا  
ہزار بار کیا عہد ترکِ عہد کا      مگر تہمِ ساقی خطا نہیں کرتا  
گماں تو جوشِ یہی ہے کہ ہے گدا ناقص  
نہ یہ کہ شاہِ خیالِ گدا نہیں کرتا

اگر گیسو بدوش آتا نہیں، اچھا یو نہیں آجا      کسی دن تیغِ بردست و کفنِ در آستیں آجا  
حرم ہو، مدرسہ ہو، دیر ہو، مسجد، کہ میخانہ      یہاں تو صرف جلوے کی متا ہے، کہیں آجا  
سہراہِ طلب ہر گام ہے اک منزلِ تلخی      کبھی ان تلخیوں میں مثلِ موج انگلیں آجا  
بڑے دعوے ہیں اہلِ انجمن کو صبر و تکلیں کے      کبھی جلوت میں بھی اے فتنہ خلوت نشین آجا



دُورِ بستی و جوانی، یہ متا شاکیسا؟ عیشِ امروزی کے طوفان میں فردا کیسا  
اُس زمانے میں کہ ہو جامہ درسی جب ایمان راہ میں خار سے دامن کا بچا ناکیسا  
مہ و شوں کے نفسِ عطرِ فشاں کے ہوتے ذکرِ جاں بخشیِ انفاسِ سیجا کیسا  
سر چس وقت گرجتے ہوں جنوں کے بادل پختہ کاری کی صدا، عقل کا غوغا کیسا  
رامش و رنگ کی گونجی ہوئی آوازوں میں قصہٴ حُبّت و افسانہٴ عُقبے کیسا  
اُس زمانے میں کہ ہر ذرّہ ہو جب جاذبِ ل نرگسِ ناز کے دھوکے میں نہ آنا کیسا  
ہوں جہاں قُلّ سینا سے ترانے ہمدوش اُس جگہ کوثر و تسنیم کا چہرہ چاکیسا  
جس شبِ ماہ میں ہو بر لب و فرشِ سحاب اُس شبِ ماہ میں تبسج و مصے کیسا

جوش، باغی ہے شیت کا جوانِ صالح

مومِ کفر میں اسلام کا دعویٰ کیسا!



پھر تابِ رُخ سے ذوقِ نظر بہرہ ور ہے آج پھر نہرِ نگاہِ مہمِ زخمِ جگر ہے آج  
پھر سینہٴ زمیں سے اُبلتا ہے سیم و زر پھر آسماں سے بارشِ لعل و گہر ہے آج  
پہلوئے شوق میں گہرِ پاکِ آرزو پھر جوشِ انبساط سے پاکیزہ تر ہے آج

نہ جانے رات کو کیا میکہ سے میں مشغلہ تھا      کہ ہنس میں قیامت کا جوش و ولولہ تھا  
 نگاہ یار کی یوں اٹھ رہی تھی جھک جھک کر      زمینِ قص میں تھی، آسماں پہ زلزلہ تھا  
 لرز رہے تھے تلگوئے، ترہپ رہے تھے بخوم      چھڑا ہوا نہیں معلوم کو ان مسئلہ تھا  
 کبھی ہلال چمکتا تھا اور کبھی خنجر      میانِ عشق و جوانی عجیب حوصلہ تھا  
 تپاں تھا دائرہ خاک و عالم ارواح      نیاز و ناز میں کیا جانے کیا معاملہ تھا  
 زباں پر آئیں تو ہر حرف سے ہٹ چکے      ہر ایک سانس میں ان ولولوں کا فائدہ تھا  
 دل و نگار میں تھی کچھ لطیف گفت و شنود      نہ جانے شکر کرم تھا کہ شکوہ و گلہ تھا  
 اُدھر تھی لرزشِ صہبا، اُدھر خرامِ نگار      نرالی بحث چھڑی تھی، نیا مقابلہ تھا  
 بساطِ خاک سے تا اوجِ ثابت و سیار      شیم کا کلِ غنیرِ فشاں کا سلسلہ تھا  
 ترانہ ریز تھی بعض حیات کی جنبش      ضمیرِ شرب میں وہ پنہاں خروش و ولولہ تھا

ہزار شکر ذرا بھی کمی نہ کی اے جوش

اگرچہ دیکھنے میں یا زنگ حوصلہ تھا



جلا دے حُسن کے سینے میں آرزو کا چراغ غمیر سنگ میں سوزِ شرار کی سوگند  
 دلِ فسرہ کو رنگینوں سے کر سَرشار گلِ شگفتہ کے نقش و نگار کی سوگند  
 وفا کے دُکھتے ہوئے پہلوؤں کو دے آرام کنارِ یار و لبِ جُویبار کی سوگند  
 سُنا فناء رفتارِ دلِ فسرہ و نگار جواں خسرا فی ابرہار کی سوگند  
 بتا، بکھرتی ہے کس طرح زلفِ شانوں پر؟ نزولِ رحمت پر در و گار کی سوگند  
 ٹھہر ٹھہر کے سُنا داستانِ عشوہ و ناز نزاکتِ دلِ اُمیدوار کی سوگند

سُنا دے جوش کو بھی نغمائے لعلِ نگار  
 خروشِ آیدِ فصلِ بہار کی سوگند



آ، اور چہاں کو غرقِ لبِ نوشِ خند، کر آوازہ فسونِ جوانی بلبند کر  
 نبلِ ابروؤں پہ ڈال کے زلفوں کو کھول کوئین کو اسیرِ کمان و کمند کر  
 سُنا ہوں دردِ عشق ہے ہر درد کی دوا آ، اور میرے دردِ جگر کو دو چپند کر  
 آشفقتِ خُطیب ہے، نازکِ مزاجِ دل کیوں کر کہوں علاجِ دلِ دردِ مند کر  
 گیتی کو خلفِ شاعر ہے، گردوں کو اضطرابِ محوِ خرامِ ناز، درِ فتنہ بند کر

آنکھوں کے پردہائے بُک پر ہے عکسِ رخ  
پھر دلِ صدائے چنگ سے ہے گرمِ اختلاط  
پھر دیدہ نیاز میں غلطاں ہے عکسِ ناز  
پھر یوں جبینِ ناز پہ بھری ہیں کانگلیں  
دریا کی نرمِ سطح پہ رقصِ گہر ہے آج  
پھر رُوحِ موجِ نغمہ سے شیر و شکر ہے آج  
پھر نرمِ حس میں برقِ تپاں جلوہ گر ہے آج  
تو یہ کہے کہ ابرِ محیطِ قمر ہے آج  
پھر شگِ گرمِ حلقہٴ بیرونِ در ہے آج  
پھر دل میں رقصِ دردِ بزمِ دگر ہے آج  
دلِ پھر خرامِ ناز سے زیورِ زبر ہے آج  
پھر سازِ گارِ شمع کو نورِ سحر ہے آج

پھر سن رہا ہے کوئی سہی قدِ کلامِ جوش  
پھر عرشِ پرواغِ متاعِ ہنس رہے آج

ادھر بھی بادِ صبا آ، پہار کی سوگند  
چھڑا دو رنگی اُمیدِ رویم سے دل کو  
طلسمِ گردشِ لیلِ دہار کی سوگند  
مے دماغ پہ بھی ڈال پر تو محبوب  
تجھے شمعِ سر کہ ہمار کی سوگند  
سکھا جمال کو ایفائے عہد کا دستور  
جفائے طویلِ شبِ انتظار کی سوگند

شیخ، اور خلشِ بندگی و زحمت پر ہمیز  
 اللہ سے اُس دشمنِ راحت کا تلّوُن!  
 کہسار میں تیشے کی صدا گونج رہی ہے  
 اللہ ری اُس فتنہ دوراں کی جوانی  
 افسوس ہے اے زمزمہ عشرت پر دیز  
 خوں ریز و شرابیز و جنوں خیز و دل آویز  
 اے گیسوئے شہزنگ! وہی نکبتِ فردوس  
 اے زگسِ مخمور! وہی ساغرِ لہرینہ  
 رقصاں رُخِ محبوب میں ہے صبح کی خُشکی  
 بیدار بھی ہو خواب سے اے جو شِ سحرِ خمینہ!

میں قُرباں اے مے ترکِ قبا پوش  
 نگارِ خوش خرام و یارِ شیریں  
 کبھی آسِ طرف بھی زُلفِ بردوش  
 بُتِ آشوبِ عقل و فِتْنہ ہوش  
 گدائے راہ کا خالی ہے آغوش  
 انیسِ خلوتِ رندانے نو شس  
 کبھی تو بٹن اے جانِ خرابات!  
 کروں کس طرح دامنِ پارہ پارہ  
 کبھی تو سامنے آ، جامِ برکھن  
 کبھی تو سامنے آ، جامِ برکھن  
 بہرِ غم زاہدِ انِ خرقہ بردوش

اے خواجہ: زندگی میں اسیری ہے ناگزیر      دل کو اسیرِ کاملِ مشکیں کمند کر  
 آیا ہے جوشِ تحفہ داغِ حبر کے لئے  
 مرضی تری پسند نہ کر یا پسند کر!

اُٹھی وہ گھٹا رنگ سامانیاں کر      گہر پاشیاں کر، زرافشانیاں کر  
 وہ چپکے عنادل، وہ سنکیں ہوئیں      گلوں کی طرح چاک دامانیاں کر  
 صراچی جھکا، اور دھو میں مچا دے      گلہابی اُٹھا، اور گل افشانیاں کر  
 مٹا داغِ ہوش اور دہوش بن جا      اُٹھا جامِ زر، اور سلطانیاں کر  
 نگاہوں سے برساتے ابرِ جوانی      مئے لالہ گوں سے گلستانیاں کر  
 سمندر پہ چل، اور الیاس بن جا      ہواؤں پہ اڑ، اور سلیمانیاں کر  
 صبا کی طرح گنج میں رقص فرما      بگولوں کے مانند جو لائیاں کر  
 سکوں پاؤں چومے وہ پلچل مچا دے      خود سر جھکا دے وہ نادانیاں کر

علم کھول کر جوشِ بدستوں کے  
 جہانداریاں کر، جہانبانیاں کر

پھر مہرباں وہ خسرو و خوباں ہے آجکل  
 پھر اعتقادِ عالم بالاس ہے ان دنوں  
 پھر دستِ شوق و دامنِ جاناں ہے آجکل  
 پھر اعتبارِ گردش و وراں ہے آجکل  
 پھر زلفِ ناز و روئے دُشمنِ کام میں  
 پھر جنسِ ابرو صانعہ ارضاں ہے آجکل  
 ہر ذرہ حقیر ہے فردوسِ رنگ و بو  
 ہر دشتِ بے گیاہ گلستاں ہے آجکل  
 موجِ شمیمِ کاکلِ جاناں کے فیض سے  
 پھر بازوؤں پہ دولتِ بتاں ہے آجکل  
 شکرِ خدا کہ برشِ شمشیرِ روزگار  
 پھر مرہمِ جراحتِ پنہاں ہے آجکل  
 ہر فکر، پھر ہے فکرِ الٰہی سے ہم غناں  
 ہر عزمِ پھر ارا دہِ یزداں ہے آجکل  
 کیا چیز مل گئی ہے کہ میری نگاہ میں  
 ہر تاجدارِ بے سرو ساماں ہے آجکل

پھر جوشِ بنیمِ عیش میں ہر موجبِ نفس  
 عمرِ مسیح و خضر پہ خنداں ہے آجکل



پھر ابر تیرہ اٹھا، پھر چلی نسیمِ شمال  
 بڑس رہی ہے خنکِ ابر سے جواںِ نختی  
 کدھر ہے ساقیِ جاوِ نگاہ و زہرِ جمال  
 کھلا ہوا ہے گلستاں میں پرِ سپہِ اقبال  
 دُک رہی ہے گلّابی میں آتشِ ستیاں  
 مچل رہی ہے بندی پہ موجِ آبِ بقا

وہ گونجا نغمہ شیریں جانناں میں و آسماں! خاموش، خاموش!  
 وہ دستک دی تے در پر کسی نے  
 بجالا سجدہ شکرانہ اے جوش



مبارک دیدہ حیراں! مبارک	بہشت جلوہ جانناں مبارک
شب تاریک کی خاموشیوں کو	خروش مرغ خوش الحان مبارک
و فور غم کو عشرت کی بشارت	ہجوم درد کو درساں مبارک
خسہ محراب چشم آرزو کو	چراغ چہرہ خنداں مبارک
نگاہ رہر دوراہ طرب کو	سواد کو چہرہ جانناں مبارک
ہوائے شام غم کی گرمیوں کو	نیم صبح گل افشاں مبارک
لب امید کو موجِ تبسم	ہر یمن دیدہ گریاں مبارک
گدائے رہ نشین بے نوا کو	غزور صحبتِ سلطان مبارک
ہوائے بخیہ زخمِ جگر کو	اولے جنبشِ مژگاں مبارک

جناب جوش کو یہ کامرانی  
 پیفیض قُرب در ویشاں مبارک



پھر عزم صبر، بجز ندامت میں غرق ہے  
پھر اس دل و دماغ کا ہر جوہر لطیف  
اے ہم نشیں! دماغ کی تولیدگی نہ پوچھ  
وہ جان جس پر مایہ کون و مکان نثار  
پھر وضع احتیاط، ایشیاں ہے آجکل  
دائستہ تصوّرِ حبا ناں ہے آجکل  
گو یا زمیں، ہواؤں پہ غطاں ہے آجکل  
پھر نذر یک تبسم جاناں ہے آجکل  
بازارِ اضطراب میں ارزاں ہے آجکل  
بھینڈیوں کا دل میں ہٹوفاں ہے آجکل  
جتنا نہیں تصوّرِ جاناں پر بھی خیال

تیرنگاہِ زکس جاناں کے فیض سے  
پھر جوش، شرح صدر کا سا ماں ہے آجکل



پھر آشنائے لذتِ دردِ جگر ہیں ہم  
ہر سانس دے رہی ہے خبر کائنات کی  
پھر حرمِ کشاکش ہر خیر و شر ہیں ہم  
پھر بادۂ جمال سے یوں بے خبر ہیں ہم  
پھر عیش کی نظر میں ہے معشوقیت کا ناز  
پھر حُسنِ دل نواز سے شیر و شکر ہیں ہم  
پھر سینہٴ حیات میں عزمِ سفر ہیں ہم  
پھر مہرِ کجی شمس و تہر ہیں ہم  
پھر اشتیاق سے ہے پھر دیدگی  
ہمیشہ یارِ باش، غمناہِ حیات

فلک کے بام پہ ہے قفسِ نغمہ عشرت      زمیں کے دوش پہ ہے مُردہ زماں وصال  
 فضا ہے پُر تو ابرسیہ سے رنگارنگ      صبا ہے دولتِ بونے چمن سے مالا مال  
 کہو کہ آئے سوئے صحنِ باغ تیغِ بکف      وہ جس کے واسطے ہے خونِ کائناتِ حلال  
 وہ جوشِ سوئے چمنِ جھومستہ ہوا آ یا  
 اٹھ اے زمان و مکاں، اٹھ، برائے استقبال!



زلفِ شکیب و صبر پریشاں ہے آجکل      پھر اضطرابِ سلسلہ جُناں ہے آجکل  
 پھر عاشقی کے رُوبہ ترقی ہیں ولولے      پھر سعیِ عقل سرِ گبیاں ہے آجکل  
 محرابِ اضطراب میں پھر طربِ جنوں      اُلجھی دھنوں کیساتھ غزلخواں ہے آجکل  
 پھر بُوئے گل ہے دشنہ سرتیزانِ نون      پھر بادِ صبح، شعلہ عریاں ہے آجکل  
 پھر آرزوئے شکر کتبِ بزمِ جمال ہے      پھر اہتمامِ خدمتِ درباں ہے آجکل  
 پھر قوتِ دلیل ہے ڈالے ہوئے سپر      منسوخ پھر شریعتِ بُہاں ہے آجکل  
 وہ سجدہ جس کے واسطے فرشِ حرم ہے ننگ      پھر آستانِ یار میں غلطاں ہے آجکل  
 اللہ سے گدازِ محبت کے معجزے      کافر تھا جو دماغِ مسلمان ہے آجکل

آئے جسے ہو جاوہرِ رفعت کی آرزو      پھر سرِ کبی کے در پہ جھکائے ہوئے ہیں ہم  
 بیعت کو آئے جس کو ہو تحقیق کا خیال      کون و مکاں کے راز کو پائے ہوئے ہیں ہم  
 ہستی کے دامِ سخت سے اکتا گیا ہے کون؟      کہہ دو کہ پھر گرفت میں آئے ہوئے ہیں ہم  
 ہاں کس کے پائے دل میں ہے زنجیرِ آب و گل؟      کہہ دو کہ دامِ زلف میں آئے ہوئے ہیں ہم  
 ہاں کس کو جستجو ہے نسیمِ فرغ کی؟      آسودگی کو آگ لگائے ہوئے ہیں ہم  
 ہاں کس کو سیرِ ارض و سما کا ہے اشتیاق؟      دھونی پھر اُس گلی میں رمائے ہوئے ہیں ہم

جس پر ہنسا ر کون و مکاں کی حقیقتیں :

پھر جوشِ اُس فریب میں آئے ہوئے ہیں ہم

بالا ہیں جوش، دامِ زمان و مکاں سے ہم      رسمِ تعینات کو لائیں کہاں سے ہم  
 کوثر کی آرزو میں رہیں گے نہ تشنہ کام      پیماں یہ کر چکے ہیں مئے اغواں سے ہم  
 لے حُسنِ لا زوالِ ہنسی تیرے ناز کی      بیگانہ ہو چکے ہیں بہارِ و خزاں سے ہم  
 اُنمول بننے والے ہیں جس چیز سے کبھی      ارزاں ہیں آج کل اُسی جنسِ گراں سے ہم  
 اب لے خدا! عنایتِ بے جا سے فائدہ؟      مانوس ہو چکے ہیں غمِ جاوداں سے ہم

کس زعم میں ہے اے شبِ دیچو زندگی؟ پھر رازِ دارِ نورِ طلوعِ سحر میں ہم  
 ہے کس خیالِ خام میں اے خارِ زارِ دہر؟ پھر کامِ رانِ خندہ گہمائے تر میں ہم  
 پھر زندگی ہے غم کی امانت لے ہوئے ہر دولتِ نشاط سے پھر پہرہِ در میں ہم  
 پھر فیضِ عاشقی سے بے ایں بے بضاعتی جیبِ جہاں میں دولتِ لعل و گہر میں ہم  
 پھر باوجود فقر وہ حاصل ہے طمّراقِ ثویہ کہے کہ صاحبِ تاج و کمر میں ہم  
 آنکھوں میں نورِ مصحفِ جاناں لے ہوئے پھر کر دگارِ عشق کے پیغامبر میں ہم

کھلے نہیں ہیں جوش، دماغوں پہ دل کے راز

بالا تر از رسانی نقد و نظر میں ہم



پھر سرِ کمری کے در پہ جھجکائے ہوئے ہیں ہم پُرے پھر آسماں کے اٹھائے ہوئے ہیں ہم  
 چھائی ہوئی ہے عشق کی پھر دل پہ بخودی پھر زندگی کو ہوش میں لائے ہوئے ہیں ہم  
 جس کا ہر ایک جزو ہے اکسیرِ زندگی پھر خاک میں وہ جنسِ بلائے ہوئے ہیں ہم  
 ہاں کون پوچھتا ہے خوشی کا ہنفتہ راز؟ پھر غم کا بارِ دل پہ اٹھائے ہوئے ہیں ہم  
 ہاں کون درِ عشق و جنوں کا ہے خواستگار؟ آئے، کہ ہر سبق کو جھبلائے ہوئے ہیں ہم

مری جنس کے ہات پک جائے خودی      میں وہ قدر والی مشتری چاہتا ہوں  
 اہانت گوارا نہیں عاشقی کی      غلامی میں بھی سُرری چاہتا ہوں  
 مزاجِ تنائے خود دار تو بہ      عبادت میں بھی داوری چاہتا ہوں  
 مُصر ہے اگر دلبری، داوری پر      کم از کم میں پیغمبری چاہتا ہوں  
 جو پیغمبری میں بھی دشواریاں ہوں      تو ہنگامہ کافری چاہتا ہوں  
 خلاصہ ہے یہ جوشِ اس داستان کا  
 کہ جو ہر ہوں اور جو صری چاہتا ہوں



دوستو! وقت ہے، پھر زخمِ جگر تازہ کریں      پردہِ جنبش میں ہے، پھر آؤ نظر تازہ کریں  
 تاکجا نالہِ غُربت، کہ چلی بادِ شمال      دل میں پھر زمزمہِ عزمِ سفر تازہ کریں  
 آؤ پھر دھوم سے ہو آج غروب اور طلوع      سنتِ بندگیِ شمس و تسمر تازہ کریں  
 آؤ چل کر رُخِ ناشستہ کو بکھیں دمِ صبح      موجِ رنگِ افق و نورِ سحر تازہ کریں  
 کُلہ فقر کو کچ کر کے سربِ بزمِ نشاط      آؤ رسمِ کہنِ تاج و کمر تازہ کریں  
 آؤ پھر جلوہِ جاناں پہ لُٹا دیں کونین      شغلِ پارینہ اربابِ نظر تازہ کریں

روزِ اک نئی زمیں سے گزرتے ہیں ہر نفس  
 کیا کہہ رہے ہو دُور سے اربابِ کیف و کم؟  
 یہ طُرفہ بات ہے کہ بایں فقر و بے زر  
 جب حُسن چاہے عشق کے سانچے میں ڈھالے  
 پائیدہ باش لے خم ابروئے دل نشیں!  
 اہل زمیں! غریب ہیں ہم، نگتہ چیں نہ ہو  
 ہر نقشِ پامیں لوٹ رہی ہیں جوانیاں  
 جنگل ہے، آبِ جو ہے، شبِ بہتا ہے،  
 ہاں آسمان! اپنی بلندی سے ہوشیار!  
 ملے ہوئے ہیں مَوجِ آبِ رواں سے ہم  
 باہر کھڑے ہیں حلقہٴ سُود و زیاں سے ہم  
 ہیں بہرہ یاب دولتِ کون و مکاں سے ہم  
 پگھلے ہوئے ہیں آتشِ رطلِ گراں سے ہم  
 اب کھیلتے ہیں موت کے تیر و مکاں سے ہم  
 آتے ہیں گاہ گاہ یہاں آسماں سے ہم  
 یوں آرہے ہیں خدمتِ پیرِ مغاں سے ہم  
 ایسے میں اُن کو دُھونڈ کے لائیں کہاں سے ہم  
 لے سُر اُٹھا رہے ہیں کسی آستاں سے ہم

اُٹھنا تھا جن کو چین و عجبم سے، سو اُٹھ چکے  
 اب جو شش اُٹھے ہیں کشورِ ہندوستان سے ہم

نہ جادو، نہ افسوں گری چاہتا ہوں  
 فقط حُسن سے دلبری چاہتا ہوں  
 حضوری کے پُرِ رعب و ربار میں بھی  
 دلِ تند و شوقِ جری چاہتا ہوں

اٹھ کہ تعمیرِ حیات گزراں کچھ بھی نہیں  
 آ، کہ یہ وسوسہ ارض و سما ہے بیکار  
 وہ بھی قلبِ ساحل جو نہ ہو گرمِ خرام  
 جام اٹھا جام، کہ سرشاری موتی کے بغیر  
 پر تو چشمِ فسونِ خیز برہمن کے سوا  
 فیض اٹھا حسنِ جوانانِ چین سے کہ ندیم  
 اُس کے نزدیک سمجھتا ہو جو اسرارِ بہار  
 جز غمِ عشق، غمِ کون و مکان بے بنیاد  
 ایک ذرہ بھی ہو محسوس تو سب کچھ ہے وہی  
 جُڑے ناب، سر و برگِ جہاں کچھ بھی نہیں  
 اٹھ، کہ یہ داہمہ سُود و زیاں کچھ بھی نہیں  
 قامتِ سر و دُخمِ آبِ رواں کچھ بھی نہیں  
 خندہ حور و تماشاے چنناں کچھ بھی نہیں  
 نقشِ رنگینیِ رخسارِ بستاں کچھ بھی نہیں  
 عالمِ پیرِ بجز وہم و گماں کچھ بھی نہیں  
 خوفِ گلچیں و غمِ بادِ خزاں کچھ بھی نہیں  
 جُڑ دلِ شاد، متاعِ دو جہاں کچھ بھی نہیں  
 ہونہ محسوس تو خلاقِ جہاں کچھ بھی نہیں

مرضِ زلیت کا اے جوشِ زمانے میں علاج  
 جُڑے کُندہ و معشوقِ جواں کچھ بھی نہیں

وقتِ سحر ہے، آؤ حریفو! دُخو کریں  
 لو کھل گیا وہ چہرہ خورشیدِ زنگار  
 مینا اٹھائیں، خدمتِ جام و سُبُو کریں  
 اٹھو کہ وادِ ریچہ، حدِ رنگ و بُدو کریں

طبعِ زریں لگا کر پئے نذرِ جہانناں    آؤ پھر آبروئے لعل و گہرِ تازہ کریں  
 آؤ پھر جوشِ کوہِ کر لقبِ شاہِ سخن  
 دل و دینِ سخن و جانِ بہرِ تازہ کریں



مری مجال، تیری بزم، اور کنِ ترانیاں؛    میں نقشِ پائے رہرواں، تو افسرِ جہانیاں  
 سخنِ فروشیاں نکرِ جہانِ حُسنِ عشق میں    کہیاں ہر ایک خال میں ہیں لاکھ نکتہِ دُنیاں  
 وہ زیبِ انجمن ہوا تو کوئی بولست انہیں    معاشرانِ بزم کیا ہوئیں وہ گلِ فشانیاں؟  
 ذرا اثر نہ پڑ سکا جنونِ ذوقِ وید پر    پیمریوں نے لاکھ کیں نظر کی پاسبانیاں  
 شدید بدگمانیوں پر حُسنِ ظن ہے یار سے    عمیق حُسنِ ظن میں ہیں ہزار بدگمانیاں  
 عجیب طُرفہ راز ہیں، مری شعبوں کے راز بھی    جنہیں نہاں کئے ہوئے ہیں سیکڑوں جوانیاں  
 شبابِ رفتہ کے قدم کی چاپِ سن رہا ہوں میں    ندیم! عہدِ شوق کی سُنائے جا کہانیاں  
 مری بساطِ میکشی پہ جوشِ سجدہ ریز ہیں  
 کرو ر قہرمانیاں، ہزار ہا کسانیاں





کروٹیں رُوح میں جس طور سے لے یا حبیب  
 جام میں چاند کا یوں کانپ رہا ہے پر تو  
 سینہ شب میں تصوّر ہے سحر کا غلط  
 یا ہے بھل کی گھنی چھاؤں میں ہتھاب کی صنو  
 دل ہی دل میں کوئی معشوق سے ہے گرم سخن  
 ساز بردوش ہے یا بادِ خوش آہنگ کی رد  
 پتا پتا ہے مثال لبِ لعل لے  
 ریشہ ریشہ ہے جوابِ کمرِ کچھ رو  
 دفن ہے ساز میں افسردگنی ماضی حال  
 غرق ہے رطلِ گراں میں غمِ دیرینہ و نو

تم بھی اس بزم میں ہو چند نفسِ عشوہ فروش  
 کہ پڑے چرخ پہ بھی سخنِ زمیں سے پر تو



آکے پھر آج ہم آہنگ ہوئی ہے لبِ جو  
 نے کی لے، چاند کی تنویر، صبا کی خوشبو  
 منعقد پھر سے کر دل محفلِ جمشید و قباد  
 دو گھڑی صدرِ شیشی پہ جو آمادہ ہو تو  
 وقت کن جو دلِ یزداں میں ہوا تھا غلط  
 میرے دل میں بھی وہی آکے جگا ہے جادو  
 کفرِ سجدے میں گرے، دین کی بضیں جھٹ جائیں  
 آج آنکوش پہ بکھرائے ہوئے یوں گیسو  
 میں ہوں وہ رند جسے دیکھ کے کہتے ہیں ملک  
 آفریں بادِ برائیں خلوتی جام و سبجو  
 عقل کہتی ہے کہ کس طرح میسر ہو گا  
 عشق کہتا ہے کہ فردوس ہے تیرا پہلو

طاہرِ خروش میں ہیں، صبا گرمِ اختلاط  
 آؤ، حرمِ کیف میں پھر ہاؤ ہو کریں  
 مستانہ دار، جیبِ جوانی کے چاک میں  
 پھر رشتہ شراب کُن سے رفو کریں  
 روئے خوش نگار کی دُہرائیں داستاں  
 حُسن و جمالِ یار کی پھر گفتگو کریں  
 ملبوسِ زندگانی و رختِ حیات کو  
 صہبا کی نرم آنچ سے پھر ستِ بٹو کریں  
 آؤ بنائیں یار کو پھر صدرِ انجمن  
 آئینہ آفتاب کے پھر رو برو کریں  
 دُنیا کو آؤ، رشکِ بہشتِ بریں بنائیں  
 خشکی کو، آؤ، روکشِ صد آبجو کریں  
 لیلائے کیفِ دوش کا مَر جھا چلا ہے ہار  
 پھر تازہ پھول گوندہ کے زیب گلو کریں  
 آنے لگی ہے دیر سے ناقوس کی صدا  
 آؤ، تصویرِ صنمِ سادہ رو کریں  
 بہرِ دُعا زمانہ اٹھائے ہوئے ہے بات  
 یار و اٹھو کہ معیتِ دستِ بٹو کریں

پھر آؤ بول کا بجوش کے نغموں سے، درس لیں  
 پھر آؤ تازہ رسمِ ورہ آرزو کریں



آپ بھی آئیں، کہ ہے دیر سے گرمِ تگ و دو  
 لرزشِ بادۂ دیرینہ و عکسِ مہِ نو  
 وقتِ دیدارِ پھل جاتے ہیں ارماں جیسے  
 یوں ہے پھل میں لبِ آبِ رواں شمع کی کو

بساطِ خاک پہ خوابیدہ متاعِ دوداں      شرابِ شند کی بہروں میں غرق تھے آنسو  
 اُدھر محیطِ فلک پر فسونِ خشمِ قسم      اُدھر حریمِ تنائیں زکسِ حبا دو  
 اُدھر حیات کی لُحْنِ طرب تھی تابہ فلک      اُدھر شباب کی موجِ رواں تھی تابہ گلو  
 اُدھر اڑا ہوا طولِ شبِ فراق کا رنگ      اُدھر شباب پر آرائشِ خشمِ گیسو

چھڑی ہوئی ہے حکایتِ شبِ جوانی کی  
 تڑپ کے جوش؛ پھر اک بار عسرہ "یا ہو"



فکر ہی بھری تو دل کو فکرِ خواہاں کیوں نہ ہو؟      خاک ہونا ہے تو خاکِ کوئے جاناں کیوں نہ ہو؟  
 دہریں، اے خواجہ بھری جب اسیری ناگزیر      دلِ اسیرِ حلقہ گیسوئے پیچاں کیوں نہ ہو؟  
 زلیت ہے جب تفلِ آوارہ گردی ہی کا نام      عقل والو! پھر طوافِ کوئے جاناں کیوں نہ ہو؟  
 جب نہیں ستوریوں میں بھی گناہوں سے نجات      دل کھلے بندوں غریقِ بحرِ عصیاں کیوں نہ ہو؟  
 اک نہ اک ہنگامے پر موقوف ہے جب زندگی      میکدے میں رندِ رقصان و غزلخواں کیوں نہ ہو؟  
 جب خوش و ناخوش کسی کے ہاتھیں دینا ہے ہاتھ      ہمنشینِ پھر بیعتِ جامِ زرافشاں کیوں نہ ہو؟  
 جب بشر کی دسترس سے دور ہے "جہلِ ملتیں"      دستِ وحشت میں پھر اک کافر کا داناں کیوں نہ ہو؟  
 ایک ہے جب شورِ جہل و بانگِ حکمت کا آل      دلِ ہلاکِ ذوقِ گلابانگِ پریشاں کیوں نہ ہو؟

کیفِ مستی میں گہر بار کر اُن آنکھوں کو غمِ ہستی سے ٹپکتے نہیں جن کے آئینہ  
 آپلا پھر مئے اسرارِ سکون و جنبش لے بٹکیں حرمِ قدس و بد شوخی آہو  
 آج یوں دل میں لطافت سے ہیں اریانِ چین جیسے طاعت میں بدلتے ہیں فرشتے پہلو  
 خاکِ مست، آبِ رواں تہذیب ہو ایسے سرشار آج اپنے یہ عناصر کو نہیں ہے قابو  
 آج لے نورِ نگاہِ قمر و نبتِ سحاب کاش میرا سرِ شوریدہ ہو، تیرا زانو  
 پرششِ چند نفس، لے مرے سرمایہ شوق! زحمتِ چند قدم لے مرے سرو و لہجہ!  
 آج لے جویشِ ترے رنگِ غزل گوئی سے  
 قدِ پارس کا مزا ہے بزبانِ اردو

نہ جانے رات کو تھا کون زینتِ پہلو مچل رہی تھی ہو ایسے شراب کی خوشبو  
 حرمِ صلح میں قائم تھا ایک مرکز پر مزاجِ عشق و تقاضائے حسنِ عہدہ جو  
 وفا کی انجمنِ شوق میں تھی شیر و شکر جراحِ دلِ صدا چاک و تیغِ صاعقہ خو  
 مٹا چکا تھا فلکِ رسمِ ساغر و سنداں بھلا چکا تھا زمانہ نزاعِ سنگ و سبزو  
 ہوا کی جیب میں تھا تیرا زکماں رفتہ کشش کے دام میں تھی کاوشِ رم آہو

مرکزہ وحی محبت تھا کبھی دل جس کا  
اب اُسی جوش کو لب تشنہ پیغام بھی دیکھ



اُٹھ، کہ آئی ہے عبادِ دولت بیدار کے ساتھ  
اُٹھ، کہ خورشید نے گردوں پہ ظلم کھول دیا  
اُٹھ، کہ کہسار کی چوٹی سے چلیں وہ کرنیں  
اُٹھ، کہ لہجی ہوئی ہر شاخ ہے سرگرم نیاز  
اُٹھ، کہ غنچوں نے چلنے کا کیا ہے آہنگ  
اُٹھ، کہ گلزار میں دوشیزہ رنگینِ فلک  
اُٹھ، کہ غُرفوں سے خرابات کے تنویرِ سحر  
نغمہ کا کل و بُنِ نفسِ یار کے ساتھ  
چھڑ کرنے کو کسی طرہ طرار کے ساتھ  
ناز کرتی ہوئی گلہائے طرہ دار کے ساتھ  
مضطربِ نغمہ زن و ساقی سرشار کے ساتھ  
باندھ کر عہد و فائز گس بیمار کے ساتھ  
موجِ گل گشت ہے پازیب کی جھلکار کے ساتھ  
کھیلنے آئی ہے رندانِ قدرِ خوار کے ساتھ

دیکھ، تاریک اُفق پر ہے سحر کی سُرخ  
جوش! اُٹھ تذکرہ کا کل و رخسار کے ساتھ



اک نہ اک رفعت کے آگے سجدہ لازم ہے تو پھر آدمی مجھ بھو دُسر و خو باں کیوں نہ ہو؟  
 اک نہ اک پھندے ہی میں پھنسا ہے جب ان کو دوش پر دام سیاہ سنبلستان کیوں نہ ہو؟  
 جب فریبوں ہی میں رہنا ہے تو اے اہل خرد لذت پیمان یا رست پیاں کیوں نہ ہو؟  
 یاں جب آویزش ہی ٹہری ہے تو ڈر چھوڑ کر آدمی خورشید سے دست و گریباں کیوں نہ ہو؟  
 اک نہ اک ظلمت سے جب وابستہ رہنا ہے تو جوشِ  
 زندگی پر سایہ زلف پریشاں کیوں نہ ہو؟



اس طرف آہِ ستم گردشِ آیام بھی دیکھ کلامِ لب و رخسار کو ناکام بھی دیکھ  
 جو تری مست نگاہوں سے تھا کل تک ہر شمار آج اُسی جام کو بے بادہ و گلہ فام بھی دیکھ  
 نیند آتی ہی نہ تھی جس کی تواضع میں تجھے اب اُسی دل کو اسیرِ غم و آلام بھی دیکھ  
 کل تری چشمِ کرم سے جو ہوئی تھی طالع آج اُس صبح درخشاں کی ذرا ناکام بھی دیکھ  
 کلامِ لب کو بنایا تھا و فانی تیری اب اُسی شوق کو افسردہ و ناکام بھی دیکھ  
 رازش و رنگ سے معمور تھے گوشے جس کے آج اُسی انجمنِ شوق میں کہرام بھی دیکھ  
 جو مرے دل میں چمکتا تھا نظر سے تیری اب اُسی نور کو خورشیدِ لبِ بام بھی دیکھ  
 تُو نے جس عشق کی رکھی تھی مرے دل میں بنا آ، اب اُس عشقِ خوش آغاز کا انجام بھی دیکھ

پاچکا طاعت کی لذت، درد کے پہلو بھی دیکھ  
 کا فر نعمت! ادا کر کچھ تو حق چشم و گوش  
 تا کجا طنبورہ یزدانِ فریبِ خانقاہ؟  
 سر جھکانے ہی کو سمجھا ہے آلِ زندگی؟  
 چونک، او دیوانہ گل گشتِ خورانِ بہشت  
 ضربتِ تیغِ مجاہد کے ثنا خوانِ قدیم!  
 فرشِ مسجد سے اٹھا بھی خاکِ آلودہ، حبس  
 عشقِ مولیٰ کے لئے ہے عشقِ انساں ناگزیر  
 گیسوئے طاعت میں پیدا کر خمِ سوز و گداز  
 اے ہلالِ عید کی رُویت کے مشتاق کہن!  
 موثر گافی تا کجا "وائیل" کی تفسیر میں؟  
 سحر اور ادو و ظائف، ہاں مُسک ہے، مگر  
 شیخ! آ محراب سے باہر، خمِ ابرو بھی دیکھ  
 نغمہِ مطرب بھی سن، حسنِ رخِ نیکو بھی دیکھ  
 آ، کسی دن میکدے کا قصہ ہاؤ ہو بھی دیکھ  
 جن سے دل جھکتا ہے حق جوئی کے پہلو بھی دیکھ  
 دو گھڑی میدان میں اکرم آ ہو بھی دیکھ  
 بے ستوں پر کوہن کی توت بازو بھی دیکھ  
 رکھ کے زیرِ سر کسی معشوق کا زانو بھی دیکھ  
 سازِ بے رنگی کے طالب! سوزِ رنگِ بو بھی دیکھ  
 دانہِ تسبیح پر بہتے ہوئے اُسنو بھی دیکھ  
 خنجرِ بُراں کو شرماتے ہوئے ابرو بھی دیکھ  
 مہِ دُشوں کے دوش پر کبھر سے گئی ہو بھی دیکھ  
 نرگسِ مستانہ کا چلتا ہوا جادو بھی دیکھ

حُسن، ذرتوں سے اُبتا ہے کبھی تو جامِ اٹھا  
 دیکھتی ہیں جوش کی آنکھیں جو عالم، تو بھی دیکھ

ہاں اس طرف بھی عابدِ شب زندہ وار دیکھ  
 تاکے یہ جہت و خیز بہ آہنگِ خالقاہ؟  
 مستوریوں میں لطف و عطا کا گزر نہیں  
 تا چند اشتیاقِ نمودِ ہلالِ عید؟  
 اے قدرِ دانِ سکہِ مقلوبِ سبیل!  
 ظرفِ گلی میں آبِ وضو دیکھتا ہے کیا؟  
 اک واہمہ ہے طنطنہٴ شیخِ مدرّسہ  
 دو درِ چراغِ مسجد و محرابِ تاکجا؟  
 تاکے تصویرِ لبِ نہر و خرامِ حور؟  
 تاکے ہوائے کا کلِ پیرانِ پارسا؟  
 ایمانِ وصلِ نہ جائے گا صرف ایک بار دیکھ  
 آبِ ہستیاں میں قصہٴ نسیمِ بہار دیکھ  
 مستوں میں جوشِ رحمت پروردگار دیکھ  
 ابرو پہ نازِ طرہٴ زلفِ نگار دیکھ  
 رطلِ شراب کا ذرِ کاملِ عیار دیکھ  
 آجامِ زر میں آتشِ دانا تکار دیکھ  
 آمیکدے میں ولولہٴ بادِ خوار دیکھ  
 آہِ بچ و تابِ ابرِ سرِ کوہسار دیکھ  
 نازِ سہمی قدانِ لبِ جوئیبار دیکھ  
 اونا مراد! غرِ بدہٴ زلفِ یار دیکھ

کیا دیکھتا ہے زہد کے کوچے میں رعبِ شیخ  
 کوئے سغاں میں جوشِ کاغزو و قار دیکھ



ٹھنڈی ہوا ہے رقص میں ہے ابر بہنی      ہاں دیر کیا ہے؟ ساقی! رگیں! ہوا لُغنی  
 انسان، اور ہونے کے خوش!! اٹھا تو جام      نادان! اتیرے دل کی کلی ہے شگفتنی  
 ہاں چھیڑ بھی رہا اب کہ ہے گرم خست لاط      حُسنِ مہ دو ہفتہ و ابریتی یک مئی  
 اس خاکداں میں جو رُخ محبوب و سازِ کیف      اک چیز دیدنی ہے، نہ اک شے شنیدنی  
 آ، مست ہو کے ناز کو دے دعوتِ نیاز      نبضِ صنم میں گرم ہے خُونِ برہمنی  
 اُٹھ، گوشِ دل کو قفلِ سینا سے تیز کر      تائیں کے صبا کے سخنہائے گفتنی  
 صہبائے دعو نگاہ، کہ غلطاں ہے دیر      جاناں کے دل میں آرزوئے بَرقعِ افغنی  
 چھلکا چھن میں جام کہ یہ رو بھی دیکھ لے      سبزے پر اوس، اوس پہ نئے، نئے پہ چاندنی

واللہ آج ہند میں توجہ ش فر دے

رحمتِ خدا کی تجھ پہ ہو اے مردِ یکنسی

دُنیا میں مجھے حُور، نہ بختی میں پری دے      آ، نالہ شہگیر دُعا کے سحری دے  
 اُٹھ لیلیٰ دل کو رُخِ گل رنگِ عطا کر      آ، دیدہ تخیل کو جادوِ نظری دے  
 پوشیدہ ہیں اس خاک میں کتنے دُرِ نایاب      خاکسترِ دل کو شہرِ دیدہ وری دے  
 بیہودگی خلعتِ ناموس کہاں تاک؟      اے خالقِ وحشت! خلشِ جامہ وری دے

وہ شیشہ شفق سے چمکی مئے مغسانہ  
 اے ساتی شبنم! واکر شراب خانہ  
 ہاں اے فلک! نکلا دے اپنی تمام دوست  
 ہاں اے زمیں! اگل دے اپنا ہر اک خزانہ  
 رنگِ شفق کی ہلکی گُل رنگ روشنی میں  
 ہر شے سے پھوٹ نکلیں چشمے جوائیوں کے  
 حُوروں نے بُو، وہ کھولے فردوس کے درپچے  
 مکتب ہیں بے حقیقت، جھوٹی ہیں درگاہیں  
 قربت کے ولولے بھی، ذوقِ رمیدگی بھی  
 دامن چھڑانے دامن، دامن چھڑانے دامن  
 ہاں اے نگاہِ رعنا! ایک لحنِ سحر پرور  
 اے پھول! اس آئیں نقش و نگارِ قدرت  
 اٹھ باغبانِ خدا را گلشن میں نصب کر دے  
 نغموں کو تیز کر دے ہاں اے جواں مُغنی!  
 اے ساتی شبنم! واکر شراب خانہ  
 ہاں اے زمیں! اگل دے اپنا ہر اک خزانہ  
 ہر غنچہ اک فُسوں ہے، ہر پھول اک فسانہ  
 ہاں اے نگارِ نورس! ایسا کوئی ترانہ  
 خالی نہ جائے کوئی اے مُنہ بچو! نشانہ  
 اے عندلیب! واکر گُل کا کتاب خانہ  
 قرباں ترے دو عالم اے چشمِ آہوانہ  
 اے آفتِ زمانہ! اے آفتِ زمانہ  
 ہاں اے بلند بالا! ایک رقصِ جادوانہ  
 اے شاخِ گُل! مبارک شانِ پیمبرانہ  
 ہلکی سی چاندنی میں پھولوں کا شامیانہ  
 وہ آ رہا ہے واپس گزرا ہوا زمانہ

ہاں یار! اک اشارہ بروضعِ دلِ رُبائی  
 ہاں جوش! ایک نعرہ باطرزِ عاشقانہ

سرشار ہوں، سرشار ہے دُنیا مرے آگے  
 ہر نجم ہے اک عارضِ روشن مرے نزدیک  
 ہر جام ہے نظارہ کوثر میرے حق میں  
 ہر پھول ہے لعلِ شکر افشاں کی حکایت  
 اک مٹھکے ہے پرشِ عقیقی مرے نزدیک  
 ہوں کتنی ہی تاریک شبِ زلیت کی لہریں  
 میں اور دُروں صولتِ دُنیا دنی سے!  
 جھکتا ہے بصدِ عجز، کلیسا مرے در پر  
 پیانے سے جس وقت چھلک جاتی ہے صہبا  
 جب چاند جھکتا ہے مرے ساغرِ زریں  
 جب جھوم کے مینا کو اٹھاتا ہوں گھٹائیں  
 آتی ہے دُہن بکے ہشیت کی جلو میں  
 پیانے پر جس وقت جھکتا ہوں صراحی  
 پہلو میں ہے اک نہرِ جہیں، ہاتھ میں ساغر  
 جوشِ اٹھتی ہے ثنن کی نظر جب مری جانب  
 کوئین ہے اک لرزشِ صہبا مرے آگے  
 ہر ذرہ ہے اک دیدہ بینا مرے آگے  
 ہر گام ہے گلِ گشتِ مُصلیٰ مرے آگے  
 ہر غنچہ ہے اک حرفِ تننا مرے آگے  
 اک دہم ہے اندیشہ فردا مرے آگے  
 اک نورِ ساربتاب ہے جھکتا مرے آگے  
 خود لرزہ بر اندام ہے دُنیا مرے آگے  
 آتا ہے لرزتا ہوا کعبا مرے آگے  
 لہراتا ہے اک حُسن کا دریا مرے آگے  
 چلتا نہیں خورشید کا دعویٰ مرے آگے  
 ہلتا ہے سرِ کُنبہ مینا مرے آگے  
 آوارگی آدم و حوا مرے آگے  
 جھکتا ہے سرِ عالم بالا مرے آگے  
 اس وقت نہ دُنیا ہے نہ عقیقے مرے آگے  
 کھلتا ہے مُجت کا دریچہ مرے آگے

اُکو وہ ہے پھر رنگ سے انسان کا سینہ اے نورِ دو عالم! سرِ آئینہ گرمی دے  
 تمکین کے ناخن سے ترے خم نہیں کھٹکتے اے زلفِ سیہ! رخصتِ آشفۃ سری دے  
 ہاں جوش سے اٹھتے نہیں قدرت کے حجابا  
 اے یارِ نہفتہ! صفتِ پردہ وری دے

جی میں آتا ہے کہ پھر مژگاں کو برہم کیجے کاسہِ دل لے کے پھر دریو زہ غم کیجے  
 گو سجتا تھا جس سے کوہِ بے ستون و دشتِ بخت گوشِ جاں کو پھر اُغیس نالوں کا محرم کیجے  
 حُسنِ بے پروا کو دے کر دعوتِ لطف و کرم عشق کے زیرِ نگین پھر ہر دو عالم کیجے  
 دودِ پیش کی طرح پھر ڈالے سینے میں زخم زخم کی لذت سے پھر طبعِ ارمِ تم کیجے  
 صبح سے تا شام رہیے قصۂ عارض میں گم شام سے تا صبح ذکرِ زلفِ برہم کیجے  
 دن کے ہنگاموں کو کیجے دل کے سناٹے غرق رات کی خاموشیوں کو وقفِ ماتم کیجے  
 دایمی آلام کا خوگر بن کر رُوح کو ناگہانی حادثوں کی گردِ نیشِ سم کیجے

غیظ کی دوڑی ہوئی ہے لہریں اصنام میں  
 جوش! اب اہلِ حرم سے دوستی کم کیجے

آ، فصلِ گل ہے غرقِ تمنا ترے لئے      ڈوبا ہوا ہے رنگ میں محراب ترے لئے  
 ساحل پہ سُر و ناز کو دے زحمتِ حرام      بل کھا رہا ہے خاک پہ دریا ترے لئے  
 ایفائے عہد کر، کہ ہے مدت سے بیقرار      رُوحِ وفائے وعدہ فردا ترے لئے  
 شانوں پر اب تو کا کلِ شبرنگ کھول دے      بکھری ہوئی ہے زلفِ تمنا ترے لئے  
 اٹھ چشمِ جادو اے ساغرِ فردوس! اٹھ      مچلی ہوئی ہے لرزشِ مہیا ترے لئے  
 اے آفتابِ جلوہ جاناں! بلند ہو      کھویا ہوا ہے مطلعِ دنیا ترے لئے  
 موجِ شمیمِ سنبل وریحاں کے دریاں      وا ہے مصاحبت کا دریا ترے لئے  
 آ، اور داد دے، کہ بہ این چشمِ حق نگر      کھائے ہوئے ہوں زیت کا دھوکا ترے لئے  
 سبزے کا فرش، ابر کا خیمہ، گلیوں کا عطر      گلشن میں اتہام ہے کیا کیا ترے لئے  
 لُغیانِ گلِ شباب پہ، بکبلِ خروش میں      اک حشر سا ہے باغ میں برپا ترے لئے

جوش، اور ننگِ خدمتِ سلطان و پاسِ ہوش؛

یہ بھی کئے ہوئے ہے گوارا ترے لئے

بے حجابانہ در آ، رُوح کو مضطر کر دے  
 آ، تناؤں میں بھرتا ہوا پھر طرُفِ خروش  
 آ، شبِ یاس کو دیتا ہوا پیغامِ اُمید  
 آ، خس و خابِ جنوں کو بھی بنا سر و سمن  
 عالمِ عشق کو پھر عہدِ گلِ ارزانی کر  
 ایک ہی دور میں آج اے نگہِ بادہ فروش  
 آتشِ تشنگی، دل کو بنا آ بِ خضر  
 تجھ کو اپنے لبِ گلِ رنگ کی خوشبو کی قسم  
 صحنِ گیتی کے یہ یک ناز مٹا پست و بلند  
 عشق کے سر کو بنا جسُن کے زانو کا نگلیں  
 موجہ چہنمہ حیواں کا تصدُّق لے زلف  
 جسم کو جان بنا، خاک کو جوہر کر دے  
 دل کو پھر منصبِ شورشِ پُتھر کر دے  
 ایک بھل سی سرِ بالَش و بستر کر دے  
 آ، شبستانِ وفا کو بھی سُور کر دے  
 ذرہ شوق کو پھر خس و خاور کر دے  
 فتنہ ہوش کو غرقِ مئےِ احمر کر دے  
 گردِ اُمینہ ہستی کو سکندر کر دے  
 شامِ ہجراں کی ہواؤں کو معطر کر دے  
 سطحِ عالم کو، بیک عشوہ برابر کر دے  
 خار کو، دولتِ آغوشِ گل تر کر دے  
 میرے شانوں پہ رواں زم زم کو ٹر کر دے

آ ساروئے کتابی کی کوئی آئیہ ناز  
 جوشِ وارفتہ کو شاعرِ عیبِ بر کر دے

مٹایاں مٹتھائے سخی پیہم ہوتی جاتی ہے  
 اٹھی جاتی ہے دل سے عیبتِ اکلامِ روحانی  
 کنارِ اکرا رہا ہے روح سے بیجانِ سرتابی  
 جنوں کا چھارہا ہے زندگی پر اک دھند لکاسا  
 نسیم بے نیاز می آرہی ہے بامِ گردوں سے  
 نمایاں ہو چلا ہے اک جہاں چشمِ تصور پر  
 گرہ یوں کھل رہی ہے ہر نفسِ ذوقِ تماشائی  
 فضائیں کانپتی ہیں دھندلی دھندلی تقری  
 نہ جانے سینہ احساس پر یہ بات ہے کس کا  
 سمجھ میں آئیں کیا باریکیاں قانونِ قدرت کی  
 طبیعت بے نیاز ہر دو عالم ہوتی جاتی ہے  
 جراثیم، بہرِ قلبِ زار، مرہم ہوتی جاتی ہے  
 کہ گردنِ جستجو کے ذوق میں خم ہوتی جاتی ہے  
 بخرد کی روشنی سینے میں مدھم ہوتی جاتی ہے  
 عروسِ مدعا کی زلفِ جبرسم ہوتی جاتی ہے  
 نظر شاید حریفِ ساغرِ جسم ہوتی جاتی ہے  
 کہ ہر ادنیٰ شے اب ایک عالم ہوتی جاتی ہے  
 ہر اک تخیلِ پاکیزہ مجسم ہوتی جاتی ہے  
 طبیعت بے نیاز شادیِ عیشم ہوتی جاتی ہے  
 عبارتِ کثرتِ معنی سے مہیسم ہوتی جاتی ہے

بخلِ محتاج کی شورش سے تلاطمِ جبرستی کا  
 مرے دل میں وہ بھل جوش اب کم ہوتی جاتی ہے

ہنوز شعلہ ہے پرے میں مُنہ چھپائے ہوئے  
 ہنوز قطرہ نیساں ہے، اور ضمیر سحاب  
 ہنوز سنگ کے سینے میں ہے رُخِ اصنام  
 ہنوز میان سے باہر نہیں ہوئی ہے وہ تیغ  
 ہنوز غیبتِ خورشید سے اُفق ہے اُداس  
 ہنوز چرخ پہ چھائی نہیں ہے سست گھٹا  
 چمک رہے ہیں عنادل، مہک رہی ہے نسیم  
 نہیں ملا ہے صبا کو ہنوز اذنِ خرام  
 سلاک رہے ہیں برابر ہزار باخِ رمن  
 ہنوز دُور ہے اعلانِ تاج پوشی شاہ  
 کھلے ہوئے ہیں صبا میں ہزار ہا نافے  
 ہنوز یار ہے خلوتِ گزین و حبلہ نشیں  
 تمام بزم کے چہرے ہیں مُکرائے ہوئے  
 سنا ہے جوش، اٹھکی کسی کی آنکھ ادھر  
 دلوں کو لوگ کیلجے سے ہیں لگائے ہوئے



شکر، کہ بختِ جوش کے عقدے کھول دیتے پھر زلفِ رسا نے

مجھ سے ساتی نے کہی رات کو کیا بات لے جوش  
مست و بیگانہ گزر جا کر وہ خاکی سے  
اور تو اور خود انسان پہا جاتا ہے  
لوگ کہتے ہیں حجابات نہیں جز آیات  
اہل الفاظ، شریعت پہ مٹے جاتے ہیں  
دیکھئے صبحِ جنوں، ذہن میں کب طالع ہو  
قوتِ کل کے مصالح سے اور اتنے بظن  
ساغر مئے ہی میں ہوتا ہے طلوع اور غروب  
کون مانے گا کہ ہیں عینِ مشیت واللہ  
یعنی اصدا ہیں پروردہ یک فئات لے جوش  
یہ تو ہے رہنما رسیل خیالات لے جوش  
کتنا پُر ہول ہے طوفانِ روایات لے جوش  
کس سے کہئے کہ یہ آیات ہیں خودات لے جوش  
کس کو سمجھاؤں مشیت کے اشارت لے جوش  
عقل، سُنّت، ہوں کہ ہے اک ابدی رت لے جوش  
وائے بردِ غفہ اہلِ مناجات لے جوش  
آفریں بردِ دلِ رندانِ خرابات لے جوش  
زندگانی کے یہ بگڑے ہوئے عادات لے جوش

تجھ کو کیا، فقر میں راحت ہے کہ شاہی میں فراغ  
تُو تو ہے غلوئی پیرِ خسرابات لے جوش

لے لیا دل اک ہوش رُبانے	کانِ شوخی،	جانِ حیا نے
آفتِ جانے، فرستہ شہرے	جانِ جہانے،	رُوحِ روا نے
موجِ تبسم کے دامن میں	برق کی رو،	بجلی کے خزانے
وقتِ خرامِ ناز، چلو میں	صبحِ چمن کے،	تازہ ترانے
بکھری اُلجھی زلفِ سیہیں	شامِ طرب کے،	لاکھ فسانے
جنبشِ لعلِ عہدِ شکن میں	کتنے جیلے،	کتنے بہانے
رقصاں تابِ چشمِ سیہ میں	کیف کے دن	شورش کے زانے
رُخ پر کافر زلف کی لہریں	جیسے لمحے	شب کے بہانے
گاہ بہ لب صد چشمہ نوشیں	گاہ بہ گردن	تیغِ روا نے
گاہ بہ خلوت سازِ خموشی !	گاہ بہ جلوت	شعلہ زبانی
گاہ بہ گفتارِ آیہ رحمت	گاہ بہ رفتار	آبِ روا نے
گہ بہ تلطفِ نرمِ نیے	گہ بہ تحکم	سخت کمانے
گاہ بہ شوخیِ مستِ غزالے	گاہ بہستی	خوابِ گرانے
گاہ بہ نورِ صبح "یقینے"	گاہ بہ ابرشام	"گمانے"
گاہ بہ سند "گفتہ حدیثے"	گاہ بہ پہلو	"رازِ نہانے"

بادۂ سرخوش  
قدیم رنگ تنغزل

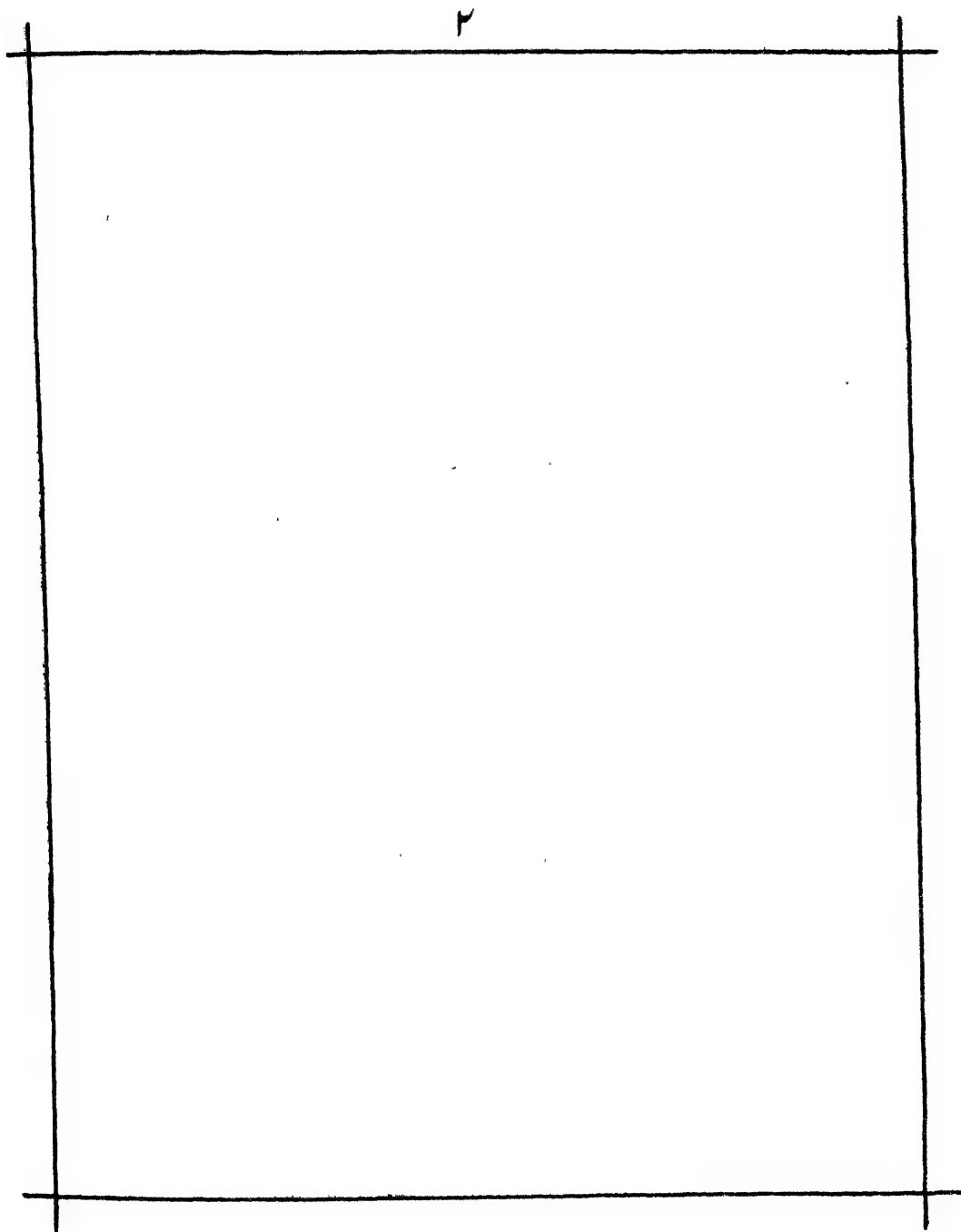
۱۹۲۰ء ————— ۱۹۲۶ء

اُدھر مذہب، اُدھر انساں کی فطرت کا تقاضا ہے  
 وہ داماں مہ کنعاں ہے، یہ دستِ زلیخا ہے  
 اُدھر تیری مشیت ہے، اُدھر حکمتِ رسولوں کی  
 راہنی! آدمی کے باب میں کیا حکم ہوتا ہے  
 یہ مانا دونوں ہی دھوکے ہیں رندی ہو کہ درویشی  
 مگر یہ دیکھنا ہے کون رنگین دھوکا ہے؟  
 کھلونا تو نہایت شوخ و رنگیں ہے متَدُن کا  
 مُعَرَّف میں بھی ہوں لیکن کھلونا پھر کھلونا ہے  
 مرے آگے تو اب کچھ دن سے ہر آنسوِ محبت کا  
 کنارِ آبِ رُکنا بادِ وگلِ گشتِ مُصَلَّے ہے  
 مجھے معلوم ہے جو کچھ تمنا ہے رسولوں کی!  
 مگر کیا درحقیقت وہ خُدا کی بھی تمنا ہے؟  
 مشیت! کھیلنا زیا نہیں میری بصیرت سے  
 اُسٹھالے اِن کھلونوں کو، یہ دُنیا ہے، وہ عُقبیٰ ہے

۱۹۷۱ء

سو نہ غم دے کے مجھے اُس نے یہ ارشاد کیا  
 وہ کریں بھی تو کن الفاظ میں تیرا شکوہ  
 دل کی چوٹوں نے کبھی چین سے رہنے نہ دیا  
 اے میں سو جان سے اس طرز تکلم کے نثار  
 اس کا رونا نہیں کیوں تم نے کیا دل برباد  
 اتنا مانوس ہوں فطرت سے، کلی جب چٹکی  
 میری ہر سانس ہے اس بات کی شاہدِ موت؛  
 مجھ کو تو ہوش نہیں، تم کو خبر ہو شاید  
 لوگ کہتے ہیں کہ تم نے مجھے برباد کیا

کچھ نہیں اس کے سوا جوشِ حریفوں کا کلام  
 وصل نے شاد کیا، ہجر نے ناشاد کیا



کعبہ دیر و حرم یاد آیا      پھر ہمیں کوئے صسم یاد آیا  
 منہصت اے مطرب رنگیں بخت      آج پھر دیدہ نم یاد آیا  
 درِ جاناں پہ حسین سائی کا      پھر ہمیں جاہ و حشم یاد آیا  
 تھا جو مخصوص ہے نامہ شوق      پھر وہ قرطاس و قلم یاد آیا  
 مٹ چلی تھی خلشِ سجدہ شوق      پھر ترا نقشِ قدم یاد آیا  
 جس نے پیچیدہ کئے تھے عقدے      پھر اسی زلف کا خم یاد آیا  
 ہنیشیں! تو نے بھلایا تھا جسے      پھر ترے سر کی قسم یاد آیا

بزمِ خواہاں میں جو حاصل تھا کبھی  
 جوش کو پھر وہ بھرم یاد آیا

جواں ہوں ہر چند، پھر بھی چہرہ ہے جوش بے آب و تاب میرا  
 مری عروسِ سخن کے رُخ پر جھلک رہا ہے شباب میرا  
 جہاں تھا داؤدِ سامعنی، جہاں تھی یوسفِ سی شمعِ رنگیں  
 اُسی شبستاں میں بہرِ نغمہ ہوا ہے اب انتخاب میرا

وہ غریب دل کو سبق ملے کہ خوشی کے نام سے ڈر گیا  
 کبھی ہنسکے تم نے بھی بات کی تو ہمارا چہرہ اُتر گیا  
 جو بہار ملتی تو پوچھتا کہ کہاں وہ کیفِ نظر گیا  
 وہ صبا کی شوخیاں کیا ہوئیں، وہ چمن کا حُسن کدھر گیا؟  
 تری راہ کا یہ اصول ہے کہ شکست مانے تو فتح ہو  
 جو چلا اکڑ کے وہ گر پڑا، جو جھکا لرز کے، اُس بھر گیا  
 میں رموزِ دل سے تھا آشنا، مجھے علمِ شرطِ قبول تھا  
 نہ مری پلک سے نئی لگتی، نہ مری دُعا سے اثر گیا  
 وہ شکارِ جلوہ دہر تھے، میں ہلاکِ پرتو یا ر سکتا  
 وہ سنو سنو کے بگڑ گئے، میں بگڑ بگڑ کے سنو گیا  
 یہ عجیب حُسن کے رمز تھے، یہ نزلے ناز کے بھید تھے  
 وہ نقابِ اُلٹ کے جو آگیا، کوئی جی اُٹھا، کوئی مَر گیا  
 تمہیں آہیں سننے کا شوق تھا، مگر اب بتاؤ کرو گے کیا؟  
 جو کراہتا تھا تمام شب، وہ مرینِ جوش تو مَر گیا



سلسلہ خواب پریشاں کا نہ ٹوٹا صبح تک  
ہم کو ہجر یار میں لے جوش غنیمت تو کیا

۶۲۳  
بے ہوشیوں نے اور خبردار کر دیا سوئی جو عقل، رُوح کو پیدا کر دیا  
اللہ رحیمِ دوست کی آئینہ دار یا اہل نظر کو نقش بدیوار کر دیا  
یارب! یہ بھید کیا ہے کہ راحت کی فکر نہ انسان کو اور غم میں گرفتار کر دیا  
دل کچھ پزیر چلا تھا تغافل کی رسم سے پھر تیرے التفات نے بیمار کر دیا  
کل اُن کے آگے شرحِ تنہا کی آرزو اتنی بڑھی کہ لُطف کو سبکار کر دیا  
مجھ کو وہ سنجستے تھے دو عالم کی نعمتیں میرے غرورِ عشق نے انکار کر دیا  
یہ دیکھ کر کہ اُن کو ہے رنگینوں کا شوق  
آنکھوں کو ہم نے دیدہ خوبسار کر دیا

۱۹۲۳ء  
جو چاہنا اختیار کرنا، دنیا پہ نہ اعتبار کرنا  
اے حشر! یہ تجھے اتجا ہے اب ہم کو نہ ہوشیار کرنا  
اے بادِ مہا! اُس آشنا کو ہم سے بھی کبھی دوچار کرنا

اُدھر مری نغمہ سنجیوں سے، تری جبین پر ہے اک دمک سی  
 اُدھر ترے رُخ کی تابشوں سے جھلک رہا ہے رباب میرا  
 تری تجلی کہاں نہیں ہے، تری کچھ اس میں خطا نہیں ہے  
 مُغل ہے میرا غبارِ ہستی، مری نظر ہے حجاب میرا  
 جو اشکِ دل میں کھٹک رہا تھا، ٹپک پڑا صبحِ چشمِ تر سے  
 سحر کی تنویر پھیلتے ہی ہو اُغروبِ آفتاب میرا  
 مری فراست میں شیب آکر اضافہ کچھ بھی نہ کر سکے گا  
 کچھ ایسے پیچیدہ راستوں سے گزر رہا ہے شباب میرا

۲۲

زہرِ دولت کر چکا جب کام، شرم آئی تو کیا  
 اس اول تو نہ آئے گی زمانے کی ہوا  
 موت کی جانب مڑا ہے بڑھکے ہر اک راستہ  
 صبح کی کرنیں جگا ہی دیں گی خوابِ نانہ سے  
 اصل کی جانب جھکا دھے گی زمانے کی ہوا  
 اب ہوس اپنے کئے پر جوشِ بچپانی تو کیا  
 اس بھی دوون زمانے کی ہوا آئی تو کیا  
 زندگی نے عافیت کی راہ دکھلائی تو کیا  
 رات نے کلیوں کی دم بھر آنکھ جھپکائی تو کیا  
 پنکھڑی بن کر چمن کی خاک اترائی تو کیا

وہ صبر دے کہ نہ دے جس نے بیقرار کیا؟ بس اب تمہیں پہ چلو ہم نے انحصار کیا  
 تمہارا ذکر نہیں ہے، تمہارا نام نہیں کیا نصیب کا شکوہ ہزار بار کیا  
 ثبوت ہے یہ محبت کی سادہ لوحی کا جب اُس نے وعدہ کیا، ہم نے اعتبار کیا  
 مال ہم نے جو دیکھا شکون و جنبش کا تو کچھ سمجھ کے تڑپنا ہی اختیار کیا

مرے خدا نے مرے سب گناہ بخش دئے  
 کسی کارات کو یوں میں نے انتظار کیا

۱۹۲۳ء سحر ہوئی، مسکرا رہا ہے، ہر اک ستارے میں نور تیرا  
 گلوں میں تیری شگفتگی ہے، صبا میں جوشِ سرور تیرا  
 ہر ایک دانہ ہے ماہِ پیکر، ہر ایک ذرہ ہے رشکِ گوہر  
 کئے کہوں میں کر یہ منظر، مری نظر میں ہے نور تیرا  
 وقارِ دولت، شکوہِ طاقت، کسی سے جھکتے نہیں جہاں میں  
 ہم اہل دل کی فروتنی میں بھرا ہوا ہے غرور تیرا  
 جنوں کے شانوں پہ کیوں پریشاں ہے زلفِ اُس آفتِ جہاں کی  
 یہ رازِ دل ہے، نہ پاسکے گا کبھی دماغِ شعور تیرا

حاصل ہو خدا کرے تجھے جو شش  
نظارہ رویے یارِ بکر بنا

۱۹۲۳ء

یہ عجیب رنگ تھا میکشو! کہ ہر ایک چہرے پہ نور تھا  
یہ گماں ہے مجھ کو، گزشتہ شب کوئی مست تم میں ضرور تھا  
میں تڑپ کے حُسن کو پا گیا، وہ چمک کے خاک میں بل گیا  
میں شہیدِ جلوہ بے خودی، وہ ہلاکِ رنگِ شعور تھا  
مرے سامنے تھا وہ جلوہ گر، اُسے پاسکی نہ مری نظر  
یہ ضیائے کثرتِ جلوہ تھی، یہ ہجومِ شانِ ظہور تھا  
یہ عجیب حُسنِ قبول تھا کہ میں خاکِ راہِ وفا بنا  
ستمِ زمانہ سے ایک دن مجھے خاک ہونا ضرور تھا  
یہ صبا نے خاک اڑائی کیوں، یہ چٹاک کے غنچے نے کیا کہا؟  
مجھے وہم ہوتا ہے ہمنوا! کوئی بھید اس میں ضرور تھا

کرے گی دونوں کا چاک پرودہ، رہے گا دونوں کو کر کے مسوا  
 یہ شورشِ ذوق دید میری، یہ اہتمامِ حجاب تیرا  
 جڑیں پہاڑوں کی ٹوٹ جاتیں، فلک تو گیا، عرش کانپ اٹھنا  
 اگر میں دل پر نہ روک لیتا تمام زورِ شباب تیرا  
 بھلا ہوا جوش نے ہٹایا نگاہ کا چشم تر سے پرودہ  
 بلا سے جاتی رہیں گرا نکھیں، کھلا تو بند نقاب تیرا

۱۹۲۵ء

”کیوں چپ ہیں سب، مرلیف محبت کو کیا ہوا؟“ اُن کا یہ پوچھنا تھا کہ محشر بپا ہوا  
 زحمت نہ تو در پہ ذرا چل کے دیکھ لو آیا ہے کوئی اپنا پتا پوچھتا ہوا  
 یہ میرا ذوق بادہ کشی، اور یہ تشنگی! معبود! تیری شانِ کریمی کو کیا ہوا؟  
 اک تم کہ اہل دل کی نظر پر چڑھے ہوئے اک میں کہ ہوں خود اپنی نظر سے گرا ہوا

شاعر کا دل، مناظرِ قدرت سے بے نیاز!!

پیغمبر، اور کلامِ خدا سے پھرا ہوا!!!

وہی ہوا، اور کیوں نہ ہوتا، کچھ ایسی افتاد ہی تھی دل کی  
میں کہہ چکا تھا یہ اک نہ اک دن شکار ہو گا ضرور تیرا

۱۹۲۵ء  
بلا جو موقع تو روک دوں گا جلال روزِ حساب تیرا  
پڑھوں گا رحمت کا وہ قصیدہ کہ منس پڑے گا عتاب تیرا  
یہی تو ہیں دوستوں محکم، انھیں یہ قائم ہے نظمِ عالم  
یہی تو ہے رازِ خلد و آدم، نگاہ میری، شباب تیرا  
صبا تصدق ترے نفس پر، چمن ترے پیرہن پہ قرباں  
شیممِ دوشیزگی میں کیسا بسا ہوا ہے شباب تیرا  
تمام محفل کے رو برو، گو اٹھائیں نظریں، بلائیں آنکھیں  
سمجھ سکا ایک بھی نہ لیکن، سوال میرا، جواب تیرا  
ہزار شاخیں ادا سے لچکیں، ہوا نہ تیرا سا لوچ پیدا  
شفق نے کتے ہی رنگ بدلے، بلا نہ رنگِ شباب تیرا  
ادھر مرادِ دل تڑپ رہا ہے، تری جوانی کی جستجو میں  
ادھر مرے دل کی آرزو میں محفل رہا ہے شباب تیرا

مطرب! بربط ہاتھ رکھ دے، ماضی نے دُر کھول دیا  
 فریاد کہ چُجھ کر ٹوٹ گیا، پھر کانٹا سا ارمائوں کا  
 ہاں ظلم و ستم سے بھی قدرے پڑتی ہیں خراشیں سینے میں  
 سب سے ہے ہلاک زخم مگر اے حسن! ترے احسانوں کا  
 اے دینِ وفا، اے جانِ کرم! یوں غم میں نہ میرا ہات بٹا  
 مرجاؤں گا میں، اے شمع! خدا را، رُوپ نہ بھر پرے والوں کا  
 دنیا نے فسانوں کو بخشی افسردہ حقائق کی تلخی  
 اور ہم نے حقائق کے نقشے میں رنگ بھرا افسانوں کا  
 کجخت جوانی سینے میں ناگن کی طرح لہراتی ہے  
 ہر موجِ نفس اک طوفاں ہے کونین شکن ارمائوں کا  
 انگڑائی لگاؤٹ سے لے کر، آنکھوں کو یہ کس نے گردش دی  
 کلیوں کو ٹھنڈے آئے پسینے، رنگ اڑا پھیلاؤں کا  
 اے جوشِ جینوں کی شام و سحر میں، وقت کی یہ رفتار نہیں  
 داناؤں کی طولانی صدیاں، اور ایک نفس دیوانوں کا

خاک میں پیدا غم در کیا ہو جائے گا جس صنم کو عشق پوجے گا خدا ہو جائے گا  
 عشق بھی کیا شے ہے، تم جس نفل سے رکھو گے لٹ وہ ہماری زندگی کا مسدہا ہو جائے گا  
 عقل کہتی ہے غلط ہے ایک اک بیانِ دوست عشق کہتا ہے کہ ہر وعدہ وفا ہو جائے گا  
 ہر تمنا کے نکلنے پر نہ ہو اتنا مُصر ورنہ اپنی زندگی سے تو خفا ہو جائے گا  
 تم بھی آؤ ورنہ کلیوں کا چٹکنا باغ میں میرے دل کے ٹوٹ جانے کی صدا ہو جائے گا

جوش، میرے حق میں جو بت بن چکا تھا برہمن  
 کیا خبر تھی برہمن بن کر خدا ہو جائے گا

۲۶

پہچان گیا، سیلاب ہے اس کے سینے میں ارمائوں کا  
 دیکھا جو سفینے کو میرے، جی چھوٹ گیا طوفانوں کا  
 یہ شوخ فضا، یہ تازہ چمن، یہ مست گھٹا، یہ سر دہوا  
 کا فر ہے، اگر اس وقت بھی کوئی رُخ نہ کرے میخانوں کا  
 یہ کس کی حیات افروز نظر نے چھیڑ دیا ہے عالم کو  
 ہر خاک کے ادنیٰ ذرے میں ہنگامہ ہے لاکھوں جانوں کا



جوش بھلتی تھی جن سے دل کی کلی  
کیسے وہ لوگ ہو گئے نایاب

۶۲۲

چاندنی میں آپ یاد آئے بہت شب کو آنسو ہم نے پکائے بہت  
ہم، نہ آنا تھا، نہ آئے دام میں ناز اس دنیا نے دکھلائے بہت  
کل جو آئے وہ عیادت کو مری  
سوچ کر کچھ جی میں پچھتائے بہت

(۶۲۳)

بل گئی کشمکش تلخی دوراں سے نجات  
خاک پر نور کی تحریر نظر آتی ہے  
عشق کی مشق تصور کو نہ ٹھکرا ظالم!  
دیکھ کر دوں کے صحیفے کو الٹ کر ادراق  
جن کو کہتی ہے چلتے ہوئے غنچے دُنیا  
جوش، راتوں کی خموشی میں دم فکر سخن  
واہ کیا بات ہے لے دلبر شیریں حرکات  
محبکو ہیں عرش کے ٹوٹے ہوئے تائے ذرات  
مجلسِ کفر نہیں، انجمنِ لات و مناسبات  
جانہ تاروں پہ، کہ تارے تو فقط ہیں شذرات  
میرے نزدیک ہیں اُس جانِ چمن کے کلمات  
نبض کو نین کی سُنتا ہوں عدائے ضربات

۶۳۶

اُجھار کر مٹائے جا، بگاڑ کر بنائے جا کہ میں ترا چراغ ہوں، جلائے جا، بجھائے جا  
 ہمنوز شہر یاریاں رہیں کبر و ناز ہیں مالِ تاج و تخت کی کہانیاں سُنائے جا  
 رُخِ نگارِ زندگی نقاب در نقاب ہے نہ ہو گا ختم سلسلہ، مگر نقاب اُٹھائے جا  
 جنوں کی شاہ راہ سے نہ ہٹ سکا قدم مرا خرد نے لاکھ دی صدا مجھے بھی اُڑنائے جا

فغاں کہ مجھ غریب کو حیات کا یہ حکم ہے  
 سمجھ ہر ایک راز کو مگر فریب کھائے جا

۶۳۷

ہٹ گئے دل سے تیرگی کے حجاب آفریں اے نگاہِ عالمِ تاب  
 آڑے آیا نہ کوئی مشکل میں مشورے دے کے ہٹ گئے حجاب  
 کیا قیامت تھی صبر کی تلقین اور بھی رُوح ہو گئی بیتاب  
 بارے اُٹھے تو ناصحِ مشفق ! ہاں کدھر ہے صراحتیئے ناب  
 ہاں اشراب ہو اُجھٹ کا ہم سے آنے لگا ہے اُن کو حجاب  
 شب جو بیٹھے وہ میرے پہلو میں مُسکرا نے لگی شبِ ہتّاب

۶۲۲

ہوئی جاتی ہے زندگی برباد      اے مرے دیر آشنا! فریاد  
 ترک کر دوں گا شغلِ مے، ناصح:      ہاں سر آنکھوں پر آپ کا ارشاد  
 اُن کی صرف اک نگاہ کی خاطر      بیچ دی ہم نے عزتِ اجداد  
 جی کڑا کر کے، حالِ دل اُن سے      اب تو کہتے ہیں، ہرچہ بادا باد  
 مست باش اے نگاہِ بادہ فروش      ہو گئے کتنے میکدے برباد  
 ہم بھی آخِ خدا کے بندے ہیں      کوئی حد بھی ہے، اور ستمِ ایجاد؟

جوشِ اپنی سحر پرستی سے  
 جاگ اٹھی قسمتِ بیخِ آباد

(۶۲۳)

آزاد منش رہ دنیا میں، پروائے اُمید و بیم نہ کر  
 جب تک نہ ملیں فطرت کے قدم، خم دیکھ سر تسلیم نہ کر  
 سینے میں ہے اُس کے سوز اگر، شیطان کے قدم لے آنکھوں  
 بیگانہ دردِ دل ہے اگر جب بدیل کی بھی تعظیم نہ کر  
 کتنی ہی شعاعیں ابر میں ہوں، خورشیدِ جنوں پر ایماں لا

۶۲۲

کشتی مے کو اے خداے صُبُوح      بخش دے قسمتِ سفینہٴ نُوح  
 بخش اس جسمِ پاک جو ہر کو      مرگ فرسانیِ جلالِ تِ رُوح  
 چہنمہ زندگی ہو مدحِ سرا      ارغوانی شراب ہو مہرِ ح  
 بادہ ہے اس طرف، اُدھر کو تڑ      اس کو فاتح بنا، اُسے مفتوح  
 آنچ آئے نہ مے پر اے معبودا  
 تیرے بندے ہیں خستہ و مجروح

۶۲۲

سامنے آسانیاں آتی ہیں دشواری کے بعد      رُوح کو ہوتی ہے صحت، دل کی بیماری کے بعد  
 کھلتے ہیں انسان پر نیرنگیِ قدرت کے راز      اشکِ خوں آلود سے چہرے پہ گلکاری کے بعد  
 کیوں جنوں ہم کو نہ ہوتا، یہ ہے اک رسمِ قدیم      عقل سو جاتی ہے اکثر دل کی بیداری کے بعد  
 سب سے پہلے اُس جفا پر ورکا آتا ہے خیال  
 دفعۃً وقتِ سحر اے جوشِ بیداری کے بعد

۱۹۲۵ء

بلال سر پہ ہے، بیٹھا ہوں کیف میں سرشار  
 سرے ضمیر میں کچھ دن سے ہے وہ کیفیت  
 خاموش رات کے جنبش میں ہیں گفتار  
 ہوا کی رَو میں کئی دن سے کہ رہا ہے کوئی  
 فرارِ چرخ پہ جس طرح صبح کے آثار  
 کہ تجھ سے رازِ دو عالم ہے مائلِ گفتار  
 میں ہوں تو ذرہ خاکی مگر وہ ذرہ ہوں  
 جو آفتاب سے رہتا ہے برسرِ پیکار  
 ازل سے گرم عملِ گوہے مذہب و اخلاق  
 خُلاں، کہ آج تک انسانیت ہے سینہ فگار  
 اُس انجن میں ہے زاہدِ تجھے غرورِ صلوٰۃ  
 جس انجن میں ہے عصمت کو جرم کا اقرار  
 خدا کی شان، وہاں نازِ پاک دامانی  
 جہاں زبانِ رسالت ہے محورِ استغفار

وہ رُوح، سینہٴ عالم میں ہے جو خوابیدہ  
 خدا کا شکر کہ میرے نفس میں ہے بیدار

(۱۹۲۳ء)

بہتر تو یہی ہے ہستارہ، تو کوہ ہے، خود کو کاہ نہ کر  
 یہ بن نہ پڑے تو کم سے کم خاموش ہی رہ، اور آہ نہ کر  
 کچھ دن میں یہ دُنیا غش کھا کر قدموں پہ ترے جھک جائے گی  
 غوغائے مصائب سے نہ جھپک، پر دوائے غم جاگاہ نہ کر

کہنے ہی دلائل روشن ہوں، دانش کو کبھی تسلیم نہ کر  
 سانچوں میں برابر ڈھلتا جا، رفتار جہاں سے پھر نہ منہ  
 تنبیح تو کیا، اس دفتر میں، جینا ہے تو کچھ ترسیم نہ کر  
 اے جوش، ہجومِ گفت میں فساد و فغاں سے کام نہ لے  
 گھٹ جائے گا اس سے دل کا اثر، اجزائے پیش تقسیم نہ کر

(۱۹۲۷ء)

عشوؤں کو چین ہی نہیں آفت کئے بغیر تم اور مان جاؤ شرارت کئے بغیر؟  
 اہل نظر کو یار دکھاتا رہ وفا اے کاش ذکر و وزخ و جنت کئے بغیر  
 اب دیکھ اُس کا حال، کہ آتا نہ تھا قرار خود تیرے دل کو جس پہ عنایت کئے بغیر  
 اے ہمنشیں محال ہے ناصح کا ٹالنا یہ، اور یہاں سے جائیں نصیحت کئے بغیر؟  
 تم کہتے تند خو ہو کہ پہلو سے آج تاک اک بار بھی اٹھے نہ قیامت کئے بغیر  
 چلتا نہیں ہے محفلِ حسنِ جواں میں کام ہر جنبشِ نظر سے عبادت کئے بغیر

مانا کہ ہر قدم پہ قیامت ہے پھر بھی جوش  
 بتا نہیں کسی سے محبت کئے بغیر

آہ یہ دُنیا! کہاں ہے موت؟ او کجنت موت!  
میرا اس دیران آبادی میں گھبراتا ہے دل

(۱۹۲۱ء)

اُن سے جا کر صبا یہ کہہ پیغام نیند راتوں کی ہو گئی ہے حرام  
اے خدا تجھ پہ دین و دل میرا جلوہ گستر ہو میرے ماہ تمام  
یہ چلا کون اُٹھ کے پہلو سے؟ دل کی بستی میں پڑ گیا کہرام

جتنے آشفۃ حال شہر میں ہیں  
جوش کو مانتے ہیں اپنا امام

(۱۹۲۶ء)

باز و بلا کے اُڑتے ہیں رُوح الامیں سے ہم  
لب اپنے بند رکھتے ہیں غوغائے عام میں  
اے ساکنانِ دیر و حرم! کہہ رہے ہو کیا؟  
اے غنچہ صبح! نہ یوں سُکرا کے دیکھ  
و امن کسی کابات میں آ کر نکل گیا  
شکرِ خدا کہ اتنے مصائب کے باوجود  
کرتے ہیں سیرِ عالم بالا یہیں سے ہم  
کھٹکتے ہیں ممکنۃ السج و سخنِ آفریں سے ہم  
باہر کھڑے ہیں حلقۂ دُنیا و دیں سے ہم  
واقف ہیں اُن کے خندۂ نازِ آفریں سے ہم  
بیٹھے پسینہ پونچھ رہے ہیں جبین سے ہم  
واقف نہیں ہیں خاطرِ اندوہ گیس سے ہم

جو قلب پہ عالم طاری ہو، کچھ عقل کو اُس میں راہ نہ دے  
ان رُوح کے گہرے رازوں سے اپنے کو بھی تو آگاہ نہ کر

(۲۲ء)

اے قیامت نگاہِ دِبرِ جلالِ خونِ اہلِ نظر ہے تجھ کو حلالِ  
دلِ آشفستہ کار کے ہاتھوں زندگی ہم کو ہو گئی ہے وبال  
آنکھیں پھر جوشِ ڈھونڈتی ہیں انھیں  
کل سے پھرست ہے نسیمِ شمال

(۱۹۲۱ء)

آستیاں پر جب کسی کافر کے جھجک جاتا ہو دل  
سخت حیراں ہوں کہ ہستی کے بلند و پست  
آنے والا ہے یکا یک کیا سرت کا پیام؟  
اٹھ کھڑے ہوتے ہیں قدسی، کانپنے لگتا ہوش  
ہمنشیں! الفاظ میں شریح ہو سکتی نہیں  
سچ بتا اے ہمنشیں! کیا عشقِ اسی کا نام ہے؟  
ایسے سجدے بھی کبھی دیکھے ہیں اے فرشِ حرم؟  
اپنے سجدے کا خرم کو حکم فرماتا ہے دل  
کتنی آہستہ خرامی سے گزر جاتا ہے دل  
بیٹھے بیٹھے آج کیوں میرا بھڑاتا ہے دل  
جب کسی معشوق کا عاشق پہ آجاتا ہے دل  
کیا بتاؤں کس طرح راتوں کو گھبراتا ہے دل  
سانس کے ہمراہ سینے سے اڑا جاتا ہے دل  
سر تو کیا، اُن، کی طرف میرا جھجک جاتا ہے دل



ترے سنگِ درنے بدل دیا ہے یہ پستیوں کو فراز میں  
 کہ ہزار طور جھلک رہے ہیں مری حسینِ نیا ز میں  
 مرا پیر ہن نہیں چاک ابھی، مجھے رحم کھا کے سنگا بھی دے  
 یہ مہک جنوں کی، بھری ہوئی ہے جو تیری زلفِ دراز میں  
 یہ وفا کا رنگِ شکرستہ ہے، مری حسرتوں کا یہ خون ہے  
 یہ گلاب کی سی جو سرخیاں ہیں ترے بزمِ ناز میں  
 یہ ترے غرور کو کیا خبر کہ ازل کے روز سے دخل ہے  
 مرے عشقِ سادہ مزاج کو ترے حُسنِ عشوہ طراز میں  
 چمک اے حقیقتِ دستان، مجھے تازہ سا بچے میں ڈھال دے  
 میں وہ شمع ہوں جو گھیل چکی ہے تمام بزمِ محباز میں  
 جو بہارِ عشق ہو دیکھنا کبھی غمِ زلفی پہ نگاہ کر  
 کہ کشیم گلشنِ خسروی ہے تباہ کوئے، ایا ز میں  
 نظر آئیے یہ ہے، انکھڑیوں میں طلوعِ صبح کا رنگ ہے  
 وہ بچھا کے شمعِ سنور رہے ہیں سحر کو خلوتِ ناز میں

اہل چہاں! ہمارا نشین ہے آسماں      نا آشنا ہیں ہم و رواجِ زمیں سے ہم  
ہم بکیوں کی شان کبھی میکدے میں دیکھ      کرتے ہیں نازِ حجبِ فلکِ ہفتہاں سے ہم

معنی پھار ہا ہے ہر اک اپنے طور پر  
کیا جوش کہہ گئے نگہِ دلپس سے ہم

(۱۹۲۳ء)

اپنی ان انکھریوں کی تجھ کو قسم      ہاں ادھر بھی کبھی نگاہِ کر م  
آنے والی ہے کیا بکاسر پر      آج پھر دل میں درد ہے کم کم  
لذتِ مرگ، اے معاذ اللہ      دے بر خضر و عیسیٰ مریم  
یوں بھی لے دل کوئی دھڑکتا ہے      کا کلیں اُن کی ہو گلیں بر ہم  
تیری رستا ناز کے قُرباں      بنتے ہیں میرے دلِ نقشِ قدم  
یوں نہ چھیڑو کہ ہات سے کھو کر      پھر بہت تم کو یاد آئیں گے ہم

پھین سے بیٹھنے نہیں دیتی  
جوشِ اس دل کی کاوشِ پیہم

بہت جی خوش ہوا اے ہمنشیں کل جوش سے مل کر  
ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

(۱۹۲۱ء)

سمجھ گیا اُس کا درد کون شورشِ کائنات میں      تُو نے جسے مٹا دیا پر وہ اتفاست میں  
آنکھیں تری اُداس ہیں رخصتِ عشوہ و بغیر      برقِ نظر چھپی ہے کیوں اتر تکفاست میں  
سائنس میں بُوئے باد وہ ہے سجدے میں پایا پر      اب بھی داغِ زہد کو شکِ ہومری نجاست میں  
تاروں کی جھلکیوں ہی پر کچے کیوں نہ اکثفا  
دھندلے آفتاب کیوں جوشِ اندھیری رات میں

(۱۹۲۶ء)

آنکھیں متیلیوں سے مل، نیند ہے چشمِ ناز میں      بھرے حنا کا رنگ بھی زنگسِ نیم باز میں  
چھیلوں کبھی جرات کو تاروں سے خوں ٹپاٹے      درد بھرا ہوا ہے وہاں دل کے شکستہ ساز میں  
میرے گدازِ عشق کا تم پر اثر ہو غمِ سُر      ناز کا رنگ اچلا میرے دلِ نیاز میں  
دیکھنا ڈوٹے پہ ہے جوش کا دل بھی عنقریب  
ذکر تھا کل یہ حُسن کے خلوتیانِ راز میں

یہ ستارہ سحری کی صنو ہے اُفت کی سُرخ بساط پر  
 کہ دلِ نیاز دھڑک رہا ہے کسی کے پہلوئے ناز میں  
 مجھے ان کا محرم راز کر، انہیں میرے واسطے کھول دے  
 یہ جو خط سے تیری جبین پہ ہیں، یہ جو خم ہیں زلفِ راز میں  
 جو صنم کدوں میں بیاں کروں، تو صنم بھی سجد و نہیں گر پڑیں  
 وہ بلا ہے پچھلے پہر مزا مرے دل کو جوشِ نسا ز میں

(۱۹۲۶ء)

جہنم سر دہے جنت کے در کھولائے جاتے ہیں  
 غضب ہے یہ ادا اُن کی دم آرائش گیسو  
 طلسمِ دہر کے اسرار کھل جائیں عجب کیا ہے  
 سحر کی صنو، شفق کی سُرخیاں برسات کے بادل  
 نہ جانے کتنی رنگیں جھتیں ہیں میری نظروں میں  
 شبِ وعدہ یہ کیسی تیرگی ہے؟ وقت کیا ہوگا؟  
 کوئی حد ہی نہیں اس احترامِ آدمیت کی  
 سرِ محشر سُجاری حُسن کے بُلوائے جاتے ہیں  
 جھبکی جاتی ہیں آنکھیں خود بخود ٹٹرائے جاتے ہیں  
 اب اپنے دل کے کچھ آثار ایسے پائے جاتے ہیں  
 مجھے ہماز پا کر یہ مناظر کھائے جاتے ہیں  
 بس اے مُطرب ہماری آنکھوں میں آنے جاتے ہیں  
 تناؤں کے غنچے، ہمنفس! کھلائے جاتے ہیں  
 بدی کرتا ہے دشمن، اور ہم شرمائے جاتے ہیں

۲۷

یہ بات، یہ تبسم، یہ ناز، یہ نگاہیں      آخر تمہیں بتاؤ کیونکر نہ تم کو چاہیں  
 اب سراٹھا کر میںے شکوؤں سے بات اٹھایا      مرجاؤں کا تنگ، نیچی نہ کر نگاہیں  
 کچھ گل ہی سے نہیں ہے رُوحِ نیکو کو زینت      گردن میں خار کی بھی ڈالے ہر ہی باہنیں  
 اللہ رمی دلفریبی جلوؤں کے بائین کی      محفل میں وہ جو آئے کچھ ہو گئیں کلاہیں  
 یہ بزم، جوش، کس کے جلوؤں کی رہگزر ہے  
 ہر ذرے میں ہیں غلطاں اٹھتی ہوئی نگاہیں

۱۹۲۳ء

اے شوق، مجھے گمراہ نہ کر، شورش کے لئے اسباب نہیں  
 اُمید کے اُجڑے گلشن میں اک پھول بھی اب شاداب نہیں  
 اب عشق کا چہرہ کیا دیکھوں لے حُسن، ترے آئینے میں  
 احساس کی آنکھیں دھندلی ہیں، اُمید کے رُخ پر آب نہیں  
 اب دل کا سفینہ کیا ابھرے، طوفان کی ہوائیں ساکن ہیں  
 اب بحر سے کشتی کیا کھیلے، موجوں میں کوئی گرداب نہیں

۱۹۲۵ء

یہ ہم جو تابشِ حُسنِ بشر کو دیکھتے ہیں      کسے خبر کہ خود اپنی نظر کو دیکھتے ہیں  
وہ داغِ سینہ شاعر کو دیکھ سکے تماش      جو لوگ شعر کے عیب مہنر کو دیکھتے ہیں  
قفص کے دیکھنے والے، بڑی حقارت سے      پلٹ پلٹ کے مرے بال و پر کو دیکھتے ہیں  
بُرا ہو وہ ہم کا، لکھا تو ہے اُنہیں خطِ شوق      اُداس ہو کے مگر نامِ بر کو دیکھتے ہیں

ہمیں نہیں ہے کچھ اعمالِ جوش سے مطلب  
کہ ہم تو صرف متاعِ مہنر کو دیکھتے ہیں

(۱۹۲۳ء)

پایانِ عشق بستہ دام ہو انہیں      صد شکر، دل میں اب خلشِ مدعا نہیں  
گمراہ ہو نہ جاؤں میں اُسے بے نقاب      اس خیرگی میں مجھ کو تو کچھ سُجھتا نہیں  
کس حد کا دلنشیں ہے محبت کا بھی سبق      اک بار جس کو یاد ہوا بھولتا نہیں  
ساقی نگاہِ کم سے ہمیں دیکھتا ہے جو      دراصل وہ غریب ہمیں جانتا نہیں  
اس نامُرادِ عشق کی تلخی کو کیا کروں      ہر چند جس سے کام ہے وہ بیوفا نہیں

واقف ہے جوشِ عشق سے اپنے تمام شہر

اور ہم یہ جانتے ہیں کوئی جانتا نہیں

(۱۹۲۱ء)

ظالم! یہ خموشی بیجا ہے، اسرار نہیں، انکار تو ہو  
 اک آہ تو نکلے توڑ کے دل، نغمے نہ سہی، جھنکار تو ہو  
 ہر سانس میں صد ہا نغمے ہیں، ہر ذرے میں لاکھوں حلے ہیں  
 جاں مجبور موز ساز تو ہو، دل جلوہ گہ انوار تو ہو  
 شاخوں کی لچک فصل میں ہے، ساقی کی جھلک ہر رنگ میں ہے  
 ساغر کی کھنک ہر طرف میں ہے، مخمور تو ہو، سرشار تو ہو  
 کیونکر نہ شبِ مہ روشن ہو، کیوں صبح نہ دامن چاک کرے  
 کچھ وصفِ رموزِ حسن تو ہو، کچھ شرحِ جمالِ یار تو ہو  
 سینے میں خطائیں مضطر ہیں، انعام کا وہ اسرار کریں  
 منصور ہزاروں اب بھی ہیں، اے جوشِ صلیے میں دار تو ہو

(۱۹۲۲ء)

نورِ رگوں میں دوڑ جائے، پردہٴ دل جلا توڑ  
 رنگ ہے زرد کیوں مرا، حال ہے غیر کس لئے؟  
 دیکھنا قصِ پھر مرا، پہلے نقاب اٹھا تو دو  
 ہو جو بڑے اداس شناس اس کا سبب بتا تو دو  
 میرے مکاں میں تم کہیں، میں ہوں مکاں سے غیر  
 ڈھونڈ ہی لوں گا میں تمہیں، محکوم رہتا تو دو

پھر جوشِ فسر وہ خاطر ہے، اے عہدِ تنہا! واپس آ  
آسا کشیں کھائے جاتی ہیں تمکین کی دل کو تاب نہیں

(۲۲۷)

دیر سے منظر ہوں میں، بیٹھ نہ یوں حجاب میں  
کس سے کہوں میں داستاں طویل شبِ فراق کی  
اُس سے ڈرو وہ فتنہ بزمِ حیات جے  
عرش سے آئی یہ صدا، بخش دے ترے گناہ  
یوں تو حرمِ ناز میں کتنے ہی دل ہوئے تپیش  
تاروں کی چھاؤں ہے، درآ میرے دلِ خراب میں  
جاگ رہا ہوں ایک میں، سارا جہاں ہے خواب میں  
شبِ تاب میں تابِ مے نہو، عشقِ ہنوشِ باب میں  
یاد کیا کسی کو یوں کل شبِ ماہِ تاب میں  
حکمِ شکستگی ہو امیرے ہی دل کے باب میں

مضطر و بیقرار ہوں جوشِ وہ خود مرے لئے  
کاش اک ایسی رو بھی ہو دہر کے انقلاب میں

(۲۲۸)

زمانے کا خدا حافظ کہ جتنے دل میں چھلے ہیں  
کہیں آبادی و صحرا میں جی اپنا نہیں لگتا  
بلکولے اٹھ رہے ہیں، دیدہ حیراں، نظارہ کر  
ٹہر، بنیا دے انسانیت کی صبرِ تمکین پر  
وہ اب الفاظ بن کر میرے لب تک آنے لگے ہیں  
بتائے وحشتِ دل! ہم کہاں کر رہے لگے ہیں  
ہنیں معلوم ان میں کس قدر نازوں کے پائے ہیں  
یہ وہ کہتا ہے جس نے زلزلے روح نہیں ڈالے ہیں



بندہ ترے وجود کا مستکر نہیں، مگر  
 دُنیا نے کیا دے ہیں سبق ہائے خدا نہ پوچھ  
 کیوں جوش، رازِ دوست کی کتاب ہے تجو  
 کہد کوئی کہ شاہ کا حال اے گدا، نہ پوچھ

(۱۹۲۶ء)

غورِ اہل زمانہ سے گیر و دار نہ پوچھ  
 دماغِ کبرِ گدا یا ان کوئے یار نہ پوچھ  
 بساطِ عالمِ امکاں اُلٹ نہ جائے کہیں  
 نہ پوچھ پھر خدا شرحِ حسنِ یار نہ پوچھ  
 ٹپکنے لگتے ہیں کیوں اشکِ خندہ گل سے؟  
 یہ رازِ دوست ہے، اے بہت بہاؤ نہ پوچھ  
 ہوا غروب کی اساعل پہ جب سُن سکتی ہے  
 دلِ حزیں میں محبت کا خلفشار نہ پوچھ  
 عذابِ قبر پہ مہنتا ہوں، مختصر یہ ہے  
 کشاکشِ غمِ شہائے انتظار نہ پوچھ

سوائے حُسن، اُٹھاتا نہیں کسی کا بھی ناز  
 نزاکتِ دلِ اربابِ انکسار نہ پوچھ

(۲۲۶ء)

دل پہ وہ زخم کھائے ہیں کہ نہ پوچھ  
 لطف بھی وہ اُٹھائے ہیں کہ نہ پوچھ  
 اُن کی رفتار نے زمانے میں  
 ایسے فتنے جگائے ہیں کہ نہ پوچھ  
 میرے سینے میں فوقِ تمکین نے  
 وہ تلاطم مچائے ہیں کہ نہ پوچھ

ہو، کہ ہنر مجھے مسکون، یہ تو خدا کو علم ہے نزع میں آکے سامنے ناز سے مسکراتو دو  
 لطف نہیں، جفا سہی، زیت نہیں قضا سہی غمرہ ناز و اسہی، عشق کا کچھ صلا تو دو  
 تم کو غرور ناز ہے، تم ہو تغافل آشنا اچھا اگر یہ بات ہے، دل سے مجھے بھلا تو دو  
 اس سے بہیں غرض نہیں، پھلنے لگے، کہ خل اٹھ  
 نخل حیاتِ جوش پر برق نظر گرا تو دو

(۱۹۲۶ء)

اس بات کی نہیں ہے کوئی انتہا، نہ پوچھ اے مدعائے خلق! مراد سے، نہ پوچھ  
 کیا کہہ کے پھول بنتی ہیں کلیاں گلاب کی؟ یہ راز مجھ سے بلبل شیریں لہا، نہ پوچھ  
 جتنے گداؤں اڑتے، کب کے گزر چکے اب کیوں بچائے بیٹھے ہیں ہم بویا؟ نہ پوچھ  
 پیش نظر ہے پست و بلند رہ جنوں ہم بیخ و دل سے قصہ ارض و سما، نہ پوچھ  
 سنبل سے واسطہ، نہ چمن سے مناسبت اُس زلف مشکبار کا حال، اے صبا نہ پوچھ  
 محفلِ نشاط ہے، اک شعرِ دل نشیں اس بر لبِ سخن میں ہے کس کی صدا، نہ پوچھ  
 کر رحم میرے جیب دگر یاں پہ ہم نفس! چلتی ہے کوئے یار میں کیوں کر ہوا، نہ پوچھ  
 رہتا نہیں ہے دہر میں جب کوئی آسرا اُس وقت آدمی پہ گزرتی ہے کیا؟ نہ پوچھ  
 ہر سالس میں ہے چشمہ حیوان و سلسبیل پھر کبھی میں تشنہ کام ہوں یہ مہاجر نہ پوچھ

نگاہ گرم سے حالت ہو دل کی اور تباہ  
 غضب ہے عارض رنگیں پہ چاندنی کی بہا  
 سر ہانے مجھ کو جو دیکھا تو آنکھ کھلتے ہی  
 نہ کیوں ہو طاعت بے روح سے بند لشیخ  
 اٹھائی یار نے کیوں قیدِ محنت و شرطِ چہت  
 حجیم و خلد کسی کی بھی کچھ نہیں چلتی  
 پر کھتے کاش وہ رہر کے ذوقِ منزل کو  
 تراپی ہے ارادہ اگر تو بسم اللہ  
 لبوں پہ کھیل رہا ہے تبسمِ شبِ ماہ  
 وہ مسکرائے جس سے ہٹا کے زلفِ سیاہ  
 اگر خلوص کی بنیاد پر ہے کوئی گناہ  
 کہیں ٹہر نہیں سکتی اب اہل دل کی نگاہ  
 عطا کیا ہے بشر کو یہ کس نے ذوقِ گناہ؟  
 سمجھ رہے ہیں جو گم کردہ راہ کو "گمراہ"

نہ کھا فریبِ سخن، خواجہ بزرگ ہنسدا!  
 کہ جوشِ اصل میں ہے ایک رندِ نامہِ سیاہ

(۹۲۶ء)

نہیں شراب، تو ہنگامہ بہار نہ دیکھ  
 خدا کو مان، یہ گلِ گشتِ سہم قاتل ہے  
 سفرِ نشاط سے خالی رہے گا آخر تک  
 ہزار دے کوئی تجھ کو فریبِ آزادی  
 جو دل میں تاب نہ ہو، آبِ رُوئے یار نہ دیکھ  
 مفارقت میں سوئے ماہ و جُویا نہ دیکھ  
 چلا ہے گھر سے تو مڑ مڑ کے بار بار نہ دیکھ  
 نگاہِ جبر پہ رکھ، سوئے اختِ یار نہ دیکھ

عشق کی بے خودی کے عالم میں ہم نے وہ بھید پائے ہیں کہ نہ پوچھ  
 صرف اک حسرتِ تبسم میں اتنے آنسو بہائے ہیں کہ نہ پوچھ  
 حُسنِ کافر نے اپنے قدموں پر اتنے مومن جھکائے ہیں کہ نہ پوچھ  
 ہم نے آرام کی تمنا میں اتنے صدمے اٹھائے ہیں کہ نہ پوچھ

جوش اُن انکھڑیوں کی بجلی نے

اتنے خرمن جلائے ہیں کہ نہ پوچھ

(۱۹۲۱ء)

آزمانا اگر ہے تیر نگاہ یہ جگر ہے، یہ دل ہے، بسم اللہ  
 خونِ رواے دلِ تہی پہلو یہ کنا رِشفق میں جلوہ ماہ  
 فتنہ خلق، تیری زلفِ دراز محشرِ ناز، تیری چشمِ سیاہ  
 ہم نشیں! تو محال کہتا تھا دیکھ، کرتے ہیں اس طرح سے نباہ  
 بس یہ مقصود ہے دو عالم سے تیرا جلوہ ہو، اور میری نگاہ  
 کچھ تو فرمائیے پئے تسکین یوں نہ دامن چھڑائیے للہ  
 ہجر ہے، اور میں بقیدِ حیات بخشدے اے خدا! یہ میرا گناہ  
 لطف کی اک نگاہ، اے جاناں! جوش ہے تیرا بندہ درگاہ

جاں بلب ہوں فراق کے مارے چار دن کی ہے زندگی پیارے!  
 اے مرے وعدہ بھولنے والے ڈوبنے کے قریب ہیں تارے  
 جوش سے گل جو نام اک پوچھا  
 ہو گیا زرد و شرم کے مارے

————— (۱۹۲۲ء) —————

دل کا رونا ہے، دل کا ماتم ہے اب تو ہر سانس نوحہ غم ہے  
 میرا صد مومن میں سُکرا دینا بدتر از صد ہزار ماتم ہے  
 دیکھ، وہ دل نہ توڑا و ظالم راز کونین کا جو محرم ہے  
 یاد اُن کی بہت نہیں آتی شاید اب دل کی زندگی کم ہے  
 خون دل کی ہر ایک بوندیں جوش  
 وسعتِ عرصہ دو عالم ہے

————— (۱۹۲۲ء) —————

شاہد دئے سے آشنائی ہے اپنی مشہور پارسی ہے  
 حُسن کو رام کر کے چھوڑوں گا مجھ سے دل نے قسم یہ کھائی ہے

جو ایک بار نہ دیکھیں تری طرف زردار      تجھے خدا کی قسم تو ہزار بار نہ دیکھ  
 محلِ شرم ہے اے خواجہ! وقتِ بذل و سخا      سوئے نگاہ گدایانِ شرمسار نہ دیکھ  
 اگر بہار کے بے خوف ٹوٹنا ہیں مرنے      اُلٹ کے دفترِ مستقبلِ بہار نہ دیکھ  
 اگر حیات کی تعمیر ہے تجھے منظور  
 نکل کے شہر سے ٹوٹے ہوئے مزار نہ دیکھ

(۱۹۱۱ء)

لے ہم نشیں! یہ قصہ دشتِ فزا نہ پوچھ      دل کس طرح بنا دل بے مدعا نہ پوچھ  
 غارتگروں کی مستی پیاں دلا نہ یاد      سنگیں دلوں کے وعدہ صبر آنا نہ پوچھ  
 کہائے ناز کے سخنِ ناسزا نہ سن      چشمِ سیاہ کے ستمِ ناروا نہ پوچھ  
 قصہ ہے دردِ ناکِ دلِ داغِ داغ کا      کیوں کر یہ مابتاب بنا ہے "شہا" نہ پوچھ  
 طے کر چکا ہوں عشق کی جس راہِ صعب کو      اُس راہ کی کشاکشِ بیم ورجا نہ پوچھ  
 اب تک وہ دل میں آگ بھری ہے کہ الال      کس طور سے یہ خاکِ بنیِ کیمیا نہ پوچھ

پہلو سے اپنے جوش کو تاروں کی چھاؤں میں  
 آتی ہے کس نگار کی آوازِ پیا؟ نہ پوچھ

قیامت تھی خدا کی بے نیازی مدد لینا پڑی عشق بُتاں سے  
اُتر آئے، کہو، خود ہی زمیں پر بلاتا ہے مجھے کیوں آسمان سے  
پتا منزل کا ہم کو تو بلا جوش  
بغادت کر کے میرے کارواں سے

(۱۹۲۲ء)

کر چکا سیر، اصل مرکز پر اب آنا چاہیے  
رسمِ عالم پر نہ جا، دیکھ اپنی افتادِ مزاج  
کھیل ہے کیا آفتابِ رازِ ہستی کا سُراغ؟  
کچھ سُنا، کیا کہ رہے ہیں نکتہِ سخنِ حیات؟  
جلوہ خود میں کے آگے پیش کرتا ہے دماغ!  
اس سے تیرے حُسنِ بے پردہ پہ حرفِ ایگا دیکھ  
یہ حجابِ جوئے دل ہے، نطق سے اس کو نہ چھڑ  
خواہ کتنی ہی سُرّت ہو، بسمِ ننگ ہے  
راہِ دل میں خضر کی حاجت ہنیں، تنہا نکل  
اولِ اول بھول جا ہر شے بجز یادِ حبیب

تجھ کو اپنے دل میں اک دُنیا بسانا چاہیے  
دہر کو اپنی روش پر کھینچ لانا چاہیے  
ذَرّے ذَرّے کے جگر میں ڈوب جانا چاہیے  
جس قدر ہو، دل کی بھینچنی بڑھانا چاہیے  
آئینہ ٹوٹے ہوئے دل کا دکھانا چاہیے  
حشر کے دن بھی نہ مجھ کو ہوش آنا چاہیے  
غم کے افسانے کو آنکھوں سے سُنا نا چاہیے  
ہاں جب آنسو کوئی ٹپکے مسکرانا چاہیے  
بڑھ کے اپنا ساتھ بھی پھر چھوٹ جانا چاہیے  
آخرِ آخر یا دیکھی دل سے بھُلانا چاہیے

آپ سے ہم سے، رنج ہی کیسا      سُکرا دیجئے، صفائی ہے  
 آئی عاشق میں شانِ محبوبی      یعنی اب عشق انتہائی ہے  
 حد ہے، اپنی طرف نہیں میں بھی  
 اور اُن کی طرف خُدا ہی ہے

(۱۹۲۷ء)

فقط اک جامِ درتِ مہ و شاں سے      فزوں ہے دولتِ کون و نکال سے  
 خُدا ہی خود مجھے آواز دے گی      کسے اُمید تھی عشق بُتاں سے  
 خُدا کے فضل سے ہوں وہ بلا نوش      سُبک ہوتا نہیں طُسلِ گراں سے  
 نہ پوچھو کیف کے عالم میں کیا کیا      اُلجھتا ہوں زمین و آسماں سے  
 کلی بن کر نہ اتنا ناز فرما      کوئی کہدویہ خاکِ بوستاں سے  
 نقاب اُٹھتی نہیں چہرے سے اُنکے      مجھے اُٹھنا پڑے گا دریاں سے  
 مجھے خود ڈھونڈتے پھرتے تھے جبو      وہ دن اب ڈھونڈ کر لاؤں کہاں سے  
 وہ اک پل، جہ ترے پہلو میں گزے      گراں قیمت ہے عمر جا وداں سے  
 زمیں ہے رقص میں، گردش میں افلاک      مرے دُور شرابِ ارغواں سے  
 مری عصیاں کی راتیں ہیں مُنثور      چراغِ محفلِ دُوحانیاں سے



رکھتی ہے اے بُک سر! معمارِ زندگی نے  
 دل کی شکستگی پر بُنیا دشا دانی  
 پھر زخمِ نو کا شاید کرنا ہے خیر مقدم  
 دل سے گزر رہی ہے اک موجِ کامرانی  
 فطرت، کمالِ سعیِ باطل پہنس رہی ہے  
 مذہب بنا رہا ہے قساوَنِ زندگانی  
 بنضیں جھٹی ہوئی ہیں سادون کے بادلوں کی  
 اللہ ری تیری کافر اُٹھتی ہوئی جوانی  
 پہلو میں تیرے اکثر مجھو ہوا یہ دھوکا  
 میں ہوں اُلویت کا اک جزوِ غیر فانی

اے جوش، ہند اب تک محروم رنگِ جوبوہی  
 صدیوں ابھی نہ ہوگی شاعر کی قدر دانی

(۱۹۲۱ء)

افشائے رازِ عشق کا سماں کئے ہوئے  
 پھر آگئے وہ بال پریشاں کئے ہوئے  
 پھر قشقہ بر جبین کوئی نکلا ہے دیر سے  
 آہنگِ آزمائشِ ایماں کئے ہوئے  
 پھر بڑھ رہا ہے میری طرفِ مُطربِ جنوں  
 عصر اکو اپنے ساتھ غزلخواں کئے ہوئے  
 پھر مست چل رہی ہے ہوا کوہِ دُشت میں  
 ہر شے کو اپنی رد میں گلستاں کئے ہوئے  
 خنجرِ کیف بڑھ رہا ہے مری سمتِ پھر جمال  
 کہنی تک اپنے ہاتھوں کو بیاں کئے ہوئے  
 پھر آئے ہیں وہ سامنے اُٹے ہوئے نقاب  
 سو طور اک نگاہ میں پنہاں کئے ہوئے  
 پھر اُس نے آکے کُفر کا اقرار لے لیا  
 مدت ہوئی تھی دل کو مسماں کئے ہوئے

تیرا کہنا ہو گیا، میں نے آنکھیں پھولیں اب تو بزم ناز کا پردہ اٹھانا چاہیے  
 کچھ نہ رہ جائے بجز یک شعلہ عالمِ سرور  
 اس طرح اجزائے ہستی کو جلانا چاہیے

— (۱۹۲۷ء) —

قدم انسان کا راہِ دہر میں تھرا ہی جاتا ہو  
 نظر ہو خواہ کتنی ہی حقائق آشنا، پھر بھی  
 خلافِ مصلحت میں بھی سمجھتا ہوں، مگر ناصح!  
 ہوائیں زور کتنا ہی لگائیں آندھیاں بن کر  
 شکایت کیوں اسے کہتے ہو، یہ فطرت ہے انسانی  
 شگوفوں پر بھی آتی ہیں بلائیں، یوں تو کہنے کو  
 چلے کتنا ہی کوئی بچکے، کٹھو کر کھا ہی جاتا ہے  
 ہجومِ کشمکش میں آدمی گھبرا ہی جاتا ہے  
 وہ آتے ہیں تو چہرے پر تغیر آ ہی جاتا ہے  
 مگر جو گھر کے آتا ہے وہ بادل چھایا جاتا ہے  
 مصیبت میں خیالِ عیشِ رفت آ ہی جاتا ہے  
 مگر جو پھول بن جاتا ہے وہ کھلا ہی جاتا ہے

سمجھتی ہیں آں گل، مگر کیا زورِ فطرت ہے  
 سحر ہوتے ہی کلیوں کو تبسم آ ہی جاتا ہے

— (۱۹۲۷ء) —

باتوں میں سردہری، آنکھوں میں مہربانی  
 ہر اک نفس کو میرے صدمہ موجِ برق دے کر  
 کس نے سکھائے ہیں یہ آئینِ درستانی؟  
 بخشی ہے تُو نے دل کے خرمن کی پاسبانی

مشہدی مرزا میں پہاں ہے عجب کیف جنوں  
ایسے دیوانے سے ملنا جوش اپنی عید ہے

(۱۹۶۶ء)

کردن میں ہیں وہ باہنیں، گردش میں ہیں پیما  
سُن لیجئے فرصت ہے، پھر کیا ہو خدا جانے  
کچھ سیکھ سکیں شاید آبادیاں شہروں کی  
مُطرب: وہ اُٹھے پر دے، ساقی، وہ کھلے عقد  
ہم عشق سے کیا واقف، واقف ہیں تو صرف اتنا  
جو غمچہ و شبنم تھے کل رات کے ہونٹوں پر  
اب صبح کے کانوں پر نشتر ہیں وہ افسانے  
اے جوش اُلجھتا ہے کیوں شمع نہک سر سے؟  
یہ عشق کو کیا سمجھے، یہ حُسن کو کیا جانے

پھر آئے ہیں وہ جوش، سُوئے مجرمانِ عشق  
شعلے کی طرح تیغ کو عُسریاں کئے ہوئے

(۱۹۲۵ء)

کہوں تو کون مانے گا کہ فیضِ چشمِ گریاں سے  
دکھاؤں اپنی فطرت کے نوادر کس توقع پر  
صحائفِ میر سے سر آنکھوں پہ لیکن واقعہ یہ ہے  
الہی! یہ جواں چشمِ درخشاں بزمِ عالم ہو  
ربابِ زندگی میں جس کے چھو جانے سے لرزش ہے  
خدا کو میں نے پہچانا ہے نورِ صبحِ خنداں سے  
طرب کے چھوٹنے لگے ہیں چشمےِ رُوحِ انساں سے  
کہ اس بازار میں راضی ہیں گاہکِ جنسِ ارزاں سے  
بھارتِ چھین کر جو بے چلا ہے پیرِ کنعاناں سے  
وہ ناخن کھیلتا ہے ہر نفسِ میری رگِ جاں سے

لکھائی "طرح" میں محدود کر کے پھر غزل مجھ سے

خدا اے جوشِ سمجھے شاعرانِ سُستِ پیاں سے

(۱۹۲۶ء)

کس قدر آئینہ تائب ہر تردید ہے  
دے انھیں جن جنش کبھی عہدِ وفا کے واسطے  
کس قدر نچتر ہے تیرا وعدہ دیدار بھی  
سوچے کیا چیز ہوگی اُس کی صُبحِ آرزو  
شرک بھی دیکھا تو اک مٹکی ہوئی تو حید ہے  
تیرے ہونٹوں میں نہاں میرا ہلالِ عید ہے  
ہر طلوعِ صبح تیرے عہد کی تجدید ہے  
جس کی شامِ نامراد ہی صُبحِ صد اُمید ہے

تجھے خبر بھی ہے ناداں کہ مثلِ روغن ہے؟  
چراغِ مصطفویٰ کو ہوائے بودا ہسی

(۱۹۲۵ء)

نہ چھڑ شاعر! ربابِ رنگیں، یہ یزم ابھی نکتہ داں نہیں ہے  
تری نو اسٹیجیوں کے شایاں فضائے ہندوستان نہیں ہے  
تری سماعت، نگارِ فطرت کے لحن کی راز داں نہیں ہے  
وگر نہ ذرہ ہے کون ایسا کہ جس کے مُنہ میں زباں نہیں ہے  
زباں پہ ہیں صوفیوں کی یارب! یہ کیسی بے مغز اصطلاحیں  
زمین کے پردے پہ ماسویٰ کا کہیں بھی نام و نشان نہیں ہے  
اگرچہ پامال ہیں یہ بحریں، مگر سخن ہے بلند، ہمد م!  
نہ دل میں لانا گمانِ پستی، مری "زمین" آسماں نہیں ہے  
ضمیرِ فطرت میں پر نشان ہے چین کی ترتیبِ نو کا ارماں  
خزاں جسے تو سمجھ رہا ہے وہ درحقیقت خزاں نہیں ہے  
حرمِ الزوارِ سردی ہے ہر ایک ذرہ بہ ربِّ کتبہ  
مرا یہ عینی مشاہدہ ہے، فریبِ وہم و گمان نہیں ہے؟

کیا کہیں وہ رازِ پنہانی، جو اپنے دل میں ہے  
 آہ اُس خنجر کی غریانی جو اپنے دل میں ہے  
 کس کو سمجھائیں؟ کہ ماخذ ہے چراغِ طور کا  
 یہ ہجومِ شعلہ سامانی جو اپنے دل میں ہے  
 ڈالتی ہے رُوئے حکمت پر حقارت سے نگاہ  
 رازِ عالم پر یہ حیرانی جو اپنے دل میں ہے  
 شہرِ حبرِ بیل کو پرواز کا دیتی ہے درس  
 یہ تصور کی پر افشانی جو اپنے دل میں ہے  
 کون مانے گا؟ کہ ہے افسرِ وہِ مرگِ گانِ تر  
 یہ سرست کی فراوانی جو اپنے دل میں ہے

(۱۹۲۶ء)

محلِ شکوہ نہیں ہے جہاں کی بولچہی کہاں تک اے دلِ ناداں! بیشقِ بے ادبی؟  
 نظامِ دہر ہے افساد کے توازن پر سحر کا لحن ہے پیکِ سکوتِ نیم شبی  
 ازل کے روز سے ظلمت ہے نور کی بنیاد کہ خاکِ تیرہ ہے صنّاعِ شیشہ جلی

نوائے بلبل، سُرد و قمری، میں سُردھنوں کیوں نہ جوشِ ان پر  
کہ ہیں یہ کچھ یادگار فقرے، کسی کی شیرینی بیاں کے

(۲۳)

رسمِ خرد سے ارتباط، رُوح کو وجہِ ننگ ہے      پائے جنوں اُدھر نہ جا، دشتِ شعورِ ننگ ہے  
اُس کا جمال چھوڑ کر، اُس سے بہشت مانگنا      تیری نظریں ہو ہنرِ میرے لئے تو ننگ ہے  
عشق کا دل ضرور ہے فرطِ جنوں سے بے ادب      حُسن! مگر خطِ معاف، تو بھی تو شورشِ ننگ ہے

بات ہے جوشِ ایک ہی، فرق ہے جنِ عشق کا  
میری جبین کی خستگی، اُن کی جبین پر ہنگ ہر

(۲۴)

شکرِ ایزد کہ دل کی بے تابی      بن گئی مایہِ ظفر یا بی  
وائے قسمت کہ اپنی جنسِ ہنر      یہ سچ ہے باوجودِ نایابی  
پست ہے میرے سازِ حُشیت      نغمہٗ بوعسل و سارابی  
تھک چکی ہیں رسالتیں کیا کیا      بل بے انساں کا ذوقِ سرتابی  
یاد آتا ہے اگر لے جوش

ہائے وہ چاندنی، وہ مہتابی

ہر ایک کانٹے پہ سُرخ کرنیں، ہر اک کلی میں چراغ روشن  
 "خیال" میں مُسکرا نے والے! ترا تبسّم کہاں نہیں ہے؟  
 فلک سے ہنگام شعر گوئی، صدائیں پیہم یہ آرہی ہیں۔  
 کہ آج اے جوشِ نکتہ پرور! ترا سا جادو بیاں نہیں ہے

(۱۹۲۶ء)

ہٹا، کہ عبرت کے کارخانے ہر ایک ذرے میں ہیں یہاں کے  
 نہیں یہ قبریں، "نشانِ پا" ہیں حیاتِ فانی کے کارواں کے  
 میں اُس کی گہری نظر کے صدقے، میں اُس کے ذوقِ طلب کے قربا  
 تری تجنی جو دیکھتا ہے دُھویں میں اس تیرہ خاکداں کے  
 چمکتے ہیں شب کو ماہِ اختر جھلکتا ہے صبحِ شاہِ خاور  
 پرستش ان کی کروں نہ کیوں کر؟ نشان ہیں یہ میرے بے نشان کے  
 نہ پوچھ راحت پر رت! کیوں کر کھلا ہے یہ بھید میرے دل پر؟  
 کہ اشک بہنے سے ٹوٹتے ہیں طلسمِ نیرنگی جہاں کے  
 یہ رازِ حق ہے، نہ کھل سکے گا کبھی ترے کبرِ خودِ منسا پر  
 کہ خاکِ افتادگی کے اندر درتے کھلتے ہیں آسماں کے



جلاکے میری نظر کا پردہ، ہٹا دی رُخ سے نقاب تُو نے  
 چراغ اُٹھا کر، مرے شبستاں میں رکھ دیا آفتاب تُو نے  
 فلک، نظر سے تڑپ رہا ہے، زمین، عشوؤں سے ہل رہی ہے  
 کہاں سے پایا ہے اوستمگر! یہ ست و کافر شباب تُو نے؟  
 نسیم، اور اوراق اُلٹ رہی ہے، سُجھوم، مشعل دکھا ہے ہیں  
 اُفق کی سُرخ میں پیش کی ہے، سحر کی زریں کتاب تُو نے  
 میں اپنے سینے میں تجھ کو رکھ لوں، ادھر تو آ لے سحاب نکلیں  
 زمیں پہ ٹپکائیں رُس کی بوندیں، فلک پہ چھڑکی شراب تُو نے  
 زمیں کی جانب نظر جھکائے کل ایک شاعر یہ کہہ رہا تھا  
 ہر ایک ذرے کو مسکرا کر بسنا دیا آفتاب تُو نے  
 جو باخبر تھے، وہ مسکرائے، جو بے خبر تھے، وہ کچھ نہ سمجھے  
 اُٹھا کے بیگانہ وار آنکھیں، کیا جو مجھ سے خطا ب تُو نے  
 ترے نثار اے نگاہِ ساقی! ترے تصور میں کیوں نہ جھوڑوں  
 کہ اپنے پر تو کو میرے دل میں بنا دیا ہے شراب تُو نے

دِلوں کو شامِ اَلَم بنا دے، شہیوں کو محروم خواب کر دے  
 تجھے قسم، حُسنِ دوست! مجھ کو رہینِ صدِ بچ و تاب کر دے  
 نقاب اُٹھا روئے جاں ستاں سے، دِلوں کی دُنیا میں بھُلا  
 اُداس ذروں پہ سُکرا کر نگاہ کر، آفتاب کر دے  
 مجھے حقیقت سے آشنا کر، دِلوں کو تسکین دینے والے!  
 ہر ایک کانٹے کو زندگی کے، مری نظر میں گلاب کر دے  
 کھلے ہوئے ہیں فلک پہ تارے، تجھے قسم اُن کی سادگی کی  
 مری شبِ تار کو بھی یارب! کبھی شبِ ماہِ تاب کر دے  
 مقام طے ہو رہے ہیں میرے، ہٹا نہ آئیے سے نگاہیں  
 مجھی پہ صرف، اوسنورنے والے، تمام زورِ شباب کر دے  
 حریمِ جاناں میں باریابی کی جوش اگر تجھ کو آرزو ہے  
 جگمگائے غفلت سے بچو دی کو، بخرو کو مصروفِ خواب کر دے

۱۹۲۳ء

میرے حواس لے لئے، یار کی چشم مست نے  
 طعنہ خو دسری دیا عشق جنوں پرست نے  
 فتح کا تاج رکھ دیا سر پہ مرے شکست نے  
 راہ وفا میں کھو دیا فکرِ بلند و پست نے  
 سر پہ ترے رہیں سدا پھولوں کے تاجِ فصلِ گل  
 رُوح کو مست کر دیا تیری ہوائے سرت نے  
 نظم عبودیت پڑھی میں نے کچھ ایسے سخن سے  
 ہنس کے رباب اٹھالیا نغمہ زنِ اُرت نے  
 اکے ہماری آنکھ میں، اشک نہ کیوں تھے ہیں  
 درس دیا ہے آپ کی چشم حیا پرست نے

جا کے نسیم جاں ستاں! کہنا یہ بزمِ سخن میں  
 بھیجا ہے تحفہٴ سلام، جوشِ سحر پرست نے

(مطلعہ)

اے دورِ ہوس پرور، اے عہدِ ریاکاری!  
 اندھیلوں کو دکھا جلوئے پہروں کو سنا نغمے  
 کیا جُزر ہے، کیا مد ہے، کیا دور و تسلسل ہے!  
 کیا شرع میں تیری بھی جائز نہیں میخواری؟  
 قدرت نے مرے حق میں یہ حکم کیا جاری  
 دشواری و آسانی، آسانی و دشواری  
 اے جانِ وفا! کب تک؟ اے رُوحِ کرم؟ تاکے؟  
 یہ صبح کی فریادیں، راتوں کی یہ بیداری  
 پر وہ اب اٹھایا ہے سلماتے محبت نے  
 کا ندھ سے پہ مرے رکھ دو تابوتِ ہوسِ کاری  
 محبوب! طلب کرے، قدرت کے مناظر کو  
 کافر ہوں، اگر خود سے کی ہو کبھی مئے خواری

پلٹ گئیں اشک بن کے نظریں، گرایا جیسے ہی تُو نے پر وہ  
 برس پڑیں سیکڑوں نگاہیں، ذرا جو اُلٹی نقاب تُو نے  
 نہ ہو گا تجھ سا بھی لا اُ بالی، خدا کی رحمت ہو جوشِ تجھ پر  
 سحر کو کیا کیا ضرورتیں ہیں، کبھی نہ دیکھا یہ خواب تُو نے

(۱۹۲۵ء)

شب، تصور نے یہ بخشا اوجِ روحانی مجھ  
 جا کے گوشے میں کسی صحرا کے رولیتا ہوں میں  
 آسمانوں کی بلبندی دیکھتی ہے راستہ  
 باغ نے لکھوائی مجھ سے طرح دیکر یہ غزل  
 اے چپکٹی صبح کی بیدار د کلیو! رحم، رحم،  
 دقیر عالم کا راز اک سطر میں سمجھا دیا  
 وہ مقامِ اتصال آیا ہے اے یادِ حبیب!  
 سب سے پہلے اب تری کرنا ہو قربانی مجھے  
 لکھنے کیا چھٹ گیا، اے جوشِ دنیا چھٹ گئی  
 اب کہاں ممکن وہ سامانِ غزلخوانی مجھے

اے میر کاظم علی صاحب باغ جو میر سے ہو ہمارا دوست حضرت اختر کے والد ہیں۔

۱۹۲۶ء

دل تناؤں سے یوں دُور ہوا جاتا ہے    حُسنِ تعظیم پہ محبور ہوا جاتا ہے  
 اتنی قربت پہ بھی یہ ناز ہے اللہ اللہ    مجھ سے ہر سانس میں وہ دُور ہوا جاتا ہے  
 مائلِ سجدہ ہوئے جاتے ہیں خُوبانِ جہاں  
 جوشِ یوں عشقِ پیغمبرِ وِہوا جاتا ہے

۲۵

کافر بنوں گا، کفر کا سا ماں تو کیجئے    پہلے گھنیری زُلف پریشاں تو کیجئے  
 اِس نازِ ہوش کو کہ ہے موسیٰ پہ طعنہ زن    اک دن نقابِ اُلٹ کے پشیاں تو کیجئے  
 عِشاقِ بندِ گانِ حُدا ہیں، حُدا نہیں    تھوڑا سا زرخِ حُسن کو ارزاں تو کیجئے  
 قدرت کو خود ہے حُسن کے الفاظ کا لحاظ    ایفا بھی ہو ہی جائے گا پیاں تو کیجئے  
 تاجِ چند رسمِ جامہِ وری کی حکایتیں؟    تکلیفِ یک تبسمِ پہنساں تو کیجئے  
 یوں سر نہ ہوگی جوشِ کبھی عشق کی ہِم  
 دل کو خرد سے دستِ دگر بیاں تو کیجئے

کس حد کی جنوں پرورشِ طیں ہیں محبت کی خاموشی و گویائی ہشیاری و سرشاری  
 اے شرم گنہ! تجھ سے بیکار اُلجھتا ہے یارانِ طریقت کا پسندارِ نیکو کاری  
 یہ عیش کی صورت ہے، وہ لطف کا سماں ہو  
 اے جوش، کھیلونوں کی تاجِ خریداری

— (۲۸) —

وہ جوشِ خیرگی ہے، متا شا کہیں جسے  
 اللہ ری خاکساری رندانِ بادہ خوار  
 بجلی گرمی وہ دل پہ جگرتک اُتر گئی  
 زلفِ حیاتِ نوبِ بشر میں ہے آج تک  
 کتنی حقیقتوں سے فنزوں تر ہے وہ فریب  
 میرا نفس ہے، جس کا لقب ہے شمیمِ زلف  
 وہ بھی ہے ایک اصل میں بھگی ہوئی وفا  
 لو، آ رہا ہے وہ کوئی مستِ خرام ناز  
 میرے نشاطِ خانہ امروز میں نہیں  
 خنجر ہے جوشِ بات میں، دامنِ ہوسے تر  
 بے پردہ یوں ہوئے ہو کہ پردا کہیں جسے  
 رشکِ غرورِ قصیدِ کسریٰ کہیں جسے  
 اُس چرخِ ناز سے، قدِ بالا کہیں جسے  
 وہ خم، گناہِ آدم و حوا کہیں جسے  
 دل کی زباں میں وعدہ فردا کہیں جسے  
 میری نظر ہے چہرہ زیبا کہیں جسے  
 اہل چہاں عداوتِ اعدا کہیں جسے  
 اس چال سے کہ لڑش صہبا کہیں جسے  
 وہ بزدلی کہ خطرہ فردا کہیں جسے  
 یہ اُس کے طور ہیں کہ سیحا کہیں جسے

۱۹۲۲ء

خود اپنی زندگی سے وحشت سی ہو گئی ہے      طاری کچھ ایسی دل پر عبرت سی ہو گئی ہے  
ذوقِ طرب سے دل کو ہونے لگی ہے وحشت      کچھ ایسی غم کی جانب رغبت سی ہو گئی ہے  
سینے پہ میرے جب سے رکھا ہے ہاتھ تم نے      کچھ اور دردِ دل میں شدت سی ہو گئی ہے  
مکن نہیں کہ بل کر سما ہی سُکرا دو      تم کو جیسے ہم سے نفرت سی ہو گئی ہے  
اب تو ہے کچھ دنوں سے یوں دل بھجنا بھجنا      دونوں جہاں سے گویا فرصت سی ہو گئی ہے  
وہ اب کہاں ہیں، لیکن اے ہنشیں! یہاں تو      مُرُمر کے دیکھنے کی عادت سی ہو گئی ہے

اے جوشِ رفتہ رفتہ شاید ہمارے دل سے  
ذوقِ سرور کی کو اُلفت سی ہو گئی ہے

(۲۴)

جب تک آنکھوں میں موجِ صہبا تھی      ذرے ذرے میں ایک دُنیا تھی  
بارے اب ظلم پر تو مائل ہو      ور نہ تم سے اُمید ہی کیا تھی  
رحم اُس عہد کے تصدق میں      جب تمہیں خود مری تمنا تھی

ہائے کس وقت یہ ہوا معلوم  
کہ تری آرزو نہ کرنا تھی

تقیہ شہر: مناسب نہیں یہ جلوہ گری کہ ادعائے خبر ہے کمال بے خبری  
 علاج دل کا کروں کیا، اگرچہ واقف ہوں کہ برقِ خرمین ہستی ہے ذوقِ دیدہ وری  
 رفیق! جام اٹھا، ذکرِ مدّعی موقوف کسے ہے فرصتِ بغض و دماغِ کینہ وری  
 فُغاں کہ فکر کو میری بلا ہے وہ بازار چہاں متاعِ ہنر سے گراں ہے بے ہنری  
 تجھے جراحِ دل کی ہے فکر کیوں اتنی؟ کہ خود ہے وقت کی فطرت میں ذوقِ بخیر گری  
 ہزار نغمہ رنگین و رقصِ بادِ مُراد فدائے نالہِ شبگیر و گریہِ سحرِ سی

سکوتِ شب میں پہنچتا ہے دل وہاں لے جوش  
 کہ چھوٹی ہے جہاں نبضِ آدمی و پری

حکم تو یہ ہے کہ اک وضع پہ منظم جہاں چاہتے یہ ہو کہ آدیزشِ افساد و رہے  
 دائے وہ عیشِ مصیبت میں ہے جس کا خیال ہائے وہ رات جو ہنگامِ سحر یا در ہے  
 دعوتِ برق ہے تعمیرِ نشیمن کا خیال غمِ جاناں کا تقاضا ہے کہ دل شاد و رہے

یہ بغاوت ہے جنوں سے کہ ہے پاسِ بخرد

یہ ہے توہینِ جوانی کہ خدا یا در ہے



کس لئے اب کیجے سیرِ گلستاں کی ہوس      حلقہ جام و سُبُو میں خود گالستاں آگیا  
 دیکھئے اب کیوں دریچوں سے خرامِ ابر کو      مے کشوں کے پاس خودِ اخیرِ سراں آگیا  
 عشقِ برقصاں ہو کہ آپہنچا پیامِ مرگ نہ  
 جوشِ بسجدے کر کہ تیرا دشمن جاں آگیا

متلّعِ حلقہ اور اک و نقدِ عالمِ ہوش      فدائے ساقی ساغرِ بدست و زلفِ بدوش  
 زمانہ، ذوقِ سماعت سے پی رہا ہے شراب      سنار ہی ہے وہ افسانہ چشمِ بادہ فروش  
 یہ بزمِ نیم شبی ہے، یہ وقتِ راز و رنگ      امامِ شہرِ اخیرِ دار، محتبِ ابا موش  
 مچا رہے ہیں تلامذہ شراب خانے میں      مُغنیانِ بہار و بُستانِ عشوہ فروش  
 کئے ہوئے ہے زمان و مکاں سے بیگانہ      شمیمِ گل کا تلامذہ، صدائے نئے کا خروش  
 کسی جبین سے نمایاں نہیں وہائے خرد      کسی نگاہ میں باقی نہیں ملاستِ ہوش  
 اُبل رہی ہیں بہاریں، برس رہی ہے شراب      مچل رہی ہے کلیجوں میں بانگِ نوازش  
 شرابِ کہنہ و ہمتاب و ساقی نوخیز      چمن میں آج یہ سب نعمتیں ہیں دوشِ بدوش  
 رگوں میں بادہ ہے، پہلو میں یار، سر پہ قمر      زیں کنیز ہے آج، آسمانِ حلقہ بگوش  
 نہ کیوں ہو مطرِ بہ چرخِ گوشِ بر آواز      اس آرزو میں کہ سُن لے کلامِ حفصہ جوش

قسم ہے آپ کے ہر روز رُوٹھ جانے کی      کہ اب ہوس ہے اُجل کو گلے لگانے کی  
وہاں سے ہے مری ہمت کی ابتدا واللہ      جو انتہا ہے ترے صبر آنے کی  
ٹھنکا ہوا ہے مرے آبشیاں کا ہر تنکا      فلک کو خُو ہے تو ہو بجلیاں گرانے کی  
ہزار بار ہوئی گو مالِ گل سے دو چار      کلی سے خُو نہ گئی پھر بھی سُکرانے کی  
مرے غُردر کے ماتھے پر آچلی ہے شکن      بدل رہی ہے تو بدلے ہوا زمانے کی  
چراغِ دیرو حرم کب کے بجھ گئے اے جوش  
ہنوز شمع ہے روشن شراب خانے کی

مُردہ اے رندو کہ سُرستی کا سا ماں آگیا      وہ ہوا سُکنی وہ یارِ گلِ بد اماں آگیا  
خوش ہو اے پیاسی زمیں، وہ بوندیاں پڑنے لگیں      مُردہ اے جوئے تُنک مایہ کہ طُفان آگیا  
ہل کے ہاں اک نعرہ، اے رندو کہ وہ کافرِ حال      رُخ پہ بکھرائے ہوئے زلفِ پریشاں آگیا  
ہاں اٹھو مَجْرے کو یارو، جام چھلکاتے ہوئے      بزم میں وہ صدرِ بزمِ بادہ خواراں آگیا  
ہل کے ہاں اک سجدہ شکرانہ اے زندانِ پاک      بوستاں میں وہ اللہ بادو باراں آگیا  
لبلیوں کی نغمہ پردازی کا اب کس کو دماغ      بزمِ ناؤ و نوش میں یارِ غزلخواں آگیا



پھر حُسنِ یارِ مائلِ اظہار ہو گیا  
 پھر زلفِ یوں کھلی کہ دلِ ویدہ چہا  
 خوابیدہ بختیوں کا ستا یا ہوا فراق  
 پھر جلوۂ نگار بنا میرا حُسن  
 پھر موتیوں کو گوشِ وفارونے لگا  
 پھر تابشِ تبسمِ جاناں کے سامنے  
 پھر کم نگاہیوں کو بلیِ رخصتِ نظر  
 پھر تو نے لگا خیمِ گردنِ متاعِ ناز  
 وہ خونِ دل کہ سرِ دھابغِ حیا میں  
 خلوت سے آنکھ میں درکتے ہی وہ نگار  
 ہر ذرہ ایک مصرع کا بازار ہو گیا  
 زنجیرِ رنگ و بو میں گرفتار ہو گیا  
 پھر روشناسِ دولتِ بیدار ہو گیا  
 پھر حُسنِ یارِ قافلہ سالار ہو گیا  
 پھر لعلِ گلِ فروشِ گہوار ہو گیا  
 کھلنا کلی کو باغ میں دشوار ہو گیا  
 پھر ناز، التفات پہ طیار ہو گیا  
 پھر لوحِ شاخِ زرم کا تلوار ہو گیا  
 پھر آشنائے گرمیِ رفتار ہو گیا  
 طوفانِ شہرِ فستِ بازار ہو گیا

آواز دو کہ جوشِ بیضِ شرابِ ناب  
 ساقی کی مرحمت کا سزاوار ہو گیا